عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الاُمّت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

14

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الاُمت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
مُلتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آرا کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اردو شرح

از:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱۴

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اشعار مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا ویعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر فضیلت علم اسرار و علم اصول دال یا واضع بیان ست و از ان جملہ فن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نہایت عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی از کتب این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج بتبیان ست بنا بر علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست و این ربع ثانی از دفتر رابع از ان ست (بالفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم) بمنزلہ لسان و ترجمان ست در و اصل متن را چنان حل کردہ کہ نہایت ملکان ست و مسائل را بطوری تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل ایقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و جابجا اشکالات و اغلاط را بطرزی دور ساختہ کہ مورث اطمینان اذہان ست و جابجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ کہ مطرب آذان و منشط اذہان ست ہم در مطاویش سپردہ

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر طبع شد

الربع الثانی من الدفتر الرابع من المثنوی

شرح حبیبی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گم ہو جانے کی خبر عبد المطلب کو ہونا اور انکا شہر کے گرد تلاش کرنا اور در کعبہ پر رونا اور حق تعالیٰ سے انکو طلب کرنا

چوں خبر یابید جدِّ مصطفےٰ	از حلیمہ وز فغانش بر ملا
وز چناں بانگ بلند و نعرہا	کہ بمیلے میر سدازوے صدا
زود عبد المطلب دانست چیست	دست بر سینہ ہمی زد می گریست
آمد از غم بر در کعبہ بسوز	کاے خبیر از سرِ شب وز راز روز
خویشتن را من نمی بینم فنے	تا بود ہمراز تو ہمچوں منے
خویشتن را من نمی بینم ہنر	تا شوم مقبول ایں مسعود در
یا سر و سجدہ مرا قدرے بود	یا با شکم دو لبے خنداں شود
لیک در سیمائے آں درِّ یتیم	دیدہ ام آثار لطفت اے کریم

کہ نمی ماند بما گرچہ زماست ما ہمہ مسیم و احمد کیمیاست
آں عجایبہا کہ من دیدم درو من ندیدم بر ولی زو بر عدو
انچہ فضل تو دریں طفلیش زاد کس نشاں ندہد بصد سالہ جہاد
چوں یقیں دیدم عنایتہائے تو بر وے او دُر یست از دریائے تو
من ہموں را می شفیع آرم بتو حال او اے حال داں با ما بگو
از دروں کعبہ آمد بانگ زود کہ ہم اکنوں رخ بتو خواہد نمود
با دو صد اقبال او محفوظ ماست با دو صد طلب ملک محفوظ ماست
ظاہرش را شہرۂ گیہاں کنیم باطنش را از ہمہ پنہاں کنیم
زر کان بود آب و گل ما زرگریم گہ کنش خلخال و گہ خاتم بریم
گہ حمائلہائے شمشیرش کنیم گاہ بند گردن شیرش کنیم
گہ ترنج تخت بر سازیم ازو گاہ تاج فرقہائے ملک جو
عشقہا داریم با ایں خاک ما زانکہ افتادست در قعدہ رضا
گہ چنیں شاہے ازو پیدا کنیم گہ ہم او را پیش شہ شیدا کنیم
صد ہزاراں عاشق و معشوق ازو در فغاں و در نفیر و جستجو
کار ما ایں است بر کوری آں کو بکار ما ندارد میل جاں
ایں فضیلت خاک را زاں رو دہیم زانکہ نعمت پیش بے برگاں نہیم
زانکہ دارد خاک شکل اغبری، وز دروں دارد صفات انوری،
ظاہرش با باطنش گشتہ بجنگ باطنش چوں گوہر و ظاہر چو سنگ

ظاہرش گوید کہ ما اینیم و بس
باطنش گوید نکو بین پیش و پس

ظاہرش منکر کہ باطن ہیچ نیست
باطنش گوید کہ بنمائیم بایست

ظاہرش با باطنش در چالش اند
لاجرم زین صبر نصرت می کشند

زین ترش رو خاک صورتہا کنیم
خندۂ پنہانش را پیدا کنیم

زانکہ ظاہر خاک اندوہ و بکاست
در درونش صد ہزاران خندہاست

کاشف السّریم و کار ما ہمین
کاین نہانہا را بر آریم از کمین

گرچہ دزد از منکری تن میزند
شحنۂ آن از عصر پیدا میکند

فضلہا دزدیدہ اند این خاکہا
تا مقر آریم شان از ابتلا

پس عجب فرزند کو را بودہ است
لیک احمد بر ہمہ افزودہ است

شد زمین و آسمان خندان و شاد
کاینچنین شاہی ز ما دو جفت زاد

شد زمین چون آسمان از شادیش
خاک چون سوسن شدہ ز آزادیش

ظاہرت با باطنت ای خاک خوش
چونکہ در جنگ اند و اندر کشمکش

ہر کہ با خود بہر حق باشد بجنگ
تا بود معنیش خصم بو و رنگ

ظلمتش با نور او شد در قتال
آفتاب جانش را نبود زوال

ہر کہ کوشد بہر ما در امتحان
پشت زیر پاش آرد آسمان

ظاہرت از تیرگی افغان کنان
باطن تو گلستان در گلستان

قاصدا چون صوفیان رو ترش
تا نیامیزند با ہر نور کش

عارفان رو ترش چون خارپشت
عیش پنہان کردہ در خار درشت

باغ پنہاں گرد باغ آں خار فاش	کائے عدو رو دازیں در دور باش
خار پشتا خار حارس کردہ	سر چو صوفی در گریباں بردہ
تا کسے در چار دانگ عیش تو	کم شود زیں گلرخاں خار خو
طفل تو گر چہ کہ کودک خو بدست	ہر دو عالم خود طفیل او بدست
ما جہانے را بدو زندہ کنیم	چرخ را در خدمتش بندہ کنیم

جسب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کو حلیمہ اور اسکی کھلم کھلا آہ و زاری کا واقعہ اور ان کے اس شور و شیون کا حال معلوم ہوا جسکی صدا میل بھر جاتی تھی۔ تو عبد المطلب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جد امجد نے اسکی وجہ معلوم کر لی۔ اور سینہ کوبی اور گریہ و بکا شروع کی اور اس غم کے سبب جلے ہوئے دل سے کعبہ کے دروازہ پر آئے۔ اور کہا کہ اے اسرار شب و روز سے واقف میں اپنے اندر کوئی ایسا ہنر نہیں دیکھتا جس سے میں آپکا ہمراز ہو سکوں اور آپ مجھے اپنے اسرار پر مطلع کر دیں نیز میں اپنے اندر کوئی ایسی بات نہیں دیکھتا جس سے کہ میں آپ کے اس باسعادت در کا مقبول ہو سکوں یا میرے سر اور سجدہ کی آپ کے یہاں کوئی وقعت ہو سکے۔ یا میرے آنسوؤں سے مجھے خوشی حاصل ہو یعنی میں رو دھو کر اپنا مقصد دلی حاصل کر لوں۔ مگر میں نے اس دُرِ یتیم احمد مصطفٰے کے چہرہ اور بشرہ میں آپ کے الطاف کا مشاہدہ کیا ہے۔ کیونکہ گو وہ ہمارا بچہ ہے مگر وہ ہم سے بالکل الگ ہے۔ اور ہم میں نہیں ملتا اور ہمارے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے تانبا اور اکسیر۔ کہ ہم تانبا ہیں اور وہ اکسیر نیز میں نے جو عجائبات اسکے اندر مشاہدہ کئے ہیں وہ عجائبات نہ میں نے کسی دوست میں دیکھے نہ دشمن میں۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ وہ آپکا مورد الطاف ہے۔ اور مورد الطاف بھی ایسا ویسا نہیں بلکہ نہایت اعلےٰ۔ کیونکہ جن لوگوں نے سیکڑوں برس مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں انپر بھی آپکا وہ فضل نہیں ہے جو اسکو اسکے بچپن ہی میں نصیب ہوا ہے۔ پس جبکہ میں نے یقینی طور پر اسپر آپ کی عنایتیں دیکھی ہیں اور میں نے

سمجھ لیا کہ وہ آپ کے بحر کمال کا ایک موتی ہے - اسلئے میں انہیں کو اپنا شفاعتی بناتا ہوں
اور کہتا ہوں کہ اے واقف حال آپ ہمسے انکی حالت بیان کر دیجئے - اسپر خانہ کعبہ کے
اندر سے فوراً آواز آئی کہ وہ ابھی ابھی اپنے دیدار سے تمہیں مشرف کریں گے تم گھبراؤ نہیں
انکو ہم نے بدرجۂ کمال خوش اقبالی عطا کی ہے - اور وہ فرشتوں کے بجید جماعت کے ساتھ
محفوظ ہیں ہم انکو ضائع نہونے دیں گے - بلکہ ان کے ظاہر کو تمام دنیا میں مشہور کریں گے
گو ان گے باطن کو جیسا کہ وہ ہے سب سے مخفی رکھیں گے - یاد رکھو کہ آپ وگل تو مثل سونے کے
ہے اور ہم مثل سنار کے - اسلئے کبھی تو ہم اس سے پازیب بناتے ہیں اور کبھی انگوٹھی اور
کبھی اسکو حمائل شمشیر بناتے ہیں اور کبھی اس سے شیر کی گردن کا طوق تیار کرتے ہیں اور کبھی اس سے تخت کا تاج
بناتے ہیں اور کبھی سلاطین کے سر کا تاج غرض کہ ہم اس سے بحسب اقتضائے حکمت متفاوت الکمال اشیا تیار کرتے ہیں
اور منشا اسکا یہ ہے کہ ہمکو اس خاک سے بہت محبت ہے اور محبت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صفت رضا و تسلیم اختیار
کی ہے اس لئے ہم اسمیں تصرف کرتے رہتے ہیں - اور اسکو مختلف صورتوں میں دیکھنا چاہتے ہیں
کبھی تو ہم اس سے بادشاہ بناتے ہیں اور کبھی اس سے بادشاہ کا عاشق تیار کرتے ہیں،
علیٰ ہذا ہم نے اس سے سیکڑوں عاشق و معشوق بناتے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے لئے
نالہ و فریاد کرتے اور اسکے طالب ہیں ہمارا یہ کام ہے گو اس شخص کو ناپسند ہو جو ہمارے
فعل کے ساتھ محبت نہیں رکھتا - اور بوجہ مصالح سے ناواقف ہونے کے اسپر اعتراض کرتا
اور یہ فضیلت ہمنے خاک کو اسلئے دی ہے کہ وہ بے سر و سامان اور متذلل اور متمسکن ہتی
اور ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم بے سر و سامان اور متذللین اور متمسکنین ہی کو نعمت دیتے ہیں
نیز اسکی شکل اغبر اور خاکی ہے اور اسکے اندر روشن صفات بھرے پڑے ہیں - اور اس کا
ظاہر باطن کیساتھ مصروف پیکار ہے - کیونکہ اسکا باطن تو ایسا ہے جیسا موتی - اور
ظاہر ایسا جیسا پتھر - پس چونکہ ان میں تضاد ہے اسلئے وہ مصروف پیکار ہیں - اور اسکا
ظاہر کہتا ہے کہ ہم صرف یہ ہی ہیں یعنی ہم میں کوئی کمال نہیں اور باطن کہتا ہے کہ کیا کہتا ہے غور سے
آگا پیچھا دیکھ کے کہہ اور اسکا ظاہر باطن کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ باطن کچھ نہیں اور باطن
کہتا ہے کہ ٹھیر میں تجھے اپنا وجود دکھلاتا ہوں غرضکہ اسکا ظاہر و باطن دونوں متضاد ہیں

اسلئے لامحالہ دونوں صبر سے متنفر ہیں۔ اور جنگ کو ختم نہیں کرتے۔ اسلئے اس ترشرو
خاک کے متضمن کمالات ہونیکے سبب ہم اس سے مختلف صورتیں بناتے ہیں اور اس کے
خندۂ پنہانی کو ظاہر کرتے ہیں۔ خاک کو ہم نے ترشرو اور اسکے خندہ کو پنہاں اس لئے
کہا کہ وہ ظاہر میں تو روتی صورت اور کمال سے معرا معلوم ہوتی ہے مگر اسکے باطن میں
ہزاروں شگفتگیاں اور کمالات بھرے پڑے ہیں پس ہم چونکہ کاشف اسرار ہیں اور ہمارا
کام ہی یہ ہے کہ اشیاء مخفیہ و استعدادات کافیہ کو ظاہر کریں اور چور کا قاعدہ ہے کہ
منکر ہو کر مال مسروقہ کے اظہار سے خاموشی اختیار کرتا ہے۔ مگر کوتوال اسے دبا کر اس سے
وہ مال اگلواتا ہے اور اس خاک نے بھی سیکڑوں کمالات چورا رکھیں ہیں اسلئے ہم اسکو
تکلیف دیکر وہ چوریاں اگلواتے ہیں۔ اور مختلف الکمال اشیاء پیدا کرتے ہیں۔ اس
بناء پر گو خاک سے عجیب عجیب بچے پیدا ہوتے ہیں مگر ان سب میں تمھارے بچے احمد نہایت
ہی عجیب اور سب سے فائق ہیں جب یہ پیدا ہوئے ہیں تو زمین و آسمان کو بیحد خوشی ہوئی۔ کہ
ہم میاں بیوی سے ایسا بچہ پیدا ہوا۔ اور انکی ولادت کی خوشی سے زمین آسمان ہو گئی
اور اس کی آزادی و حریت و شرف کو دیکھکر خاک سوسن بنگئی (یہاں سے دوسرے مضمون کی
طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ) اے خاک چونکہ تیرا ظاہر و باطن آپسمیں مصروف
پیکار اور متزاحم ہیں اسلئے تیرے جو بچے تیری صفت اپنی اندر رکھیں گے اور وہ رضائے حق
سبحانہ کیلئے اپنے نفس سے جنگ کریں گے تاکہ انکا باطن نور و رنگ (صورت) کا مخالف
ہوجاوے۔ تو ان کی ظلمت اس جنگ میں نور کے ساتھ یعنی نور کے تابع اور اسکے موافق
ہوجاویگی۔ اور ان کے آفتاب جانکو کبھی زوال نہوگا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی
حالت امتحان میں ہمارے لئے کوشش کرتا ہے۔ تو ہم اسکو اسقدر عالی رتبہ کردیتے ہیں کہ
آسمان سے فائق ہوجاتا ہے اور گویا کہ آسمان اسکے قدموں کے نیچے آجاتا ہے۔ اب پھر دوسرے
مضمون کی طرف انتقال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اے خاک گو تیرا ظاہر تیرگی کے سبب
روتا ہے مگر تیرا باطن مختلف قسم کی شگفتگیوں سے باغ باغ ہے۔ اور یہ تخالف بہ مصلحت ہے
اسلئے یوں کہنا چاہئے کہ قصداً ہے جسطرح کہ صوفی لوگ باوجود باطن میں ہزاروں شگفتگیاں

رکھتے کے رنجیدہ اور روتی صورت بنائے ہوتے ہیں تاکہ عوام ان سے اختلاط نکریں کیونکہ
ان کے اختلاط میں زوال نور ہے۔ اور یہ عارف جو بظاہر مغموم و محزون ہیں ایسے ہیں
جیسے ساہی کہ کانٹوں میں چین کرتی ہے۔ اور اندر باغ چھپا ہوا ہے۔ اور باغ کے چاروں
طرف کانٹے لگے ہیں۔ جسکا مقصد یہ ہے کہ اے مردود دشمن اس در سے دور رہ ہاں اے
ساہی ہم جانتے ہیں کہ تو نے باغ عیش کا کانٹوں کو محافظ بنایا ہے۔ اور صوفی کیطرح
گریبان میں منہ ڈال رکھا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ان گلرخان خار خصلت اور ظاہر یا
اچھے اور باطن میں برے لوگوں میں سے کوئی شخص تیرے عالم عیش میں نہ جا سکے۔ اور
حسد سے تجھے گزند نہ پہوچا سکے۔ اس مضموں کو ختم کرکے پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے
ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عبد المطلب اگرچہ تمہارا بچہ بظاہر بچونکی سی حالت رکھتا ہے مگر وہ
ہمیں اتنا عزیز ہے کہ تمام عالم کی خلقت ان ہی کی سبب ہے۔ اسلئے ہم اسکی حفاظت کرینگے
اور اسکو یہ شرف عطا کرینگے کہ اسکے ذریعہ سے ہم ایک عالم کو حیات روحانی عطا
فرماوینگے۔ اور آسمان کو اسکا خادم اور غلام بنا دینگے تم اطمینان رکھو۔

شرح شبیری

مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے گم ہوجانے کی خبر عبد المطلب کو ہونا اور ان کا شہر کے گرد تلاش کرنا اور در کعبہ پر رونا اور حق تعالیٰ سے اُن کو طلب کرنا

چوں خبر یابید جد مصطفے ۔۔۔ از حلیمہ وز فغانش بر ملا

یعنی جبکہ مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا صاحب نے حلیمہ کی اور انکے فغاں برملا کی خبر پائی

وز چناں بانگ بلند و نعرہا ۔۔۔ کہ بمیلے میرسید از وے صدا

یعنی اور ایسی بلند آواز کی اور نعروں کی خبر پائی) جنکی کہ آواز ایک میل تک پہونچ رہی تھی

مطلب یہ کہ حضرت حلیمہ رضؓ جو بہت زیادہ آہ و فغاں کر رہی تھیں اسکی خبر عبد المطلب کو پہونچی کہ (حضور مقبول) محمد (مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم) کہیں گم ہو گئے ہیں اسوجہ سے یہ اسقدر رو رہی ہیں۔

زود عبد المطلب دانست چیست — دست بر سینہ ہمی زد میگریست

یعنی حضرت عبد المطلب نے جلدی سے جان لیا کہ کیا بات ہے تو سینہ پر ہاتھ مارنے لگے اور رونے لگے۔

آمد از غم بر در کعبہ بسوز — کاے خبیر از سر شب و روز

یعنی غم کی وجہ سے در کعبہ پر سوز کے ساتھ تشریف لائے۔ (اور عرض کیا) کہ اے شب و روز کے بھیدوں کے خبردار۔

خویشتن را می نمی بینم فنے — تا بود ہمراز تو ہمچوں منے

یعنی میں اپنے اندر تو کوئی ایسا کمال نہیں دیکھتا کہ مجھ جیسا شخص آپکا ہمراز بنے۔

خویشتن را من نمی بینم ہنر — تا شوم مقبول ایں مسعود در

یعنی اپنے لئے میں ایسا کوئی ہنر نہیں پاتا کہ میں اس مبارک دروازہ کا مقبول ہوں۔

یا سر و سجدہ مرا قدرے بود — یا با شکم دولتے خنداں شود

یعنی یا یہ کہ میرے سر اور سجدہ کی کوئی قدر ہو یا میرے اشک سے کوئی دولت خنداں ہو۔

لیک در سیمائے آں دُرِ یتیم — دیدہ ام آثار لطفت ای کریم

یعنی لیکن اے کریم اس دُرِ یتیم کی پیشانی میں میں نے آپکے لطف کے آثار دیکھے ہیں +

کہ نمی ماند بما گرچہ ز ماست — ما ہمہ مس‌ایم و احمدؐ کیمیاست

یعنی وہ اگرچہ ہمارے میں سے ہی ہیں (مگر) ہم جیسے نہیں ہیں کہ ہم سارے مس ہیں اور احمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کیمیا ہیں +

آں عجائبہا کہ من دیدم درو — من ندیدم در ولی و بر عدو

یعنی جو عجائبات کہ میں نے اُن کے اندر دیکھے ہیں نہ کسی دوست میں دیکھے اور نہ کسی دشمن میں +

آنچہ فضل تو دریں طفلیش داد — کس نشاں ندید بصد سالہ جہاد

یعنی جو چیز کہ تیرے فضل نے اس بچپن میں انکو عطا فرمائی ہے کوئی شخص سو برس کے مجاہدہ میں اُسکا نشان نہیں پا سکتا +

چوں یقیں دیدم عنایتہائے تو   بر وے او در یست از دریائے تو

یعنی جب میں نے یقیناً آپ کی عنایتیں اُنپر دیکھی ہیں کہ وہ آپکے دریا کے ایک موتی ہیں +

من ہموں را می شفیع آرم بتو   حال واے حال داں با ما بگو

یعنی میں اُن ہی کو آپ کے آگے شفیع لاتا ہوں۔ کہ اے حال کے جاننے والے اُنکا حال ہمکو بتلا دیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عبد المطلب کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے گم ہونکی خبر ہوئی تو آپ در کعبہ پر پہونچے۔ اور اسطرح جناب باری میں دعا کرنا شروع کی کہ اے اللہ میرے اندر تو کوئی ایسا کمال اور ہنر ہے نہیں۔ کہ جسکی بدولت میں یہ عرض کروں کہ اُسکی وجہ سے مجھے آپ اپنا ہمراز بنا لیجئے۔ اور امور غیب سے مطلع فرما دیجئے۔ یا یہ ہو کہ میرے سجدے اور گریہ و زاری اس قابل ہوں کہ اُنکی اسقدر قدر کیجاوے کہ ان کے بدلہ میں کوئی دولت مجھے نصیب ہو یہ تو کوئی بات بھی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ خود محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں ہمنے ایسے امور مشاہدہ کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا خاص فضل اُن پر ہے اور اگرچہ وہ ہمارے اندر سے ہیں اور ہم میں سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن اُن کے کمالات ایسے ایسے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے بالکل مشابہ نہیں ہیں۔ ہمنے اُن کے اندر ایسے ایسے کمالات مشاہدہ کئے ہیں۔ کہ آج تک۔ نہ کسی دوست میں وہ کمالات دیکھے۔ اور نہ کسی دشمن میں اُنکو تو وہ کمالات آپکے فضل و کرم سے عطا ہوئے ہیں۔ کہ کوئی اگر سو برس تک مجاہدہ کرے تب بھی اُسکو حاصل نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ اُن کے ان کمالات کی وجہ سے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ اُنپر جناب کا خاص فضل و عنایت ہے۔ اور آپکے دریائے کرم و بحر لطف کے موتی ہیں۔ لہذا اگرچہ ہم تو اس قابل نہ تھے کہ آپ ہمکو کسی پوشیدہ بات کی اطلاع فرماتے۔ اور ہمکو اپنا رازدار بناتے مگر اب ہم اُن ہی کو یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو آپکی خدمت میں شفیع لاتے ہیں کہ اے اللہ ہمکو اس امر کی خبر اُنکی برکت سے فرما دیجئے کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں اُن کی حالت کی ہمیں خبر کر دیجئے پس جب یہ دعا حضرت عبد المطلب نے در کعبہ پر کی تو کعبہ کے اندر سے اُنکو

ہاتف کی ندا آئی جسکو آگے مولانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

از درون کعبہ آمد بانگ زود　　کہ ہاکنوں رخ بتو خواہد نمود

یعنی کعبہ کے اندر سے جلدی سے آواز آئی کہ وہ تمکو ابھی مُنہ دکھلا دیں گے۔ مطلب یہ کہ حضرت عبدالمطلب کی دعا پر یہ جواب ملا کہ وہ تمکو ابھی تھوڑی دیر میں ملجا دیں گے گھبراؤ مت۔ کیونکہ

با دو صد اقبال او محفوظ ماست　　با دو صد طلب ملک محفوظ ماست

یعنی دوسو اقبالوں کے ساتھ وہ ہمارے محفوظ ہیں اور دوسو گروہ فرشتہ کیساتھ وہ ہمارے محفوظ ہیں (دوسو سے مراد مطلق کثرت) مطلب یہ کہ تم گھبراؤ مت وہ ہماری حفاظت میں ہیں

ظاہرش را شہرۂ گیہاں کنیم　　باطنش را از ہمہ پنہاں کنیم

یعنی اُن کے ظاہر کو تو ہم جہان میں مشہور کر دیں گے اور اُن کے باطن کو سب سے پوشیدہ کریں گے مطلب یہ کہ اُن کے ظاہر کو تو ہم تمام عالم میں مشہور کریں گے کہ سب اُنکو جانیں گے اُن کے باطن کی پوری طرح کسی کو خبر نہ ہوگی۔ اُن کے باطنی کمالات تک پوری طرح کسی کی رسائی نہ ہوگی۔

زر کان بود آب و گل ما زرگریم　　گہ کنش خلخال و گہ خاتم بریم

یعنی معدن کا سونا آب و گل ہے اور ہم زرگر ہیں کبھی اسکو خلخال اور کبھی انگوٹھی بناتے ہیں +

گہ حمائلہائے شمشیرش کنیم　　گاہ بند گردن شیرش کنیم

یعنی کبھی اُسکو تلوار کی حمائل بناتے ہیں اور کبھی اُسکو شیر کی گردن کا بند بناتے ہیں +

گہ ترنج تخت بر سازیم ازو　　گاہ تاج فرقہائے ملک جو

یعنی کبھی اُس سے تخت کا ترنج بناتے ہیں اور کبھی اُس سے ملک جو لوگوں کے سروں کا تاج بناتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوا کہ دیکھو سونا ہوتا ہے اُسکی اصل تو آب و گل ہی ہوتی ہے لیکن کبھی سنار اُس سے پازیب بناتا ہے کبھی انگوٹھی کبھی تلوار کی حمائل بناتا ہے اور شیر کی گردن کا پٹہ غرض کہ مختلف چیزیں اچھی بری اُس سے بنتی ہیں اسی طرح انسان بھی آب و گل ہے ہمیں سے ہم کبھی کیسے بناتے ہیں اور کبھی کیسے بناتے ہیں کوئی اچھا تو کوئی بُرا یہ اشارہ ہے حدیث شریف کی حدیث میں ہے الناس معادن الذھب والفضۃ الخ غرضکہ اس خاک سے مختلف صورتیں اور انسان بنتے ہیں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

عشقہا داریم با ایں خاک ما — زانکہ افتادست در قعدۂ رضا

یعنی ہم اس خاک سے محبتیں رکھتے ہیں اسلئے کہ یہ قعدۂ رضا میں پڑی ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوا کہ ہمکو اس خاک سے محبت ہے کیونکہ متواضعانہ پڑی ہوئی ہے۔ اور جو تواضع کرتا ہے اس سے ہمکو محبت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے بھی محبت ہے (جیسا کہ حدیث میں ہے کہ من تواضع للہ رفعہ اللہ) اور اس محبت کا اثر یہ ہے۔

گہ چنیں شاہے ازو پیدا کنیم — گہ ہم او را پیش شہ شیدا کنیم

یعنی کبھی تو ہم ایسے بادشاہ اسمیں سے پیدا کرتے ہیں اور کبھی اسکو اس بادشاہ کا شیدا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کبھی اسی خاک میں سے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جیسے شاہنشاہ پیدا ہوتے ہیں اور کبھی اسی خاک کے بنے ہوئے لوگ اس شاہنشاہ پر شیدا و والہ ہوتے ہیں جیسے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور ارشاد ہوا کہ۔

صد ہزاراں عاشق و معشوق ازو — در فغان و در نفیر و جستجو

یعنی لاکھوں عاشق اور معشوق اسی میں سے ہیں کہ فغاں اور نفیر اور جستجو میں ہیں مطلب یہ کہ دیکھو لاکھوں عاشق و معشوق اسی خاک سے بنے ہیں کہ کوئی رو رہا ہے کوئی کسی کی تلاش میں ہے۔ غرضکہ ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔

کار ما اینست بر کوری آں — کو بکار ما ندارد میل جاں

یعنی ہمارا یہی کام ہے باوجود اس شخص کی ناگواری کے جو کہ ہمارے کام میں جان ہی رغبت نہ رکھے۔ یعنی اگر کسی کو یہ امور پسند نہوں اور وہ انکو اچھا نہ سمجھے تب بھی اسکی باوجود ناگواری کے اس طرح پیدا فرماتے ہیں کوری آں کے معنی عربی میں علی رغمہ کی ہیں اور ارشاد ہے کہ

ایں فضیلت خاک را زاں رو دہیم — زانکہ نعمت پیش بے برگاں نہیم

یعنی ہم خاک کو یہ فضیلت اسلئے دیتے ہیں کہ ہم نعمت کو بے سامانوں کے آگے رکھا کرتے ہیں

زانکہ دارد خاک شکل اغبری — وز دروں دارد صفات انوری

یعنی اسلئے کہ خاک ایک شکل غبار آلودہ رکھتی ہے اور اندر سے صفات انوری رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ ارشاد ہوا کہ ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم نعمت ایسے لوگوں کو دیا کرتے ہیں کہ جنکا کوئی

ظاہری وسیلہ اور اُن کے پاس کوئی ظاہری سامان نہو۔ تو خاک چونکہ بالکل متواضعانہ پڑی ہے اپنی شکل کو اس نے غبار آلودہ بنا رکھا ہے اسلئے ہم اسپر نعمتیں کرتے ہیں۔ اور اسکی صورت تو غبار آلود ہے لیکن اسکا باطن منور اور روشن ہے۔ اور چونکہ ظاہر و باطن اسکا آپسمیں مختلف ہے اس لئے یہ ہوتا ہے کہ۔

ظاہرش با باطنش گشتہ بجنگ　　باطنش چوں گوہر و ظاہر چو سنگ

یعنی اُسکا ظاہر باطن کیساتھ لڑائی میں ہے اور اسکا باطن مثل گوہر کے ہے اور ظاہر پتھر کیطرح ہے

ظاہرش گوید کہ ما اینیم و بس　　باطنش گوید نکو بیں پیش و پس

یعنی ظاہر خاک تو کہتا ہے کہ ہم یہی ہیں (جو نظر آتا ہے) اور بس۔ اور باطن خاک کہتا ہے کہ اچھی طرح آگے پیچھے دیکھ۔ مطلب یہ کہ ظاہر خاک تو کہتا ہے کہ میرے اندر کوئی کمالات نہیں ہیں میں تو بس یہی ہوں جو نظر آرہا ہوں لیکن باطن خاک کہہ رہا ہے کہ ذرا اچھی طرح دیکھو تو تمکو معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے کمالات میرے اندر موجود ہیں۔

ظاہرش منکر کہ باطن ہیچ نیست　　باطنش گوید کہ بنمائیم بایست

یعنی ظاہر خاک تو منکر ہے کہ باطن کوئی چیز نہیں ہے اور باطن خاک کہہ رہا ہے کہ ارے اُٹھ میں تجھے دکھلاؤں۔

ظاہرش با باطنش در چالش اند　　لاجرم زیں صبر نصرت میکشند

یعنی ظاہر خاک باطن خاک کیساتھ لڑائی میں ہیں تو آخر کار اس سے صبر اور مدد کھینچتے ہیں مطلب یہ کہ ظاہر اور باطن میں جو اختلاف اور لڑائی ہو رہی ہے اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کبھی ظاہر کو غلبہ ہوجاتا ہے اور اُسکو مدد پہونچ جاتی ہے۔ اور کبھی باطن کو یعنی کبھی آثار ظاہر کے غالب ہوجاتے ہیں اور کہیں آثار باطن کے غالب ہوجاتے ہیں +

زیں ترش رو خاک صورتہا کنیم　　خندۂ پنہانش را پیدا کنیم

یعنی اس ترش رو خاک سے ہم بہت سی صورتیں بناتے ہیں کہ اسکے خندۂ پنہاں کو ظاہر کرتے ہیں +

زانکہ ظاہر خاک اندوہ و بکاست　　در درونش صد ہزاراں خندہ ہاست

یعنی اسلئے کہ ظاہر خاک تو اندوہ و بکاہے۔ اور اسکے باطن میں ہزاروں خندے ہیں +

کاشف الستریم کار ما ہمیں کایں نہانہا را بر آریم از کمیں

یعنی ہم کاشف الستر ہیں ہمارا یہی کام ہے۔ کہ ان پوشیدہ اشیاء کو کمین سے نکالیں مطلب یہ ہے کہ ارشاد حق ہوتا ہے کہ یہ خاک جسکی صورت کہ ترش رو اور غبار آلودہ ہے اس سے ہم صورتیں بناتے ہیں اور ان کے اندر ایسے ایسے کمالات ہوتے ہیں کہ جس سے اس خاک کے کمالات باطنی کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ یہ خاک ظاہر میں تو ترش رو اور غبار آلودہی ہے لیکن اسکے اندر بڑے بڑے کمالات بھرے ہوئے ہیں تو ہم کاشف اسرار ہیں لہذا اس کے کمالات کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ آگے ان کمالات کے ظاہر کرنے کی ایک مثال دیتے ہیں اور پھر اس مثال کی تطبیق بیان فرماد یں گے۔ فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ دزد از منکری تن میزند شحنۂ آں از عصر پیدا کند

یعنی اگرچہ چور منکری کی وجہ سے چپ رہتا ہے (لیکن) کوتوال اسکو دبانیسے ظاہر کرلیتا ہے۔

فضلہا دزدیدہ اند ایں خاکہا ما مقر آریم شاں از ابتلا

یعنی ان خاکوں نے بہت سی فضیلتیں چرارکھی ہیں تو ہم امتحان کی وجہ سے انکو اقرار کراتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب چور چوری کرلیتا ہے تو اسکا اقرار نہیں کیا کرتا۔ بلکہ صاف انکار کرتا ہے۔ کہ میں نے تو نہیں چرایا۔ مگر کوتوال صاحب مار پیٹ کر اس سے اقرار کرا ہی لیتے ہیں۔ اسی طرح اس خاک نے بہت سی فضیلتیں چرارکھی ہیں۔ اور انکو یہ ظاہر نہیں ہونے دیتی۔ تو جب ہم ان کمالات کو ظاہر کرانا چاہتے ہیں تو اسکو کوٹ چھیٹ کر اس سے ظاہر کرا ہی لیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ اسکی صورتیں بناتے ہیں اور ان سے وہ کمالات ظاہر ہوتے ہیں آگے ارشاد ہے کہ۔

بس عجب فرزند کو را بودہ است لیک احمد بر ہمہ افزودہ است

یعنی بہت سے عجیب بچے اسکے ہوئے ہیں لیکن احمد صلے اللہ علیہ وسلم سب پر سبقت لیگئے ہیں

شد زمین و آسمان خنداں و شاد کہ چنیں شاہے ز ما دو جفت زاد

یعنی زمین و آسمان خنداں اور خوش ہوئے کہ ایسے شہنشاہ ہم دونوں سے پیدا ہوئے

شد زمین چون آسمان از شادیش خاک چون سوسن شد از آزادیش

یعنی زمین اپنی خوشی کی وجہ سے آسمان کی طرح ہوگئی۔ اور خاک اپنی آزادی کی وجہ سے سوسن کی طرح ہوگئی (سوسن چونکہ موسم بہار وخزاں میں دونوں میں سرسبز ہی رہتا ہے اسلئے اس کو آزاد کہتے ہیں۔ کہ یہ قید بہار وخزاں سے آزاد ہے) مطلب یہ کہ اس خاک سے بہت سے باکمال اور عجیب عجیب لوگ جوکہ مثل اسکے ابنا کے ہیں پیدا ہوئے ہیں۔ مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایسے باکمال پیدا ہوئے ہیں کہ یہ سب پر فوقیت لیگئے ہیں اور آپکی پیدایش پر زمین و آسمان اور خاک کو جنسے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم عنصری بنا ہے ناز ہے کہ اللہ اکبر ایسا عظیم الشان بادشاہ ہم سے بنا ہے اور ہم سے پیدا ہوا ہے زمین اپنی رفعت میں آسمان کی طرح ہو رہی ہے اور خاک الگ خوش ہوتی پھر رہی ہے۔ آگے خطاب حق خاک کو ہوتا ہے کہ +

ظاہرت با باطنت ای خاک خوش چونکہ در جنگند و اندر کشمکش

یعنی اے خاک خوش تیرا ظاہر باطن کے ساتھ جبکہ جنگ میں اور کشمکش میں ہے +

ہر کہ با خود بہر حق باشد بجنگ تا شود معنیش خصم بو و رنگ

یعنی جو شخص کہ اپنی ساتھ خدا کے واسطے لڑائی میں ہو یہاں تک اسکا باطن بو و رنگ کا دشمن ہو جاوے

ظلمتش با نور او شد در قتال آفتاب جانش را نبود زوال

یعنی اسکی ظلمت اسکے نور کی ساتھ قتال میں ہے اور اسکے آفتاب جاں کو زوال نہیں ہوتا (مصرعہ "چونکہ در جنگند و اندر کشمکش" میں جو چونکہ ہے اسکی جزا محذوف ہے۔ تقدیر اسکی یہ ہے کہ چونکہ ظاہرت با باطنت در جنگند پس ابنا رتو یعنی آدمیاں نیز در جنگند۔ اور اگلا شعر یعنی "ہر کہ با خود بہر حق" الخ دلیل جزا ہے جو قائم مقام جزا ہوگئی ہے۔ فافہم) مطلب یہ ہے کہ اے خاک تیرا ظاہر و باطن جونکہ مختلف ہیں اور خلاف میں ہیں لہذا انسان جو کہ تجھ سے بنا ہے وہ بھی مختلف ہے۔ اور جنگ میں ہے۔ لیکن ان میں سے جو شخص کہ اپنے نفس سے خدا کے واسطے لڑتا ہے اور لڑتے لڑتے اسکے باطن کو ظاہر پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اسکا باطن بو و رنگ یعنی ظاہر کا دشمن ہو جاتا ہے۔ تو پھر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اسکی ظلمت یعنی اسکا نفس بھی اسکے نور کے ساتھ یعنی روح کے ساتھ ملکر کام کرنے لگتا ہے۔ پھر اسکے آفتاب جان کو زوال

نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ نفس امارہ نفس لوامہ یا مطمئنہ ہو جاتا ہے تو وہ بھی روح کے تابع ہو کر اسی جیسے کام کرتا ہے۔ غرضنکہ پھر ایسے شخص کا نور روح کبھی کم نہیں ہوتا بلکہ یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ہر کہ گو شد بہر ما در امتحاں — پشت زیر پاش آرد آسماں

یعنی جو شخص کہ ہمارے واسطے امتحان میں ہوا تو اسکو ایسی رفعت ہوتی ہے کہ آسمان اپنی پشت اسکے پاؤں کے نیچے رکھ دیتا ہے یعنی اسکے مرتبہ کے آگے آسمان کا رتبہ بھی کوئی شئے نہیں ہے۔ اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ظاہرش از تیرگی افغاں کناں — باطن او گلستاں در گلستاں

یعنی اسکا ظاہر تو تاریکی کی وجہ سے فریاد کرنے والا ہوتا ہے۔ اور اسکا باطن گلستان در گلستان ہے

قاصداً چوں صوفیاں روئے ترش — تا نیامیزند با ہر نور کش

یعنی قصداً مثل صوفیان رو ترش کے تاکہ ہر نورکش کے ساتھ نہ ملجاویں مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات اپنی ظاہری حالت کو خراب قصداً رکھتے ہیں ورنہ باطن میں تو باغ وبہار ہے۔ کہ بجید وبحیاب عیش میں ہوتے ہیں جیسے کہ صوفی ہوتے ہیں کہ بہت ہی رو ترش ہوتے ہیں اور تیز مزاج ہوتے ہیں لیکن باطن میں ان کے کمالات بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور مصلحت اسمیں یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کی تیز مزاجی سے لوگ ان کے پاس نہیں آتے اور وہ آرام اور راحت سے رہتے ہیں۔ اور ان کا ضرر نہیں ہوتا۔ لیکن ما پنے ضرر کے خوف سے لوگوں سے مبتدی کو بچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جو منتہی ہے اسکو اپنے ضرر کی وجہ سے لوگوں سے بچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اسکی ترشی اور تیزی اصلاح کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تاکہ لوگوں کی اصلاح کرے تو غرضنکہ انکی ترشی وغیرہ سب اختیاری ہوتی ہے ورنہ باطن میں وہ بالکل خوش وخورم ہوتے ہیں۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

عارفاں رو ترش چوں خارپشت — عیش پنہاں کردہ در خار درشت

یعنی عارفان رو ترش سیہی کی طرح ہیں کہ وہ سخت کانٹوں میں عیش پوشیدہ کر رہے ہیں مطلب یہ کہ ان حضرات کی ایسی مثال ہے کہ جیسے سیہی ہوتی ہے کہ اسکے ظاہر جسم پر تو کانٹے ہوتے ہیں

کہ اسکے ذریعہ سے وہ لوگوں کے ضرر سے بچتی ہے لیکن اُن کانٹوں کے اندر وہ بالکل خوش وخورم اور عیش سے ہے۔ اسی طرح یہ حضرات بظاہر ترش رو و ترش ہیں لیکن باطن میں خوش و خورم اور آرام سے ہیں۔ آگے ایک اور مثال اسی کی دیتے ہیں کہ۔

باغ پنہاں گرد باغ آں خار فاش کای عدوئے دُزد ازیں دَر دور باش

یعنی باغ تو پوشیدہ ہے۔ اور گرد باغ کے وہ کانٹے ظاہر ہیں (اور مصلحت اُن کانٹوں میں یہ ہے) کہ اے دشمن مردود اس دروازہ سے دور رہ (تو اسی طرح یہ حضرات سختی کرکے غیر طالبین کے ضرر سے بچتے ہیں) چونکہ یہاں عارفین کو خار پشت سے تشبیہ دی تھی تو آگے خود اُس خار پشت کو خطاب کرکے اُن عارفین کی حالت بیان فرماتے ہیں۔

خار پشتا خار حارس کردۂ سر چو صوفی در گریباں بردۂ

یعنی اے سیہی تُنے کانٹوں کو محافظ بنایا ہے اور سر کو صوفی کی طرح تو گریباں میں لیجاتی ہے (چونکہ سیہی بھی مثل کچھوے کے اپنا سر کانٹوں کے اندر کرلیتی ہے۔ اسلئے فرمایا کہ ان کانٹوں کو تو نے نگہبان بناکر اپنا سر صوفی کی طرح اندر کرلیا ہے۔ یہ سب اسلئے ہے کہ)

تاکسے در چارد انگ عیش تو گم شود زیں گلرخاں خار خو

یعنی تاکہ کوئی شخص تیرے کامل عیش میں گم ہوجاوے ان گلرخاں خارخو کی وجہ سے مطلب یہ کہ اے خار پشت تو نے یہ اسلئے کر رکھا ہے تاکہ لوگوں کو تیری ظاہر حالت دیکھکر تیرے باطنی عیش کا پتہ نہ لگے اور وہ اور چیزوں کو جو کہ ظاہری عیش میں ہیں دیکھکر تجھے خراب اور نکما سمجھکر چھوڑدیں اور پھر تو آرام سے رہے اسی طرح جو عارفین ہیں وہ اپنی ظاہری حالت ایسی بناتے ہیں کہ جس سے لوگ اُنکو ذلیل وخوار سمجھکر چھوڑدیں۔ اور دنیا داروں کے عیش کو عیش سمجھکر اُن کے عیش باطن کا اُنکو پتہ بھی نہ لگے۔ اور پھر یہ حضرات آرام و آسائش سے رہیں۔ خوب سمجھ لو۔ آگے حضرت عبدالمطلب کو خطاب ارشاد ہوتا ہے کہ۔

طفل تو گرچہ کہ کودک خو بدست ہر دو عالم خود طفیل او بدست

یعنی آپکے صاحبزادے اگرچہ کودک خو ہیں (لیکن اُنکی شان یہ ہے کہ) دونوں عالم خود اُن کے طفیلی ہیں یعنی اگرچہ وہ ابھی بچہ ہیں اور بچوں کی طرح ان کے اندر کھیل کود وغیرہ ہے

لیکن اُنکی شان ایسی ہے جسکا کہ ظہور آئندہ ہوگا۔ کہ دونوں عالم اُنکا طفیلی ہے۔ اور اُنکی یہ شان ہے کہ۔

با جہانے را بدو زندہ کنیم	چرخ را در خدمتش بندہ کنیم

یعنی ہم ایک جہان کو اُنکی بدولت زندہ کریں گے اور آسمان کو اُنکی خدمت کیلئے غلام بنا دیں گے (آگے پھر حضرت عبد المطلب کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت کو پوچھنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں)۔

شرح حبیبی

حضرت عبد المطلب کا مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کو دریافت کرنا کہ آپ کہاں ہیں اور کعبہ کے اندر سے جواب آنا

گفت عبد المطلب کا ینم کجاست	اے علیم السر نشاں دہ راہ راست
از درونِ کعبہ آوازش رسید	گفت اے جوئندہ طفل رشید
ہاتفش گفتا مخور غم کایں زماں	با توزاں شاہ جہاں بدہم نشاں
در فلاں وادی است زیرآں درخت	پس رواں شد زود پیر نیکبخت
در رکاب او امیران قریش	زانکہ جدش بود زاعیان قریش
تا بہ پشت آدمؑ اسلافش ہمہ	مہتران رزم و بزم و ملحمہ
ایں نسب خود پوست او را بودہ است	کز شہنشاہان ہمہ پالودہ است
مغز او خود از نسب دور است و پاک	نیست جنسش از سمک کس تا سماک

نور حق را کس نجوید زاد و بود	خلعت حق را چہ حاجت تار و پود
کمترین خلعت کہ بدہد در ثواب	بر فزاید بر طراز آفتاب

اسپر عبدالمطلب نے عرض کی کہ اسوقت وہ کہاں ہے آپ دانائے راز ہیں مجھے سید ہا رستہ بتلا دیجئے اسکے جواب میں کعبہ کے اندر سے آواز آئی اور ہاتف نے کہا کہ اے اس مہتدی لڑکے کے تلاش کرنے والے تو غمگین نہو میں ابھی تجھے اس بچہ کا پتہ بتلاتا ہوں سن لے کہ وہ فلاں وادی میں فلاں درخت کے نیچے ہے۔ یہ سنکر عبدالمطلب فوراً روانہ ہوگئے اور سرداران قریش انکی ہمرکاب تھے کیونکہ عبدالمطلب حضور کے دادا سرداران قریش سے تھے اور کچھ یہی سردار نہ تھے بلکہ آدم علیہ السلام تک جتنے آپ کے اجداد تھے سب سرداران رزم و بزم و معرکہ آرائی تھے اور یہ بات آپ کے لئے کوئی بہت بڑی فخر کی چیز نہیں کیونکہ نسب تو آپکے لئے پوست ہے اسلئے کہ آپ تو مغز اور حقیقی بادشاہ ہیں یعنی انبیا میں سے ہیں جنکا کمال حقیقی اوصاف ذاتیہ ہیں نہ کہ صفات اضافیہ رہا آپکا مغز اور وہ شئے جو آپکا حقیقی کمال ہے اسکو نسب سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ کیونکہ اسکی جنس سے تو زمین سے آسمان تک کوئی شئے نہیں جس سے اسکا نسب ثابت ہو سکے کیونکہ وہ نور حق ہے اور نور حق سبحانہ کیلئے سلسلۂ ولادت و وجود نہیں تلاش کیا جا سکتا۔ اور وہ خلعت حق سبحانہ ہے۔ اور خلعت حق سبحانہ کیلئے تانے بانے کی ضرورت نہیں بہت معمولی خلعت اسکا جو وہ معاوضہ میں عطا کرتا ہے آفتاب سے فائق ہے پس جبکہ آفتاب جو ایک ادنی شئے ہے نسب سے منزہ ہے تو وہ خلعت تو بالاولی منزہ ہوگا۔

شرح شبیری

حضرت عبدالمطلب کا مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی

جگہ کو دریافت کرنا کہ آپ کہاں ہیں اور کعبہ کے اندر سے جواب آنا

گفت عبد المطلب کاینم کجاست
اے علیم السر نشان دہ راہ راست

یعنی حضرت عبد المطلب نے عرض کیا کہ وہ اسوقت کہاں ہیں اے عالم الاسرار مجھے راہ راست کا نشان بتا دیجئے۔

از درون کعبہ آوازش رسید
گفت اے جوئندہ طفل رشید

یعنی کعبہ کے اندر سے انکو آواز پہونچی کہ اے طفل رشید کے تلاش کرنے والے،

ہاتفش گفتا مخور غم کاین زماں
با تو زاں شاہ جہاں بدہم نشاں

یعنی ہاتف نے ان سے کہا کہ تم اسوقت غم مت کھاؤ کیونکہ میں تمکو اس شاہ جہاں کا پتہ دیتا ہوں۔

در فلاں وادی ست زیر آں درخت
پس رواں شد زود پیر نیکبخت

یعنی فلاں نشیب میں اس درخت کے نیچے ہیں پس (اسکو سنکر) وہ پیر نیکبخت حضرت عبد المطلب) روانہ ہو گئے۔

در رکاب او امیران قریش
زانکہ جدش بود ز اعیان قریش

یعنی حضرت عبد المطلب کے ہمراہی تمام سرداران قریش ہو لئے اسلئے کہ آپ کے دادا صاحب سرداران قریش میں سے تھے (تو جب وہ اپنے پوتے کو تلاش کرنے چلے تو اور سب بھی ہمراہ ہو لئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ)۔

تا بہ پشت آدمؑ اسلافش ہمہ
مہتران رزم و بزم و ملحمہ

یعنی آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام بزرگ رزم کے اور بزم کے اور لڑائیوں کے سردار تھے یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد سب باکمال اور سردار ہوئے ہیں اور سردار بھی ہر جگہ کے رزم کے بزم کے ہر طرح پر سردار ہی تھے آگے فرماتے ہیں کہ

این نسب خود پوست او را بودہ است ۔ کز شہنشاہان مہیا بودہ است

یعنی یہ نسب خود آپکا پوست ہے جو کہ بڑے بڑے بادشاہوں سے چھنٹا ہوا ہے۔

مغز او خود از نسب دور ست و پاک ۔ نیست جنسش از سمک کس تا سماک

یعنی آپکا اصل خود نسب سے دور اور پاک ہے۔ اور آپکی جنس کوئی شخص سمک سے سماک تک نہیں ہے یعنی نسب تو آپکا بجائے پوست کے باقی آپکی جو اصل ہے جو آپکے اندر اصل چیز ہے اسکا مماثل تو بھلا سمک سے سماک تک کوئی ہے ہی نہیں۔ لیکن نسب میں بھی کوئی آپکا شریک نہ تھا۔

نور حق را کس نجوید زاد و بود ۔ خلعت حق را چہ حاجت تار و پود

یعنی نور حق کیلئے کوئی زاد و بود تلاش نہیں کرتا۔ اور خلعت حق کیلئے تانے بانے کی کیا ضرورت ہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مغز اور اصل تو نور حق تھا تو اس کی کوئی اصل اور اسکے اباؤ اجداد تھوڑا ہی تھے اسکے لئے تو کسی تانے بانے کی یا اصل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ اسکی تو یہ شان ہے کہ۔

کمترین خلعت کہ بدہد در ثواب ۔ بر فزاید بر طراز آفتاب

یعنی سب سے گھٹیا خلعت جو کہ حق تعالیٰ ثواب میں بخشیں وہ آفتاب کے نقش و نگار سے بڑھ جاوے (تو بھلا پھر نور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ خوب سمجھ لو) آگے پھر مولانا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بلقیس کو دعوت دینے کے قصہ کا بقیہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کے بلقیس کو دعوت ایمان دینے کے قصہ کا بقیہ

خیز بلقیسا بیا و ملک بیں	بر لب دریائے یزداں دُر بچیں

خواہر انت ساکن چرخ سنی
خیز بلقیسا بیا دولت نگر
تو بمردارے چہ سلطانی کنی
جاودان از دولت ہا برخور

خواہر انت راز بخششہائے راد
خیز بلقیسا بیا در بحر جود
ہیچ میدانے کہ آن سلطان چہ داد
ہر دمے بردار بے سرمایہ سود

خواہر انت جملہ در عیش و طرب
خیز بلقیسا سعادت یار شو
بر تو چون خوش گشتہ این رنج و تعب
از ہمہ ملک سبا بیزار شو

تو ز شادی چون گدائے طبل زن
کہ منم شاہ و رئیس گولخن

مثل آدمی کے دنیا پر قناعت کر لینے اور طلب دنیا میں حرص کرنے کی اور دوست روحانیوں سے جو کہ اسکی ہمجنس ہیں اور آواز لگا رہے ہیں کہ یا لیت قومی یعلمون غفلت کرنا

آن سگے در کو گدائے کور دید
گفتہ ایم این را و لے یار د گر
حملہ می آورد و دلق می درید
شد مکرر بہر تاکید خبر

گور گفتش آخر آن یاران تو
قوم تو در کوہ می گیرند گور
ہر کہ اندا اند دم شکار و صید جو
در میان کوئے ملکیری تو کور

اب مولانا پھر قصہ بلقیس کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں کی معرفت بلقیس سے کہا کہ بلقیس اٹھو۔ اور میرے پاس آکر ملک دیکھو

جب تم میرے پاس آؤ گی اسوقت تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ سلطنت اسے کہتے ہیں تم آؤ
اور ساحل بحر جود خداوندی پر کھڑے ہو کر دُر ہائے کمالات باطنی چنو اور انہیں حاصل
کرو۔ دیکھو تو سہی تمھاری دوسری بہنیں مشرف باسلام ہو کر دو شنین یعنی رفیع المنزلت
ہو گئی ہیں۔ تم بھی ویسی ہی ہو جاؤ۔ اس مردار دنیا پر کیا حکومت کرتی ہو۔ حکومت تم نے
ابھی تک دیکھی بھی نہیں۔ اٹھو اور میرے پاس آؤ اور دولت دیکھو اور صرف دیکھو ہی
نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اُس دولت باطنی سے منتفع ہو۔ تم جانتی ہو کہ تمھاری بہنوں کو
حق سبحانہٗ نے کیسے کیسے گرانمایہ عطیہ عطا کئے ہیں تم بھی آؤ اور اس بحر جود میں غوطہ زن ہو
اور ہر وقت بدون پونجی کے نفع اٹھاؤ جو کہ نہایت قابل قدر ہے کیونکہ یہ سراسر عطیہ ہمت
شاہی ہے۔ برخلاف منافع دنیویہ کے کہ انمیں معاوضہ کی شان ہے۔ تمھاری بہنیں
تو سب کی سب دولت باطنی کے مزے اُڑا رہی اور چین کر رہی ہیں۔ تمہیں یہ رنج و تعب
سلطنت دنیاوی کیوں بھا گیا ہے۔ پس بلقیس اٹھو خوش قسمتی کی دوست بنو اور اسے
طلب کرو۔ اور ملک سبا سے بیزار ہو۔ اور اُسے چھوڑ دو۔ تم فقیر کی طرح خوشی سے نقارہ
بجا رہی ہو۔ اور کہہ رہی ہو کہ میں بادشاہ ہوں یعنی بھاڑ کا سردار ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی
فخر کی بات ہے۔ (فقیر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی اپنے کو شاہ کہتا ہے،
حالانکہ واقع میں محتاج اور بھاڑ جھونکنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور بلقیس بھی اپنے کو شاہ
کہتی تھی۔ حالانکہ دولت و ملک حقیقی سے بالکل خالی تھی۔ اور دنیا کا بھاڑ جھونک رہی تھی)
تمھاری مثال موجودہ حالت میں ایسی ہے جیسا کہ وہ پست ہمت کتا جس نے ایک اندھے
فقیر کو دیکھکر اُسپر حملہ کیا اور اُسکی گدڑی پھاڑ ڈالی۔ کیونکہ جسطرح وہ ایک ناچیز اور حقیر
شکار پر قناعت کرتا ہے یوں ہی تم بھی دنیائے مردار پر قناعت کئے ہوئے ہو کتے
کا واقعہ گو دوسرے دفتر میں بیان ہو چکا ہے۔ مگر اس مقام پر اسکو مکرر بیان کیا جاتا ہے
تاکہ مضمون بالا کو تقویت ہو۔ تتمہ اس قصہ کا یہ ہے کہ جب اُس کتے نے اندھے فقیر کی
گدڑی پھاڑی تو اس نے کہا کہ تیرے یار تو پہاڑ پر شکار تلاش کر رہے ہیں اور تیرے ہمجنس
تو پہاڑ میں گور خر پکڑ رہے ہیں مگر تو اتنا پست ہمت ہے کہ گلی میں بیچارے اندھے کو

پکڑتا ہے اس مضمون کو ختم کرکے اب مولانا دوسرے مضمون مناسب کی طرف انتقال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں!

ترک این تزویر کن ای شیخ نفور ‏ آب شورے جمع کردہ چند کور

کین مریدان من و من آب شور ‏ میخورند از من ہمی گردند کور

آب خود شیرین کن از بحر لدن ‏ آب بد را دام این کوران مکن

خیز شیران خدا بین گورگیر ‏ تو چو سگ چونی بزرقے کورگیر

گرچہ از صید غیر دوست دور ‏ حملہ شیر و شیر گیر و ست نور

در نظارہ صید و صیادے شہ ‏ کردہ ترک صید مردہ در دلہ

ہمچو مرغ مردہ شان بگرفتہ یار ‏ تاکند او جنس ایشان را شکار

مرغ مردہ مضطر اندر وصل و بین ‏ خواندہ القلب بین الاصبعین

مرغ مردہ اش را ہر آن کو شد شکار ‏ چون بہ بیند شد شکار شہریار

ہر کہ او زین مرغ مردہ سر بتافت ‏ دست آن صیاد را ہرگز نیافت

گوید او منگر بمردارے من ‏ عشق شہ بین در نگہداری من

من نہ مردارم مرا شہ کشتہ است ‏ صورت من شبہ مردہ گشتہ است

جنبشم زین پیش بود از بال و پر ‏ جنبشم اکنون ز دست دادگر

جنبش فانیم بیرون شد ز پوست ‏ جنبش باقیست اکنون چون از دوست

ہر کہ کج جنبد بہ پیش جنبشم ‏ گرچہ سیمرغ ست ازش می کشم

ہین مرا مردہ مبیں گر زندۂ ، در کف شاہم نگر گر بندۂ

مردہ زندہ کرد عیسیٰ از کرم ، من بکف خالق عیسیٰ درم

کے بمانم مردہ در قبضۂ خدا بر کف عیسیٰ مدار ایں ہم روا

عیسیم لیکن ہر آنکو یافت جاں از دم من او بماند جاوداں

شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مرد شاد آنکو جاں بدیں عیسیٰ سپرد

من عصایم در کف موسیٰ خویش موسیم پنہاں و من پیدا بہ پیش

بر مسلماناں پل دریا شوم باز بر فرعون اژدرہا شوم

ایں عصارا اے پسر تنہا مبیں کہ عصا بے کف حق نبود چنیں

موج طوفاں ہم عصا بد کو ز درد طنطنہ جادو پرستاں را بخورد

ہم عصا باد بر اعدائے ہود کہ برآرد از بقیہ عاد دود

ہم عصائے بود پشہ در نبرد کو برآرد از سر نمرود گرد

گر عصاہائے خدا را بشمرم زرق ایں فرعونیاں را بر درم

لیک زیں شیریں گیاہے زہرمند ترک کن تا چند روزے می چرند

گر نباشد جاہ فرعون و سری از کجا یابد جہنم پروری[ع۵]

فربہش کن آنگہش کش اے قصاب زانکہ بے برگند در دوزخ کلاب

گر نبودے خصم و دشمن در جہاں پس بمردے خشم اندر مردماں

دوزخ آں خشم ست بے خصم اے فلاں کے زید میرد ز نور مؤمناں

ع۵ پروری مخفف پرواری ہے اور پرواری اُس جانور کو کہتے ہیں جو ایک ایسے بالاخانہ پر رکھا جاتا ہے جسمیں چاروں طرف ہوا کے لئے کھڑکیاں ہوتی ہیں تاکہ وہ اسمیں رہکر خوب موٹا ہو۔ قالہ محمد افضل ۱۲ +

دوزخ آں خشم است و خصمے بایدش ؎ تا زید ورنہ رحیمے بکشدش

گر بماندے لطف بے قہر و بدے ؎ پس کمال بادشاہی کے شدے

ریشخندے کردہ اند آں منکراں ؎ بر مثلہا و بیان ذاکراں

تو اگر خواہی بکن ہم ریشخند ؎ چند خواہی زیست اے مردار چند

شاد باشید اے محبان در نیاز ؎ بر ہمیں در کہ شود امروز باز

ہر چہ جزوے باشدش کردے دگر ؎ در میان باغ از سیر و کبر

ہر یکے با جنس خود در کرد خود ؎ از برائے پختگی نم می خورد

تو کہ کرد زعفرانی زعفراں ؎ باش و آمیزش مکن با دیگراں

آب میخور زعفرانا تا رسی ؎ زعفرانی اندراں حلوا رسی

تو مکن در کرد شلغم پوز خویش ؎ کہ نگردد با تو او ہم طبع و کیش

تو بکردے او بکردے مودعہ ؎ زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ

خاصہ آں ارضے کہ از پہناوری ؎ در سفر گم می شود دیو و پری

اندراں بحر و بیابان و جبال ؎ منقطع می گردد اوہام و خیال

ایں بیاباں در بیاباں ہائے او ؎ ہمچو اندر بحر پر یکتائے مو

آب استادہ کہ سیر استش نہاں ؎ تازہ تر خوشتر ز جوہائے رواں

کو دروں خویش چوں جان و رواں ؎ سیر پنہاں دارد و پائے رواں

مستمع خفتہ است کوتہ کن خطاب ؎ اے خطیب ایں نقش کم زن بر آب

اے شیخ متنفر عن الخلق اور گوشہ نشین تو اس دہوکہ بازی کو چھوڑ کیونکہ تو کامل

اور قابل تربیت نہیں بلکہ آب شور ہے جس نے چند اندھوں کو جمع کر رکھا ہے۔ اور بزبان حال کہتا ہے کہ یہ میرے مرید ہیں اور میں کھاری پانی ہوں اور یہ لوگ مجھ میں سے پانی پیتے ہیں اور اندھے ہو جاتے ہیں یعنی میں نامقدس ہوں اور میری تربیت مضر ہے اور میں انکی تربیت کر کے انکو ضرر پہونچاتا ہوں۔ ارے تو کھاری پانی کیوں بنا ہوا ہے۔ اپنے پانی کو بحر حق سبحانہ سے متصل کر کے شیریں بنا لے یعنی مقدس و مقرب حق سبحانہ ہو کر اپنی تربیت کو مفید بنا لے۔ اور اس برے پانی یا نوعی تقدس کو ان اندھوں کا جال نہ بنا تو اوٹھ اور دیکھ کہ شیران خدا یعنی اہل اللہ کو دیکھ کہ وہ گورخروں کو پہچانتے اور اہل لوگونکو مرید کرتے ہیں۔ تو مکر سے کتے کی طرح اندھے لوگوں کو کیوں پھانستا ہے۔ میں نے انکو گورخروں کا پھانسنے والا بنا برظاہر کہدیا ہے ورنہ وہ اپنے دوست حق سبحانہ کے علاوہ کسی کا بھی شکار نہیں کرتے۔ اسلئے وہ سراسر شیر یعنی باہمت اور شیر گیر یعنی حق سبحانہ سے تعلق پیدا کرنے والے اور اسکے نور سے مسرت ہیں انھوں نے شکار کی مشاہدہ اور اپنے بادشاہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی مصروفیت میں اورونکا شکار کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اور تحیر فی ذات وصفات وافعال حق سبحانہ کے سبب مانند مردہ ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ وہ گورخرونکا شکار کرتے ہیں اسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے لئے نہیں کرتے۔ بلکہ حق سبحانہ کیلئے کرتے ہیں اسلئے یوں کہا جاویگا کہ جسطرح شکاری مرے ہوئے جانور کی کھال میں بھس بھر کے اسکے پیچھے بیٹھ کر جانور کی بولی بولتا ہے تاکہ اسکے ہمجنس اسکو اپنا ہمجنس سمجھکر جال میں آپھنسیں یوں ہی حق سبحانہ نے انکو بیکار کر رکھا ہے۔ تاکہ اُن کے ذریعہ سے اُن کے ہمجنسوں کو پھانسیں پس یہ لوگ مثل مرغ مردہ ہیں اور وصل و ہجر یعنی بسط وقبض دونوں حالتوں میں مغلوب حق سبحانہ ہیں۔ چنانچہ تونے پڑھا ہی ہے کہ قلب العبد بین اصبعی الرحمٰن اور گو یہ صفت سب میں مشترک ہے مگر اوروں میں اور اہل اللہ میں یہ فرق ہے کہ اہل اللہ میں یہ صفت علی وجہ الکمال پائی جاتی ہے۔ کیونکہ انکا اختیار بھی تابع ہے مرضی حق

سبحانہ کے۔ برخلاف اوروں کے کہ ان میں یہ بات نہیں۔ اسلئے یہ لوگ اسکے پورے مصداق ہیں لہذا یہ حدیث انکی مردگی کیلئے دلیل ہوجاویگی۔ نہ کہ اوروں کی مردگی کیلئے۔ یہانتک یہ امر ثابت ہوا کہ وہ اصالۃً خدا سے وابستگی رکھتے ہیں۔ اور دوسروں سے تعلق انکو خدا کیلئے ہے۔ تاکہ وہ انکو خدا تک پہونچا دیں اسلئے گویا کہ وہ آلہ ہیں حق سبحانہ کے اپنے بندوں کو اپنا بنانیکا۔ جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جو شخص اللہ جل جلالہ کے ان مردہ جانوروں کا شکار ہوگیا اور ان کی قبضہ میں آگیا جب وہ دیکھے گا تو اپنے کو حق سبحانہ سے وابستہ پائیگا۔ اور جو اس مردہ جانور سے سرکشی کریگا وہ حق سبحانہ تک کبھی واصل نہیں ہوسکتا۔ وہ کہتا ہے کہ اے شخص تو میری مردگی کو نہ دیکھ بلکہ یہ دیکھ کہ حق سبحانہ کو مجھسے کیسی محبت ہے۔ کہ مجھے اپنی نظر میں رکھتے ہیں .... میں مردہ نہیں ہوں۔ بلکہ قتیل حق سبحانہ ہوں ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم بلکہ صرف میرا جسم مشابہ مردہ کے ہوگیا ہے۔ کیونکہ میری حرکات اولا اپنے بال و پر یعنی اختیار سے نکلیں۔ اور اب میری حرکات حق سبحانہ کے دست رضا سے ہیں اور میری حرکات فانیہ صورت سے نکل گئی ہیں۔ اور اب جو حرکات ہیں وہ حرکات باقیہ ہیں کیونکہ وہ حق سبحانہ کی جانب سے ہیں۔ پس جو شخص میری حرکات کے سامنے غلط حرکت کریگا وہ بڑے سے بڑا کیوں نہو میں اُسے مار ڈالوں گا یعنی اسکی موت معنوی کا سبب بنجاؤنگا۔ دیکھ اگر تو زندۂ حقیقی ہے اور حس باطنی رکھتا ہے تو مجھے مردہ نہ سمجھ بلکہ اگر تو عبد کامل ہے تو مجھے قبضہ قدرت حق سبحانہ میں سمجھ اور اس سے جان لے کہ میں مردہ نہیں ہوں۔ کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھ میں اگر مردہ زندہ ہوجاتا تھا میں تو خالق عیسٰیؑ کے ہاتھ میں ہوں۔ پس میں قبضہ خدا میں رہکر کیسے مردہ رہسکتا ہوں۔ یہ بات (یعنی ہاتھ میں اگر مردہ رہنا) تو حضرت عیسٰیؑ کے حق میں بھی جائز نہ رکھنی چاہئے۔ چہ جائیکہ حق سبحانہ کے حق میں۔ اور میں صرف زندہ ہی نہیں ہوں۔ بلکہ عیسٰیؑ کی طرح زندہ کن بھی ہوں۔ لیکن ایک اعتبار سے مجھے حضرت

عیسےٰ پر تفوق ہے۔ گو فضل کلی انہیں کو ہے۔ اور بعض اعتبارات سے تفوق کی
وجہ یہ ہے کہ جو میرے تصرف سے زندہ ہوتا ہے وہ ابدی ہوتا ہے۔ اور جو بعض
مردہ حضرت عیسیٰؑ سے زندہ ہوتے تھے وہ گو زندہ ہو جاتے تھے مگر پھر مر جاتے تھے
اور ان کے فضل کلی کی وجہ یہ ہے کہ میں تو صرف ایک ہی قسم کی حیات بخشتا
ہوں یعنی حیات روحانی و جاودانی اور وہ دونوں قسم کی حیات بخشتے تھے۔
روحانی و جاودانی بھی اور جسمانی فانی بھی۔ نیز وہ جو حیات جاودانی بخشتے تھے
وہ اس حیات سے اکمل ہوتی تھی۔ جو میں بخشتا ہوں۔ اسلئے فضل کلی انہیں کو
ہے۔ فاندفع الاشکال۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ مسرور ہے وہ شخص جو اپنی
جان ایسے عیسیٰ کے سپرد کردے اور اس سے حیات ابدی حاصل کر لے۔ فتبین
ان المصرع الاول من بیت شد ز عیسےٰ زندہ الخ تتمۃ للبیت السابق و
مقولۃ للولی والمصرع الثانی مقولۃ لمولانا الرومی ولا تغتر بما قال المحشون
فانھم لم یصلوا الی المقصود۔ نیز میں اپنے موسیٰ کے ہاتھ میں عصا ہوں مگر میرا
موسیٰ چھپا ہوا ہے اور میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں تو چونکہ میں عصائے موسیٰ
ہوں اسلئے میں مسلمانوں کیلئے ذریعہ نجات ہوں۔ اور گمراہوں کے حق میں سبب
ہلاک روحانی۔ تم اس عصا کو تنہا نہ سمجھنا کیونکہ نا ممکن ہے۔ کہ بدون دست حق سبحانہ
کے عصا میں یہ خاصیت ہو۔ یاد رکھو کہ ایک میں ہی عصائے حق سبحانہ نہیں ہوں
بلکہ اور بھی ہیں۔ چنانچہ موج طوفان نیل بھی عصائے حق سبحانہ تھی جو موسیٰ علیہ السلام
کی ہمدردی کے سبب جادو پرست آل فرعون کے اکڑ فوں کو نگل گئی تھی۔ نیز دستان
ہود علیہ السلام پر ہوا خدائی لاٹھی تھی۔ جس نے قوم عاد کے نیچے کھینچے لوگوں کو ملیامیٹ
کر دیا تھا۔ نیز مچھر بھی عصائے حق سبحانہ تھا جس نے نمرود کا صفایا کر دیا تھا علی ہذا
اور بھی بہت سے عصا ہیں۔ جنکو اگر میں بیان کروں۔ تو ان موافقین فرعون یعنی
دہو کہ باز مشائخ یا مطلق اہل دنیا کے مکروں کے ٹکڑے اڑادوں۔ اور وہ چار ونا چار
انقیاد و اطاعت حق اختیار کریں۔ لیکن میں مجبور نہیں کرنا چاہتا اور کہتا ہوں کہ

انہیں چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ یہ لوگ اس شیریں مگر زہر آلود گھاس کو کچھ روز کھالیں۔ دیکھو اگر جاہ فرعون وامثال آں اور انکی سرداری نہو تو دوزخ کو غربہ جانور کھانے کیلئے کہاں سے ملے پس معلوم ہوا کہ اشرار کی اور انکی برائیوں میں ترقی کی بھی اس لئے ضرورت ہے کہ انکو یہ غذا کھا کر موٹا ہوتے دیا جاوے۔ اور اسکے بعد مار اجاوے کیونکہ دوزخ کے کتے (سانپ بچھو وغیرہ) بہت بے سروسامان ہیں اور انکو غذا کی بہت ضرورت ہے۔ نیز تم سمجھو کہ اگر مخالف اور دشمن دنیا میں نہوتے۔ تو غصہ بالکل فنا ہو جاتا۔ اور قوائے غضبیہ بالکل بیکار ہو جاتے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جن قوٰی سے کام نہیں لیا جاتا۔ وہ بیکار ہو جاتے ہیں جب یہ امر معلوم ہو چکا۔ تو اب سمجھو کہ دوزخ بھی ایک غصہ ہے۔ اسلئے اسکو ضرورت ہے دشمنوں کی جو اسکو باقی رکھ سکیں ورنہ بدون دشمنوں کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ نور مومنین اسے فنا کر دیگا۔ اور دوزخ ایک غضب وقہر حق سبحانہ ہے۔ اسکو ضرورت ہے دشمنونکی تاکہ وہ زندہ رہ سکے۔ ورنہ رحم اُسے فنا کر دیگا۔ اسپر یہ سوال ہو سکتا ہے۔ کہ خود غصہ کے بقا ہی کی کیا ضرورت ہے کہ اُسکی بقا کیلئے دشمنونکی ضرورت ہو۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر صرف لطف ہی لطف رہتا اور قہر اور اسکو باقی رکھنے والے اشرار نہوتے تو کمال بادشاہی کیونکر ہوتا۔ کیونکہ لطف وقہر دو لوازم کمال شاہی سے ہیں اور راز اسکا یہ ہے کہ بادشاہی کامل مقتضی ہے قدرت کاملہ کو اور قہر و محل قہر نہونیکی صورت میں حق سبحانہ لطف میں مجبور ہوتے۔ اور جبر منافی قدرت واختیار ہے اور عدم قدرت واختیار منافی کمال سلطنت ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ کمال سلطنت کیلئے ضرورت ہے قہر و محل قہر کی وھذا ھوالمدعی۔ تم ہماری ان تمثیلوں پر ہنسو گے۔ مگر تمہارا ہنسنا کچھ نیا ہو گا کیونکہ واعظین مع شیخین انبیا وغیرہ انبیا کی تمثیلوں اور اُن کے وعظوں سے یوں ہی تمسخر کیا گیا ہے اب اگر چاہو تم بھی ہنس لو آخر کب تک جیو گے۔ ایکدن ضرور مرو گے بس بعد مردن اس ہنسی کا نتیجہ تمہیں معلوم ہو جاویگا۔ برخلاف انکے اے مخلصین تم اپنی طاعت وتسلیم میں اسی دروازۂ اہل اللہ پر خوش رہو۔ اور اس تمسخر میں انکے

ساتھ شریک نہو۔ کیونکہ یہ عنقریب کھلنے والا ہے۔ اور اسکے ذریعہ سے حضرت حق سبحانہ تک تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ یہ میں اسلئے کہتا ہوں کہ قاعدہ ہے کہ ہر مسالہ لہسن و کبر وغیرہ باغ میں الگ کیاری میں ہوتا ہے۔ اور ہر ایک اپنی کیاری میں اپنے ہمجنس کے ساتھ پختگی کیلئے سیرابی حاصل کرتا ہے۔ پس چونکہ تم زعفران ہو اسلئے زعفران ہی رہو۔ اور اغیار کے ساتھ اختلاط نکرو۔ اور چونکہ تم زعفران ہو اسلئے اپنی کیاری میں سیراب ہوتے رہو یہانتک کہ تم پختہ ہو جاؤ۔ اور حلوے میں پہنچ جاؤ یعنی وہ غرض حاصل ہو جاوے جسکے لئے تم پیدا کئے گئے ہو۔ تم شلغموں کی کیاری میں منہ نہ ڈالو اور اغیار کے ساتھ اختلاط نکرو۔ کیونکہ وہ تمہارے ہم مشرب اور ہم مزاج نہیں ہو سکتے۔ تم اور وہ الگ الگ کیاریوں میں لگے ہوئے اور مختلف استعدادات وصفات کے ساتھ اسلئے موصوف ہو کہ یہ زمین استعدادات و صفات نہایت وسیع ہے اور اسمیں تخالف و تفارق کی بہت کچھ گنجایش ہے یہ زمین استعدادات وصفات تو وسیع ہی ہے۔ اس سے زیادہ وہ زمین وسیع ہے جسکے وسعت کے سبب دیو و پری حالت سفر میں گم ہو جاتے ہیں یعنی باطن عارف اسکے سمندر اور جنگل اور پہاڑ اتنے عالیشان ہیں کہ اوہام و خیالات بھی انکو طے نہیں کر سکتے۔ یہ بیابان معروف ان بیابانوں کے اندر ایسا ہے جیسے بھرے ہوئے سمندر میں ایک بال گو وہ عارف بوجہ عدم ظہور سیر باطنی کے ایک ٹھیرا ہوا پانی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ بظاہر ٹھیرا ہوا پانی جسکی سیر مخفی ہے ان متعارف انہار جاریہ سے زیادہ تازہ اور زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اندر مخفی سیر اور چلتے ہوئے پاؤں رکھتا ہے جسطرح روح طبی مخفی حرکت رکھتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ سننے والا سو رہا ہے اور سننے کیلئے تیار نہیں ہے اسلئے گفتگو کو ختم کرو۔ اور پانی پر نقش نہ بناؤ یعنی فضول کوشش کو چھوڑ دو۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کی بلقیس کو دعوت ایمان دینے کے قصہ کا بقیہ

خیز بلقیسا بیا و ملک بیں　　　بر لب دریائی یزداں دُر بچیں

یعنی اے بلقیس اٹھ آ اور ملک (اصلی) کو دیکھ اور دریائے حق کے کنارے پر موتی چن (یہ خطاب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہو یا مولانا رح کی طرف سے غرضکہ فرماتے ہیں کہ اے بلقیس آ ملک حقیقی دیکھ اور دولت باطن سے مالا مال ہو)۔

خواہرانت ساکن چرخ سنی　　　تو بمرداری چہ سلطانی کنی

یعنی تیری بہنیں (مومنات) آسمان روشن پر مقیم ہیں تو کیا ایک مردار (دنیا) پر بادشاہی کر رہی ہے۔

خیز بلقیسا بیا دولت نگر　　　جاوداں از دولت ما بر بخور

یعنی اے بلقیس اٹھ اور آ دولت (باطنی) دیکھ اور ہماری دولت (باطنی) سے ہمیشہ پھل کھا

خواہرانت راز بخششہائے راد　　　ہیچ میدانی کہ آں سلطاں چہ داد

یعنی تیری (مومنات) بہنوں کو عظیم الشان بخششوں سے تجھے کچھ خبر ہے کہ اس سلطان (حقیقی) نے کیا دیا۔

خیز بلقیسا بیا در بحر جود　　　ہر دمے بردار بے سرمایہ سود

یعنی اے بلقیس اٹھ اور بحر جود میں آ اور بے سرمایہ کے نفع حاصل کر (ہمارے پاس سرمایہ تھوڑا نا ظاہر ہے اسلئے کہ ہماری عبادتیں وغیرہ سب بیکار ہیں جو کچھ ملتا ہے اُسکا فضل وکرم ہے۔ لہذا فرمایا کہ بلا کسی سرمایہ کے نفع لیتی رہو)۔

خواہرانت جملہ در عیش و طرب　　　بر تو چوں خوش گشت ایں رنج و تعب

یعنی تیری (مومنات) بہنیں ساری عیش و طرب میں ہیں۔ تو یہ (دنیا کا) رنج و تعب تجھے کس طرح اچھا ہو گیا یعنی تو اس دنیا کی ظاہری عیش میں جو کہ حقیقت میں سراسر رنج و تعب ہے کہاں پھنس رہی ہے۔ تیری مومن بہنیں تو اصل عیش میں ہیں تو بھی اسی کو حاصل کر۔

خیز بلقیسا سعادت یار شو — وز ہمہ ملک سبا بیزار شو

یعنی اے بلقیس اُٹھ اور سعادت کی ساتھی ہو جا۔ اور تمام ملک سبا سے بیزار ہو جا +

تو ز شادی چوں گدائے طبل زن — کہ منم شاہ و رئیس گولخن

یعنی تو خوشی سے اس گدائے طبل زن کی مثل ہے (جو کہ کہتا ہو) کہ میں کوڑی کا بادشاہ اور رئیس ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی فقیر ایک طبل بھی بجاتا پھرے اور کہے کہ میں کوڑی کا بادشاہ ہوں اور رئیس ہوں تو اسکو کوئی بھی رئیس اور امیر نہ کہیگا۔ اسی طرح تو اس دنیا کی بادشاہ اور رئیس بنتی ہے جو کہ اس کوڑی سے بھی زیادہ پلید ہے۔ اور گندی ہے لہذا اسکو ترک کر اور دولت اصلی اور حقیقی کو لے۔ آگے ایک مثل اسی مضمون کی کہ دنیا کو ترک کرنا اور آخرت کو لینا چاہیئے۔ بیان فرماتے ہیں +

مثل آدمی کے دنیا پر قناعت کر لینے اور طلب دنیا میں حرص کرنیکی اور دوست روحانیوں سے جو کہ اسکے ہمجنس ہیں اور آواز لگا رہے ہیں کہ یا لیت قومی یعلمون غفلت کرنا

آں سگے در کو گدائے کور دید — حملہ می آورد و دلقش می درید

یعنی اس ایک کتے نے گلی میں ایک اندھا فقیر دیکھا تو حملہ آور ہوا اور گدڑی اسکی پھاڑ دی (مولانا فرماتے ہیں کہ) +

گفتہ ایم ایں را و لے بار دگر — شد مکرر بہر تاکید خبر

یعنی ہم اس (قصہ) کو کہہ چکے ہیں۔ لیکن دوسری مرتبہ خبر کی تاکید کیلئے مکرر ہو گیا ہے مطلب یہ کہ ہم اس قصہ کو اگرچہ اس سے قبل بھی بیان کر چکے ہیں لیکن یہاں بھی مکرر بیان کرتے ہیں تاکہ تکرار بیان سے اور مزید تاکید ہو جاوے۔ آگے پھر قصہ ہے +

کور گفتش آخر آں یاران تو — بر کہ اندا یندم شکار و صید جو

یعنی اندھے نے کہا کہ آخر تیرے گروہ یار پہاڑ پر اس دم شکار کے متلاشی ہیں +

قوم تو در کوہ میگیرند گور　　　　درمیان کوئی میگیری تو کور

یعنی تیری قوم پہاڑ میں گورخر پکڑ رہی ہے اور تو گلی میں اندھے کو پکڑ رہا ہے مطلب یہ کہ ایک کتے نے ایک اندھے کو گلی میں دیکھا تو اسپر حملہ آور ہوا اور اسکی گدڑی پھاڑ ڈالی تو اندھے نے کہا کہ اے کتے تیرے دوسرے ساتھی تو پہاڑ میں شکار گورخر کا کر رہے ہیں اور تو گلیوں میں کور یعنی اندھے کو پکڑتا پھرتا ہے۔ بس یہاں مثل ختم ہوگئی۔ اور اس مثل کی تطبیق یہ ہے کہ اسی طرح دنیادار لوگ تو دنیا کے پیچھے جو کہ اندھے کی طرح ہے پڑے ہوئے ہیں اور جو عارفین کہ انکی جنس سے ہیں وہ علوم و معارف کا شکار کر رہے ہیں۔ اور آخرت کو لے رہے ہیں۔ جو کہ مثل گورخر کے ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ترک ایں تزویر کن شیخ نفور　　　　آب شوری جمع کردہ چند کور

یعنی اے شیخ نفور (عن الخلق) اس مکاری کو چھوڑ کہ تو آب شور ہے اور چند اندھوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ اے مکار شیخ جو کہ بظاہر لوگوں کے بہکانے کے واسطے چند اندھوں کو گرد جمع کئے ہوئے بیٹھا ہے۔ اور انکو بہکا رہا ہے اس مکاری کو ترک کر اور اپنے کو کامل مت ظاہر کر۔ اسلئے کہ تو آب شور کی طرح ہے۔ تو کامل نہیں ہے۔ اور تو اس قابل نہیں ہے کہ تو لوگوں کو فیض پہونچا وے۔ اور تشنگان آب ہدایت کی پیاس بجھا دے بلکہ تو تو بزبان حال کہہ رہا ہے کہ۔

کایں مریدان من و من آب شور　　　　میخورند از من ہمی گردند کور

یعنی کہ میرے یہ مرید ہیں اور میں آب شور ہوں یہ مجھ میں سے پیتے ہیں اور اندھے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمہاری حالت جس سے کہ دنیا میں گمراہی پھیل رہی ہے اور لوگ بگڑ رہے ہیں یہ بتا رہی ہے اور بزبان حال کہہ رہی ہے کہ جو مجھ سے فیض لیگا وہ اندھا ہو جاویگا۔ اور اسکو باطنی بصیرت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ آگے مولانا ایسے شیوخ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

آب خود شیریں کن از بحر لدن　　　　آب بد را دام ایں کوران مکن

یعنی اپنے پانی کو حق تعالیٰ کے پاس سے شیریں کر لے اور برے پانی کو اندھوں کا جال

مت بنا۔ مطلب یہ کہ اے شیخ مکار اپنے اس مکر و تزویر سے عالم کو تباہ و خراب مت کر بلکہ اہل اللہ کے واسطے سے تعلق مع اللہ پیدا کر جس سے کہ دنیا میں ہدایت پھیلے*

خیز شیران خدا بیں گور گیر　　　　تو چو سگ چونی بتزویرے کور گیر

یعنی اٹھ گور پکڑنے والے شیران خدا کو دیکھ تو کتے کیطرح مکر سے اندھے کو پکڑنے والا کیوں ہے (شیران خدا سے مراد عارفین اور گور خر سے طالبان حق اور کور سے مراد اہل ہوا) مطلب یہ کہ اے شیخ مکار اٹھ اور دیکھ کہ کسطرح عارفین اور اولیاء اللہ طالبان حق کا شکار کرتے ہیں اور کسطرح انکو فیوض سے مالا مال کرتے ہیں۔ انکو دیکھ کر تو بھی اُن سے فیض حاصل کر۔ کہ تو بھی طالبان حق کو ہدایت کر سکے تو کہاں ان ہوا پرستوں کے کتوں کو مکر سے پھانس رہا ہے۔ اور دھوکا دیرہا ہے۔ آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

گور چہ از صید غیر دوست دور　　　　جملہ شیر و شیر گیر و مست نور

یعنی گور کیا چیز ہے وہ تو دوست کے علاوہ شکار کرنے سے بھی دور ہیں اور سب کے سب شیر اور شیر گیر ہیں اور مست نور ہیں۔ مطلب یہ کہ اُن حضرات عارفین کی تو یہ شان ہے کہ وہ طالبین ہی تاک نہیں رہتے کہ انھیں کو اپنا گرویدہ کرتے ہوں اور انکی طلب میں رہتے ہوں نہیں وہ حضرات تو دوست یعنی حق تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کے طالب اصلی ہوتے ہی نہیں وہ تو بس ایک ذات حق ہی کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور چونکہ وہ مظہر ہیں صفات حق کے اسلئے وہ متصف بصفات حق ہی ہیں اور اُسی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں اور اسی کے نور میں مست ہیں انکو بالذات تو طلب حق تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے۔ اور اس طلب میں اور کسی کو وہ شریک نہیں کرتے۔ اور انکی یہ شان ہے کہ۔

در نظارہ صید و صیادے شہ　　　　کردہ ترک صید و مردہ در ولہ

یعنی شکار کے اور شاہ کو شکار کرنے کے نظارہ میں شکار کو چھوڑے ہوئے ہیں اور حیرانی میں مردہ ہیں مطلب یہ کہ طالب حق ہیں وہ اور سبکو چھوڑے ہوئے ہیں اور بس اُسکی طلب میں ہمہ تن اور اوسی میں مشغول ہیں۔

ہمچو مرغ مردہ شان بگرفتہ یار　　　　تا کند او جنس ایشان را شکار

یعنی مرغ مردہ کی طرح انکو یار پکڑے ہوئے ہے۔ تاکہ اُسکی جنس کو شکار کرے۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ قاعدہ ہے کہ شکاری لوگ جس جانور کا شکار کرنا چاہتے ہیں اول انہیں سے ایک کو پکڑ کر اُسکی کھال نکال کر اُسمیں بھوسہ وغیرہ بھر کر اُسکو جال پر بٹھا کر اُس کے پیچھے سے اُسی جیسی بولی بولتے ہیں تو اُسکے ہمجنس کہتے ہیں کہ یہ ہمارا ہمجنس بیٹھا ہوا بول رہا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی خوف نہیں ہے بس یہ سمجھکر اور سب جانور بھی آجاتے ہیں اور جال میں پھنس جاتے ہیں۔ تو اسی طرح حق تعالیٰ نے ان عارفین کو جو کہ عشق حق میں مردہ ہو رہے ہیں دوسرے لوگوں کے اپنی طرف بلانے کیلئے آلہ بنا رکھا ہے۔ کہ جب اور لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان یہ کام یعنی ذکر اللہ اور طلب حق کر رہا ہے تو وہ بھی اکثر اسمیں لگجاتے ہیں تو ان حضرات کی تین شانیں ہوئیں ایک تو یہ کہ خود صیاد حق ہیں کہ اُسی کی طلب میں رہتے ہیں اور دوسرے صید حق بھی ہیں اسلئے کہ حق تعالیٰ کے قبضہ میں اور اُسکی قدرت میں ہیں اور اُسکو انھوں نے اپنی ذات بالکل سونپ دی ہے اور اسی کے ہو رہے ہیں جیسے کہ شکار شکاری کے ہاتھ میں ہو جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ آلۂ اصطیاد بھی ہیں کہ حق تعالیٰ اُن کے ذریعہ سے اور لوگوں کا شکار کرتے ہیں کہ اور لوگ ان کے ذریعہ سے اللہ والے بنتے ہیں اور ان حضرات کی یہ حالت ہے کہ۔

مرغ مردہ مضطر اندر وصل و بین　　　خواندۂ القلب بین الاصبعین

یعنی مرغ مردہ وصل و فراق (دونوں حالتوں) میں مضطر ہے اور تونے پڑھا ہے، القلب بین الاصبعین۔ مرغ مردہ سے مراد وہی عارفین۔ مطلب یہ کہ عارفین اور طالبین حق وصل و فراق یعنی بسط و قبض دونوں حالتوں میں مضطر ہی رہتا ہے۔ اُسکو کسی وقت چین نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ یہ تو حدیث میں تم نے پڑھا ہی ہے۔ قلب المومن بین الاصبعین من اصابع الرحمٰن تو بس جسطرح وہ چاہتے ہیں اُس کو رد و بدل کر دیتے ہیں اور جسطرح چاہتے ہیں اُسکو پھیر دیتے ہیں غرضکہ یہ ہر حالتمیں طلب میں لگے رہتے ہیں آگے دوسرے غیر طالبین کو ترغیب دیتے ہیں کہ۔

مرغ مردہ اش را ہر آنکو شد شکار   چوں بہ بیند شد شکار شہریار

یعنی جو شخص اُسکے مرغ مردہ کا شکار ہوگیا وہ جب دیکھیگا تو وہ یہ دیکھیگا کہ وہ شہریار کا شکار ہوگیا ہی
مطلب یہ کہ جو شخص کہ اولیاء اللہ کا تابع اور مطیع ہو جاویگا۔ اُسکو جب بصیرت حاصل
ہو جاویگی اور اُسکی آنکھیں کھلینگی تو وہ دیکھیگا کہ۔ آہا میں تو اتنے دنوں تک اطاعت
حق ہی میں رہا ہوں اور مجھے جو اولیاء اللہ کا قرب نصیب ہوا یہ تو عین قرب حق تھا
اسوقت سب کچھ معلوم ہو جاویگا جیسا کہ جب صیاد اُس مرغ مردہ کے ذریعہ سے شکار
کرتا ہے تو اول جو جانور آتے ہیں اس مرغ مردہ ہی کے پاس آتے ہیں لیکن جب صیاد
ہاتھ ڈالتا ہے اسوقت معلوم ہوتا ہے کہ آہا ہم تو ایک بڑے زبردست بادشاہ کے
ہاتھ میں شکار ہوئے ہیں ہم تو اس مرغ مردہ کے پاس آئے تھے مگر اسکا قرب عین قرب
شاہ ہوگیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ ۔

ہر کہ او زیں مرغ مردہ سر بتافت   دست آں صیاد را ہرگز نیافت

یعنی جس نے کہ اُس مرغ مردہ سے سرتابی کی اُس نے اُس صیاد کے ہاتھ کو ہرگز نہیں
پایا۔ مطلب یہ کہ جو شخص کہ اولیاء اللہ کی اطاعت نکرے اور ان سے سرکشی کرے اور
ان کے قرب سے بھاگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اُسکو ہرگز قرب حق نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور
وہ ہمیشہ محروم ہی رہیگا۔ اُنکی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ بزبان حال فرماتے ہیں کہ

گوید او منگر بمرداری من   عشق شہ بیں در نگہداری من

یعنی وہ کہتا ہے کہ میری مرداری کو مت دیکھ میرے تعلق میں عشق شاہ کو دیکھ۔ مطلب
یہ کہ وہ حضرات بزبان حال فرما رہے ہیں کہ میاں ہماری ظاہری ذلت و خواری کو مت
دیکھو۔ اور یہ مت سمجھو کہ یہ تو ذلیل و خوار لوگ ہیں ان سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہیئے
اسلئے کہ تم ہمارے تعلق میں دیکھوگے کہ تم کو عشق شاہی نصیب ہوگا۔ اور تمکو تعلق
مع اللہ پیدا ہو جاویگا۔ اور فرماتے ہیں کہ ۔

من نہ مردارم مرا شہ کشتہ است   صورت من شبہ مردہ گشتہ است

یعنی میں مردار نہیں ہوں مجھے بادشاہ نے مارا ہے ہاں میری صورت مردہ کے مشابہ

ہوگئی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حقیقت میں ذلیل وخوار نہیں بلکہ ہم فانی فی الحق ہوگئے جسکی وجہ سے ہمکو اس جسم ظاہر کے بناؤ سنگار کی پرواہ نہیں رہی۔ اسوجہ سے ہم ظاہر ذلیل وخوار معلوم ہوتے ہیں ورنہ باطن میں ہمارے سامنے بادشاہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسی مضمون کو حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ؎

اگرچہ بیخود و مستم و لے ہشیار میگردم　　بباطن شاہ کونینم بظاہر خوار میگردم

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

جنبشم زیں پیش بود از بال و پر　　جنبشم اکنوں ز دست دادگر

یعنی میری حرکت اس سے پہلے تو بال و پر سے تھی اور اب میری حرکت دادگر کے ہاتھ سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس سے قبل تو میں خواہشات نفسانی کے مطابق حرکت کیا کرتا تھا لیکن اب چونکہ میں فانی ہوگیا ہوں۔ اب میری تمام حرکات وسکون اس طرف سے ہوگئے ہیں اور میرا ارادہ اسکے ارادہ میں فنا ہوگیا ہے

جنبش فانیم بیروں شد ز پوست　　جنبش باقیست اکنوں چوں از وست

یعنی میری جنبش فانی تو پوست سے باہر ہوگئی۔ اور اب جنبش باقی ہے جبکہ اس سے ہے۔ مطلب یہ کہ میری حرکت فانی ہوچکی ہے اور اب وہ حالت ہے کہ میری تمام حرکات وسکون سب باقی ہیں اسلئے کہ تمام افعال میرے اسی طرف سے ہیں حتی کہ میرا ارادہ اسکے ارادہ میں فنا ہوچکا لہذا میرے تمام افعال باقی ہیں کوئی فانی نہیں۔

ہر کہ کج جنبد بہ پیش جنبشم　　گرچہ سیمرغ است زارش می کشم

یعنی جو شخص کہ میری حرکت کے سامنے کج حرکت کرے تو اگرچہ وہ سیمرغ ہو میں اسکو زار کرکے ماردوں۔ مطلب یہ کہ وہ حضرات بزبان حال فرماتے ہیں کہ جو شخص کہ میری اطاعت نکرے وہ گویا کہ اطاعت حق نہیں کرتا۔ تو وہ خواہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو ضرور ذلیل وخوار وتباہ ہوگا۔

ہیں مرا مردہ مبیں گر زندۂ　　در کف شاہم نگر گر بندۂ

یعنی ہاں اگر تو زندہ ہے تو مجھے مردہ مت جان مجھے کف شاہ میں دیکھ اگر تو بندہ ہے

مطلب یہ کہ تجھکو حیات باطنی حاصل ہے تو تو مجھے مردہ مت سمجھ۔ اسلئے کہ میں باطن میں ان ظاہری زندوں سے بھی زیادہ ہوں اور اگر تو بندۂ حق ہے تو یہ سمجھ کہ جو بندہ ہوتا ہے وہ تو کسی دوسرے کے قبضہ میں ہی ہوتا ہے تو اسی طرح میں قبضہ حق میں ہوں۔ مجھے مردہ مت سمجھو۔

مردہ زندہ کرد عیسیٰ از کرم　　　من بکف خالق عیسیٰ درم

یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے کرم کی وجہ سے مردہ کو زندہ کیا۔ اور میں تو عیسیٰ علیہ السلام کے خالق کے ہاتھ میں ہوں۔

کے بمانم مردہ در قبضۂ خدا　　　بر کف عیسیٰ مدار ایں ہم روا

یعنی میں قبضہ حق میں کس طرح مردہ رہونگا۔ یہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر جائز مت رکھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں جو مردہ آجاتا تھا وہ زندہ ہو جاتا تھا۔ تو میں تو خالق عیسیٰ کے قبضہ میں اور اسکے ہاتھ میں ہوں پھر کیا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں اگر تو زندہ ہو جاوے۔ اور خالق عیسیٰ کے ہاتھ میں اگر مردہ ہی رہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں سمجھنا بھی روا نہیں ہے۔ کہ کوئی مردہ ان کے قبضہ میں آوے۔ اور مردہ ہی رہے۔ تو بھلا خالق عیسیٰ کے واسطے یہ سمجھنا کس طرح جائز ہوگا۔ آگے ترقی فرماکر ان حضرات کا مقولہ بیان فرماتے ہیں کہ

عیسیم لیکن ہر آنکو یافت جاں　　　از دم من یافت ماند جاوداں

یعنی میں عیسیٰ ہوں لیکن جو شخص کہ میرے ہاتھ سے جان پاوے وہ ہمیشہ رہیگا۔

شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مرد　　　شاد آں کو جان بدیں عیسیٰ سپرد

یعنی عیسیٰ علیہ السلام سے زندہ ہوا۔ لیکن پھر مر گیا۔ اور خوش ہے وہ جس نے کہ جان اس عیسیٰ کو سپرد کر دی۔ مطلب یہ کہ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم چونکہ فانی فی الحق ہو گئے اور ہماری صفات صفات حق ہیں اسلئے ہماری حالت بوجہ فنا فی الحق کے یہ ہو گئی ہے کہ جو شخص اس طرح زندہ ہوا ہے۔ اسکو دوام نصیب ہوا ہے۔ اور جسکو حیات روحانی نصیب ہوئی ہے وہ ہمیشہ زندہ رہا ہے۔ بخلاف ان مردوں کے جنکو کہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام سے حیات ظاہری حاصل ہوئی تھی۔ کہ وہ آخر ایک روز فنا ہو گئے۔ ہاں جن لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام سے بھی حیات باطنی نصیب ہوئی تھی اسمیں انکو بھی دوام اور ہمیشگی ہی رہی۔ صرف فرق اُن لوگوں میں ہے کہ جنکو وہاں تو حیات ظاہری ملی اور یہاں حیات باطنی فرق اُن میں یہ ہے کہ وہاں بوجہ حیات ظاہری کے وہ ایک دن فنا ہو گئے۔ اور یہ حیات باطنی تھی اسکو دوام رہا۔ اور فرماتے ہیں کہ جس نے اس عیسیٰ کو یعنی فانی فی الحق کو اپنی جان سپرد کر دی اُسکو حیات باطنی نصیب ہو گئی۔ اور اُسکو دوام و ہمیشگی نصیب ہوئی۔ اسمیں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آ گئے۔ کہ وہ بھی فانی فی الحق تھے۔ تو اُن سے بھی جسکو حیات باطنی نصیب ہوئی اُسکو دوام رہا خوب سمجھ لو۔ یہاں یہ شبہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام سے اولیاء اللہ کو فضیلت دے رہے ہیں۔ کیونکہ جس امر سے فضیلت کا شبہ ہوتا ہے وہ امر تو عیسیٰ علیہ السلام میں بھی موجود ہے اور انکا بھی فعل اُنکے دوسرے فعل سے افضل ہے یعنی حیات باطنی عطا فرمانا حیات ظاہری عطا فرمانے سے بدرجہا افضل ہے۔ پس تو جب وہ بھی اسمیں داخل ہوئے تو پھر فضیلت کیسے ہو سکتی ہے آگے ایک دوسری تشبیہ دیتے ہیں کہ

من عصایم در کفِ موسیٰ خویش ، موسیم پنہان و من پیدا بہ پیش ،

یعنی میں اپنے موسیٰ کے ہاتھ میں عصا ہوں۔ میرا موسیٰ تو پوشیدہ ہے اور میں سامنے ظاہر ہوں۔

بر مسلمانان پُل دریا شوم ، باز بر فرعون اژدرہا شوم

یعنی مسلمانوں پر میں دریا کا پُل ہو جاتا ہوں اور پھر فرعون پر اژدہا ہو جاتا ہوں مطلب یہ کہ وہی فانی فی الحق کہتا ہے کہ میں عصائے موسیٰ کی طرح دست حق میں ہوں کہ وہ جسطرح بوجہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہونے کے کبھی تو مسلمانوں کیلئے پل دریا کا بنجاتا تھا اور کبھی فرعون کیلئے اژدہا ہو جاتا تھا۔ اسی طرح حق تعالیٰ مجھسے مختلف کام لیتے ہیں میں صفات حق کا مظہر ہوں کبھی مجھسے صفت جمال ظاہر ہوتی ہے اور کبھی صفت جلال ظاہر ہوتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

صفت جلال ظاہر ہوتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این عصا را اے پسر تنہا مبیں　　که عصا بی کف حق نبود چنیں

یعنی اے صاحبزادے اس عصا کو تنہا مت دیکھو۔ کہ عصا بدون کف حق کے ایسا نہیں ہوتا۔ (عصا سے مراد اولیاء اللہ ہیں) مطلب یہ کہ ان اولیاء اللہ کو تنہا مت سمجھو بلکہ خوب سمجھ لو کہ یہ کسی اور کے ہاتھ میں ہیں۔ جو کہ انکو حرکت دے رہا ہے اور اُس حرکت کی وجہ سے ان میں یہ قوت آرہی ہے اور وہ محرک حق تعالیٰ ہیں اُسی کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے انمیں اسقدر قوت آگئی ہے۔ آگے دیگر اشیاء کو جن سے کہ کافروں کو شکست ہوئی عصا سے تشبیہ دیتے ہیں کہ۔

موج طوفان ہم عصا بُد کو ز درد　　طنطنہ جادو پرستان را بخورد

یعنی موج طوفان بھی عطا ہی تھی۔ کہ جس نے درد سے جادو پرستوں (یعنی فرعونیوں) کے کروفر کو کھا لیا۔

ہم عصا بُد باد بر اعدائے ہود　　کہ برآرد از بقیہ عاد دود

یعنی ہوا بھی جو کہ ہود کے دشمنوں پر تھی عصا ہی تھی کہ جس نے عاد کے بقیہ میں سے دھواں نکالا یعنی اُس ہوا نے بقیہ عاد کو ہلاک کیا وہ بھی ایک عصا ہی تھا۔

ہم عصائے بود پشہ در نبرد　　کو برآورد از سر نمرود گرد

یعنی وہ مچھر مقابلہ کے وقت میں جس نے کہ نمرود کے سر سے گرد نکالی۔ ایک عصا ہی تھا، مطلب یہ کہ وہ چیزیں جن سے کہ اعدائے حق ہلاک ہوئے ہیں وہ عصائے حق ہی کے مشابہ ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر عصا ہائے خدا را بشمرم　　زرق ایں فرعونیاں را بر درم

یعنی اگر حق تعالیٰ کے عصاؤں کو میں گنوں تو ان فرعونیوں کے مکر کو پھاڑ ڈالوں گا، مطلب یہ ہے کہ اگر میں اُن تمام چیزوں کو بیان کروں جن سے کہ اعدائے الٰہی ہلاک ہوئے ہیں تو اسوقت ایک ایسا تصرف ہوگا کہ جس سے یہ سارے کے سارے مضطر ہو کر منقاد ہو جاویں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے کہ ولو شئنا لآتینا کل نفس

ھدیٰہا الخ یعنی اگر ہم چاہیں تو سب کفار بالاضطرار مسلمان ہوجاویں لیکن ایسا بہت سی مصلحتوں سے نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اولیاء اللہ چاہیں کہ ایسا تصرف کریں کہ سارے مضطر ہوکر مطیع ہوجاویں لیکن ایسا تصرف اس لئے نہیں کرتے کہ۔

لیک این شیریں گیاہے زہر مند ۔۔۔ ترک کن تا چند روزے میچرند

یعنی لیکن چھوڑ دے تاکہ اس زہریلی میٹھی گھاس میں چند روز چرلیں۔ مطلب یہ کہ ان کو اس طرح مضطر کردینا مناسب نہیں ہے۔ لہذا انکو ابھی رہنے دو تاکہ کچھ روز اور دنیا سے تمتع حاصل کرلیں اور اس تمتع سے یہ فائدہ ہوگا کہ۔

گر نباشد جاہ و فرعون سری ۔۔۔ از کجا یابد جہنم پروری

یعنی اگر جاہ فرعونی اور سرداری نہو تو جہنم کہاں سے پرورش پاوے۔ مطلب یہ کہ اگر ایسے لوگ نہوں تو جہنم کی کہاں سے پرورش ہو اور حق تعالیٰ کی صفت قہر کیسے ظہور کرے لہذا چاہئے کہ خوب انکو مزے اڑا لینے دو اسکے بعد پھر ان کفار کو لقمہ جہنم کیا جاویگا۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ

فربہش کن انگہش کش اے قصاب ۔۔۔ زانکہ بے برگند در دوزخ کلاب

یعنی اے قصاب اسکو موٹا کرکے اسوقت کاٹ اسلئے کہ دوزخ کے کتے بھوکے ہورہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کفار کو خوب تمتعات دنیوی میں منہمک کرکے موٹا تازہ کرلو تاکہ دوزخ کے کتے جو کہ بھوکے ہورہے ہیں خوب پیٹ بھر کر کھائیں۔ کیونکہ اگر یہ لوگ نہونگے تو دوزخ کو بھی قیام نہوگا اور وہ بھی ہلاک ہوجاویگی۔ آگے اسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر نبودے خشم و دشمن در جہاں ۔۔۔ پس بمردے خشم اندر مرد ماں

یعنی اگر دنیا میں غصہ اور دشمن نہوتا تو لوگوں میں غصہ مرجاتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر دنیا میں کوئی دشمن نہوتا اور کوئی غصہ آور شے نہوتی تو لوگوں میں غصہ ہی نہ رہتا۔ اور یہ مادہ ہی اُنکے اندر سے مرجاتا۔ جیسا کہ اطبا نے لکھا ہے کہ اگر بہت روز تک کوئی شخص محروم رہے تو اسکی قوت ضعیف ہوجاتی ہے۔ پس اسی طرح اگر غصہ آور کوئی شے اور دشمن دنیا میں نہوتے تو یہ قوت غضبیہ لوگوں میں سے بالکل زائل ہوجاتی۔ پس اسی طرح سمجھو کہ۔

دوزخ آں خشم است و بی خصمی فلاں کے زید میرد ز نور مومناں،

یعنی دوزخ وہ غصہ ہے اور بے دشمن کے اے فلاں کب زندہ رہتا ہے۔ وہ تو مومنین کے نور سے مرجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو دوزخ بھی ایک قہر ہے اور خشم حق کا مظہر ہے۔ تو اگر یہ دشمنان حق دنیا میں نہوں گے تو وہ بھی نہ رہیگا۔ اور ٹھنڈا ہو جاویگا۔ جیسا کہ قیامت میں جب مومنین اس پر سے گذریں گے تو وہ کہیگا کہ جز یا مومن فان نورک اطفأ ناری تو دیکھئے چونکہ وہ دشمن نہیں ہے اسلئے اسکے گذرنے سے اسکی آگ بجھنے لگے گی۔ اور وہ ہلاک ہونے لگے گا تو ان کفار کے وجود میں یہ مصلحت ہے کہ ان کے ہونے سے دوزخ کو قیام رہتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دوزخ آں خشم است و خصمی بایدش تا زید ورنہ رحیمی بکشدش

یعنی دوزخ وہی غصہ ہے اور اسکو دشمنی کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ زندہ رہے۔ ورنہ رحیمی اسکو ہلاک کردے گی (جیسا کہ اوپر بیاں ہوا) آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر بماندی لطف بی قہر و بدے پس کمال پادشاہی کے شدے

یعنی اگر لطف بے قہر اور بدکر رہتا تو بادشاہی کا کمال کب ہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر بدون قہر اور محل قہر یعنی بدوں کے صرف لطف ہی لطف ہوتا تو صفات الٰہیہ کا پورا پورا ظہور نہو سکتا۔ اسلئے دوزخ کی بھی ضرورت ہوئی۔ چونکہ یہاں چند مثالیں بیاں فرمائی ہیں تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

ریشخندے کردہ انداں منکراں بر مثلہا و بیان ذاکراں

یعنی اُن منکروں نے ذاکریں کی مثالوں اور بیان پر تمسخر کیا ہے۔

تو اگر خواہی بکن ہم ریشخند چند خواہی زیست اے مردار چند

یعنی اگر تو چاہے تو تو بھی تمسخر کرلے (لیکن) اے مردار کتنا جئیگا۔ کتنا۔ مطلب یہ کہ پہلے لوگوں نے بیان تو یہ جو انھوں نے دین کے بارہ میں کئے ہیں پہلے منکرین نے بھی تمسخر کیا ہے تو اے منکر اگر تیرا دل چاہے تو تو بھی میری مثالوں وغیرہ پر تمسخر کرلے لیکن آخر ایکدن مرنا ہے اے نالائق ہمیشہ تو تجھے زندہ رہنا ہے ہی نہیں آخر ایک دن مرنا ہے

تب تجھے معلوم ہو جاویگا۔ کہ اس تسخر کا کیا نتیجہ ہوا۔ یہ خطاب تو منکرین کو تھا آگے محبین کو خطاب فرماتے ہیں کہ

شاد باشید ای محبان و ر نیاز بر ہمیں در کہ شود امروز باز

یعنی اے محبو تم نیاز میں خوش رہو اسی در پر جو کہ آج کھلیگا یعنی اے محبو تم در حق پر خوش خورم رہو وہ دروازہ آجکل میں کھلنے والا ہے اسوقت تم دولتوں سے مالامال ہو جاؤ گے۔ تم الگ ہو اور وہ منکرین الگ ہیں انکو انکے لائق جزا ملیگی اور تم کو تمھارے لائق بدلا ملیگا۔ آگے اس ہر ایک کی علیحدگی کو بیان فرماتے ہیں کہ

ہر جو یچے باشدش کرے دگر در میان باغ از سیر و کبر

یعنی ہر مصالح کیلئے ایک الگ کیاری باغ میں ہوتی ہے۔ لہسن کی اور کبر کی۔ (کبر ایک دوا کا نام ہے جو کہ خراسان میں ہوتی ہے) مطلب یہ کہ دیکھو لہسن کی کیاری الگ ہے اور کبر کی الگ علی ہذا ہر شے الگ الگ ہی ہے۔

ہر یکے با جنس خود در کرد خود از برائے پختگی نم می خورد

یعنی ہر ایک اپنی جنس کے ساتھ اپنی مناسب کیاری میں پختگی کیلئے پانی پی رہی ہے یعنی پرورش پا رہی ہے۔

تو کہ کرد زعفرانی زعفراں باش و آمیزش مکن با دیگراں

یعنی تو کہ زعفران کی کیاری ہے زعفران رہ۔ اور دوسروں کی ساتھ میل مت کر۔

آب میخور زعفرانا تا رسی، زعفرانی اندراں حلوا رسی

یعنی پانی پی اے زعفران تاکہ تو پختہ ہو جاوے۔ (اگر) تو زعفران ہے تو اس حلوہ میں تو پہونچ جاوے گی۔

تو ملن در کرد شلغم پوز خویش کہ نگر دد با تو او ہم طبع و کیش

یعنی تو شلغم کی کیاری میں اپنا منہ مت کر کہ وہ تیرا ہم طبع اور ہم مذہب نہوگا مطلب یہ کہ اے زعفران تو اپنی کیاری میں رہ اور شلغم اپنی کیاری میں رہیگا۔ تو اس شلغم کی کیاری میں یہ سمجھ کر کہ شاید وہ بھی خوشبو دار ہو جاوے مت جا۔ اسلئے کہ وہ تو خوشبو دار

نہ ہوگا تو یہی خراب ہو جاویگی اسی طرح صحبت بد کا اثر جلدی ہوتا ہے لہذا اس سے بچنا ضروری ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

تو بکرد ے او بکرد ے مودعہ — زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ

یعنی تو ایک کیاری میں اور وہ ایک کیاری میں۔ رکھے ہوئے ہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کی زمین تو وسیع ہے۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی حالت میں خوش ہے تم اپنی حالت میں خوش رہو تمکو اُسکے پاس یا اُسکو تمھارے پاس جانیکی کیا ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ کی زمین تو وسیع ہے اُسمیں تنگی تو نہیں۔ جو ایک کو دوسرے کے مکان میں گھسنے کی ضرورت ہو لہذا صحبت بد سے محترز رہنا چاہیئے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

خاصہ آں ارضے کہ از پہناورے — در سفر گم می شود دیو و پری

یعنی خاصکر وہ زمین جو کہ فراخی کی وجہ سے (اتنی ہے) کہ سفر میں دیو و جن گم ہو جاویں،

اندراں بحر و بیابان و جبال — منقطع میگردد او ہام و خیال

یعنی اُن دریاؤں اور بیابانوں اور پہاڑوں میں اوہام اور خیال منقطع ہو جاتے ہیں،

ایں بیاباں در بیابانہائے او — ہمچو اندر بحر ہر یک تائے مو

یعنی یہ بیاباں (ظاہری) اُسکے بیابانوں میں (ایسے ہیں) جیسے کہ بھرے ہوئے دریا میں ایک عدد بال۔ مطلب یہ کہ اس جہان کی یہ زمیں بھی اسقدر وسیع ہے کہ اُسمیں بھی ضرورت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے مکان میں گھستا پھرے۔ اور خاصکر وہ باطن کی زمین تو اسقدر فراخ ہے کہ اُسکے آگے یہ بیابان اور یہ زمین ایسے ہیں جیسے کہ بھرے ہوئے دریا میں ایک بال ہوتا ہے اُنکی فراخی کی یہ حالت ہے کہ جنات اور دیو بھی اُنکا سفر کرتے کرتے گم ہو جاتے ہیں اور اوہام و خیال بھی وہاں تک نہیں پہونچ سکتے جنکی سیر بے عد تیز اور طویل ہوتی ہے۔ تو پھر اُن میں آنکی کیا ضرورت ہے۔ کہ ایک دوسرے کے مکان میں جاوے۔ اور ایک کو دوسرے کی حاجت ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

آب استادہ کہ سیرش نہاں — تازہ تر خوشتر ز جوہائے رواں

یعنی ٹھہرا ہوا پانی جسکی کہ روانی پوشیدہ ہے زیادہ تازہ ہے اور چلنے والی ندیوں سے

زیادہ خوشتر ہے۔

کز دروں خویش چوں جان و رواں ۔۔۔ سیر پنہاں دارد و پائے رواں

یعنی اپنے اندر سے مثل جان اور روح کے وہ پوشیدہ سیر رکھتا ہے۔ اور پاؤں چلنے والا رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو اہل اللہ کہ بظاہر ذلیل و خوار معلوم ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے اوپر سے ٹھہرا ہوا پانی ہو اور اسکی دھار اندر ہی اندر چل رہی ہو اور یہ ظاہر دنیادار ایسے ہیں جیسے کہ چلتا ہوا پانی ہوتا ہے۔ تو جسطرح وہ چلتا ہوا پانی خوب اچھا معلوم ہوتا ہے اسی طرح یہ امراء بظاہر خوب خوش خورم معلوم ہوتے ہیں اور وہ حضرات ظاہر میں تو بالکل ذلیل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ اندر ہی اندر خوش ہیں اور انکو وہ دولت ملی ہے کہ پھولے نہیں سماتے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

مستمع خفتہ است کوتہ کن خطاب ۔۔۔ ای خطیب ایں نقش را کم زن بر آب

یعنی سننے والا سو رہا ہے تو اے خطیب تو خطاب کو کم کر دے اور اس نقش کو پانی پر مت مار (خطیب سے مراد خود مولانا ہی ہیں) مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ سننے والے کی توجہ ان باتوں کے سننے کی طرف نہیں ہے لہذا اب آگے بیان مت کرو اور ان باتوں کو فضول مت بیان کرو۔ کیونکہ اس حالت میں انکا بیان کرنا بالکل نقش بر آب زدن ہے لہذا چپ ہی رہنا چاہیے آگے پھر سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت دینے کا باقی قصہ اور فرمایا کہ وقت غنیمت ہے،

خیز بلقیسا کہ بازار یست تیز	زیں خسیسان کساد افگن گریز
خیز بلقیسا کنوں با اختیار	پیش ازانکہ مرگ آرد گیر و دار

خیز بلقیسا بیا پیش اجل — در نگر شاہی و ملک بے دغل،

خیز بلقیسا بجاہ خود مناز — اندریں درگہ بناز آ ورنہ ناز

خیز بلقیسا و بستہ با قضا — ورنہ مرگ آید کشد گوش ترا

بعد ازاں گوشت کشد مرگ آنچناں — کہ چو دزد آئی بشحنہ جاں کناں

زیں خراں تا چند باشی نعل دزد — گر ہمی دزدی بیا و لعل دزد

خواہرانت یافتہ ملک خلود — تو گرفتہ مملکت کور و کبود

اے خنک آنجاں کزیں مملکت بجست — کہ اجل ایں ملک را ویراں گرست

خیز بلقیسا بیا بارے ببیں — مملکت شاہان و سلطانان دیں

شستہ در باطن میان گلستاں — ظاہر آحادے میان دوستاں

بوستاں با او رواں ہر جا رود، — لیک آں از خلق پنہاں می شود

میوہا لابہ کناں کز من بچر — آب حیوان آمدہ کز من بخور

طوف میکن بر فلک بے پر و بال — ہمچو خورشید و چو بدر و چوں ہلال

چوں رواں باشی رواں و پائے نہ — میخوری صد لوت و لقمہ خائے نہ

نے نہنگ غم زند بر کشتیت — نے پدید آید ز مردن زشتیت

ہم تو شاہ و ہم تو لشکر ہم تو تخت — ہم تو نیکو بخت باشی ہم تو بخت

گر تو نیکو بختی و سلطان رفت — بخت غیر تست روزے بخت رفت

تو بماندی چوں گدایاں بینوا — دولت خود ہم تو باش اے مجتبیٰ

چوں تو باشی بخت خود اے معنوی — پس تو کہ بختی ز خود کے گم شوی،

تو ز خود کے گم شوی اے خوشخصال　　چونکہ عین تو ترا شد ملک و مال

اب مولانا پھر دعوت بلقیس کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بلقیس اٹھو۔ کیونکہ اسوقت ہدایت کی گرم بازاری ہے۔ اور ان بخیل لوگوں سے بھاگو جو اسکی سرد بازاری چاہتے ہیں۔ دیکھو تم ابھی قبل اسکے کہ موت پیچھا پکڑ لیوکرتی ہوئی آئے باختیار خود اٹھو اور اے بلقیس تم موت سے پہلے ہی اٹھکر میری طرف آؤ۔ اور اصلی سلطنت اور بے دہوکہ ملک کا مشاہدہ کرو۔ اور اے بلقیس تم اٹھو اور اپنے منصب پر ناز نکرو ہماری جناب میں عجز و نیاز سے کام چلتا ہے۔ نہ کہ ناز سے اسلئے ناز نکرو بلکہ عجز اختیار کرو اور اے بلقیس تم اٹھو اور میری مخالفت نکرو کیونکہ میری مخالفت کرنا تقدیر الٰہی سے جنگ کرنا ہے پس تم میری مخالفت کر کے تقدیر الٰہی سے جنگ نکرو۔ ورنہ موت اگر تمہارے کان کھینچے گی اور تمہاری مخالفت کے بعد موت تمہارے یوں کان کھینچے گی کہ تم یوں مرتے کھپتے آؤ گے جیسے چور کوتوال کے پاس۔ دیکھو تم کب تک ان گدہوں اہل دنیا کی جوتیاں چراتے رہو گے اور ان کے فوائد خسیسہ سے متمتع ہوتی رہو گی اگر چرانا ہی ہے اور تمتع ہی مقصود ہے تو لعل چراؤ اور کمالات باطنیہ سے متمتع ہو۔ دیکھو تمہاری بہنوں نے ہمیشہ رہنے والی سلطنت حاصل کی ہے۔ اور تم ایسی حکومت ناقص کو اختیار کئے ہوئے ہو۔ اری بڑی مبارک ہے وہ جان جو اس حکومت سے علیحدگی اختیار کرلے۔ کیونکہ موت اس سلطنت کو تباہ کردینے والی ہے اور اسکے پاس اسکے سوا کوئی اور سرمایہ ہے نہیں۔ تو لامحالہ وہ مفلس و قلاش ہوجاویگی اور جبکہ اس نے ابتداءً ہی اس ملک کو چھوڑ دیا اور سرمایۂ ابدی حاصل کرلیا تو وہ ہمیشہ کیلئے اس افلاس سے مامون ہوجاویگی اچھا بلقیس اٹھو اور آکر دیکھو کہ اصلی بادشاہوں اور دین کے سلاطین کی حکومت کیسی پرلطف ہے۔ یہ لوگ باطن میں چمن میں بیٹھے ہوئے مسرور و شاد ہیں اور بظاہر دوستوں کے درمیان معمولی افراد معلوم ہوتے ہیں اور انکا باغ اور باغوں کی طرح نہیں کہ وہ جدا ہوسکے۔ بلکہ انکا باغ جہاں یہ جاتی ہیں انکے ساتھ ہوتا ہے مگر وہ باغ عام مخلوق سے پوشیدہ ہے اسلئے وہ اسکے منکر ہیں نیز ان کے باغ اور دوسروں کے باغ میں ایک یہ فرق ہے کہ اور لوگ اپنے باغ میں میووں وغیرہ کے

طالب ہوتے ہیں تب وہ ان کے ہاتھ آتے ہیں اور ان کے باغ کی یہ حالت ہے کہ میوے خود خوشامد کرتے ہیں کہ ہمیں کھاؤ۔ اور آب حیات کہتا ہے کہ مجھے پیو یعنی مواہب و عطایائے الٰہی ان پر بے طلب فائض ہوتے ہیں پس گویا کہ وہ انکی خوشامد کرتے ہیں۔ ہاں اے بلقیس تم اس حکومت کو اختیار کرو اور پھر بدون متعارف پروں اور بازوؤں کے آفتاب اور بدر و ہلال کی طرح آسمان پر گھومو اور اسوقت تمھاری سیر ایسی ہوگی جیسے جان کی اور پاؤں نہونگے اور تمہیں سیکڑوں قسم کی غذائیں ملیں گی اور تم انہیں کھاؤ گی مگر منہ نہوگا۔ خلاصہ یہ کہ تمھاری سیر روحانی ہوگی جسمیں پاؤں درکار نہوں گے اور غذا معنوی ہوگی جسکے لئے منہ کی ضرورت نہوگی اور اسوقت غم کا ناکا تمھاری کشتی سے نہ ٹکرائیگا۔ اور نہ موت سے تمھاری برائی ظاہر ہوگی یعنی تم کو کوئی غم نہوگا۔ اور چونکہ تم برائیوں سے پاک ہوجاؤ گی خواہ عدم اکتساب خطیئات کے سبب خواہ مغفرت خداوندی کے باعث اسلئے تمھاری برائی موت سے ظاہر نہوگی۔ اور اسوقت خود تم ہی بادشاہ ہوگی اور خود ہی لشکر اور خود ہی تخت اور خود ہی خوش اقبال ہوگی۔ اور خود ہی خوش اقبالی یعنی اسوقت تم کو کسی چیز کی پرواہ نہوگی بلکہ صرف اپنی ذات سے تعلق ہوگا۔ اور خوش اقبالی تمھارے لئے لازم غیر منفک اور بمنزلہ عین کے ہوگی۔ اور یہ اعلی درجہ کی خوش اقبالی ہے کیونکہ اگر تم دنیا کے لحاظ سے خوش اقبال اور عظیم الشان بادشاہ ہو تو اسوقت خوش اقبالی تمھارے لئے لازم نہوگی اسلئے کہ وہ ایک وقت میں جدا ہوجاویگی۔ اور تم فقیروں کی طرح بے سر و سامان رہجاؤ گی پس تمکو چاہئے کہ اپنی دولت خود بنو اور جبکہ اپنی خوش اقبالی خود تم ہوجاؤ گی تو اسوقت چونکہ تم خود خوش اقبالی ہوگئی ہو اسلئے بدبخت نہیں ہوسکتیں کیونکہ خود اپنے سے گم نہیں ہوسکتیں اور جبکہ اپنا ملک و مال خود آپ ہوجاوگی تو تم کبھی مفلس نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ خود اپنے سے گم نہیں ہوسکتیں۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت دینے کا باقی قصہ اور فرمانا کہ وقت غنیمت ہے

خیز بلقیسا کہ بازار یست تیز ، زین خسیسان کساد افگن گریز

یعنی اے بلقیس اٹھ کہ ایک بارونق بازار ہے اوران کھوٹ ڈالنے والے خسیسوں سے بھاگ۔ مطلب یہ کہ دنیا اور دنیاداروں سے الگ ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو کہ اسوقت تو وقت ہے اور اعمال آخرت کی گرم بازاری ہو رہی ہے۔

خیز بلقیسا کنوں با اختیار — پیش ازانکہ مرگ آرد گیر و دار

یعنی اب اے بلقیس با اختیار اس سے پہلے کہ موت دار و گیر لادے اٹھ۔ مطلب یہ کہ اے بلقیس آخرت کی طرف موت سے پہلے پہلے چلی آؤ کہ اگر موت آگئی تو پھر اختیار نہ رہیگا۔ اور وہ آنا معتبر نہ ہوگا اب اپنے اختیار سے ادھر آجاؤ۔

خیز بلقیسا بیا پیش از اجل — در نگر شاہی و ملک بی دغل

یعنی اے بلقیس اٹھ اور موت سے پہلے آجا اور بے کھوٹ بادشاہی اور ملک دیکھ۔ مطلب یہ کہ موت کے آنے سے پہلے پہلے اس طرف متوجہ ہو اور مسلمان ہو جاؤ اور پھر دیکھو کہ کیسا ملک اور کیسی بے دغل بادشاہی میسر ہوتی ہے کہ وہ ملک و بادشاہی جاودانی ہوگی۔

خیز بلقیسا بجاہ خود مناز — اندریں درگہ نیاز آور نہ ناز

یعنی اے بلقیس اٹھ اپنے مرتبہ پر ناز مت کر۔ کہ اس درگاہ میں تو نیاز لا نہ کہ ناز۔ مطلب یہ کہ اپنے اس ظاہری حشم خدم پر ناز مت کرو درگاہ حق میں نیازمندی سے حاضر ہو جاؤ۔

خیز بلقیسا و مستہ با قضا — ورنہ مرگ آید کشد گوش ترا

یعنی اے بلقیس اٹھ اور قضا کے ساتھ لڑ مت ورنہ موت آوے گی اور تیرے کان کھینچے گی مطلب یہ کہ اب اپنی خوشی سے چلی آؤ ورنہ پھر موت تو کشاں کشاں راہ حق کی طرف لا ہی ڈالے گی۔

بعد ازاں گوشت کشد مرگ آنچناں — کہ چو دزد آئی بشحنہ جاں کناں

یعنی اسکے بعد تو موت تیرے کان اس طرح کھینچے گی کہ تو چور کی طرح کوتوال کے پاس جانکنی کرتی ہوئی آوے گی۔ مطلب یہ کہ اگر اب اطاعت قبول کروگی تو وہ اطاعت مقبول ہوگی اور اس پر تو ثمرہ مرتب ہوگا ورنہ پھر اگر اس اختیار کے بعد تم آئیں بھی تو اس طرح آؤگی کہ موت تم کو کشاں کشاں درگاہ حق میں اس طرح جا کھڑا کرے گی۔ جیسے کہ چور کو کوتوال کے آگے پکڑ لاتے ہیں کہ وہ جانا نہیں چاہتا مگر زبردستی لیجاتے ہیں۔ پھر اسکی خوب خبر لیجاتی ہے ورنہ اگر کوئی شخص خود کوتوال کی ملاقات

کے اشتیاق ہیں اسکے پاس آجاوے تو اسکی خوب عزت و حرمت ہوتی ہے۔ پس اگر تم اپنے اختیار سے مطیع بنگئیں تب تو خیر ورنہ پھر آخر کو کشاں کشاں لائی جاؤگی۔ اور اس وقت چوروں کی طرح حاضر ہوگی۔

زیں خراں تا چند باشی نعل دزد　　گر ہمی دزدی بیا و لعل دزد

یعنی ان گدہوں سے کب تک نعل کی چورانے والی رہوگی اگر چوری ہی کرتی ہو تو آؤ اور لعل چراؤ مطلب یہ کہ ان اہل دنیا سے اس ظاہری مال و دولت کو جو کہ نعل خر کی طرح ہے کب تک حاصل کرتی رہوگی۔ اب اگر تم دولت باطنی لو جو کہ لعل کی طرح ہے۔

خواہرانت یافتہ ملک خلود　　تو گرفتہ مملکت کور و کبود

یعنی تیری (مومنات) بہنوں نے ملک ابدی پالیا ہے اور تو ملک کور و کبود لئے ہوئے ہے۔

لے خنک آنجاں کزیں ملکت بجست　　کہ اجل ایں ملک را ویراں گرست

یعنی اچھی ہے وہ جان جو کہ اس ملک سے نکل گئی کیونکہ موت اس ملک کو ویران کرنے والی ہے مطلب یہ کہ چونکہ موت اس دنیا کی تمام اشیاء کو ہم سے چھڑانے والی ہے تو وہی شخص اچھا ہے کہ اسکو ترک کرے۔ اور دولت اخروی کو حاصل کرے۔

خیز بلقیسا بیا بارے بہ بین　　مملکت شاہان و سلطانان دیں

یعنی اے بلقیس اٹھ اور آ اور دین کے بادشاہوں اور سلاطین کا ملک دیکھ۔

شستہ در باطن میان گلستاں　　ظاہر آحادے میان دوستاں

یعنی باطن میں تو گلستاں کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں اور ظاہر میں دوستوں کے درمیان ایک ہیں۔

بوستاں با او رواں ہر جا رود　　لیک آں از خلق پنہاں می شود

یعنی باغ اُن کی ہمراہ ہے جہاں وہ جاتے ہیں لیکن وہ باغ خلق سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ مطلب کہ فرماتے ہیں کہ اے بلقیس تم اپنے اس ملک وجاہ پر ناز کررہی ہو۔ یہاں آؤ اور شاہان و سلاطین دین یعنی اہل اللہ کے ملک کو دیکھو کہ وہ بظاہر تو دوسرے لوگوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور اُن میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے۔ لیکن باطن میں وہ باغ وبہار میں ہیں۔ اور ظاہری باغ وبہار کی تو یہ حالت ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے مالک کے ساتھ ساتھ نہیں پھرتا۔ بلکہ وہ ایک ہی جگہ

رہتا ہے۔ مگر ان حضرات کے باغ و بہار کی یہ حالت ہے کہ جہاں یہ جاتے ہیں وہیں ان کیساتھ
وہ بھی جاتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن شریف میں ہے کہ نوراً یمشی بہ فی الناس کہ حق تعالیٰ
اسکے لئے ایک نور ایسا کر دیتے ہیں کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے لوگوں میں پھرا کرتا ہے اور وہ نور
ہی اُسکا باغ و بہار ہے مگر مخلوق اُس باغ کو دیکھ نہیں سکتی۔ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہی ہوتا ہے
اور ان حضرات کی یہ شان ہوتی ہے کہ

میوہا لابہ کناں از من بچر　　　آب حیواں آمدہ کز من بخور

یعنی میوے خوشامد کرتے ہیں کہ ہم میں سے کھالو اور آب حیوان آتا ہے کہ مجھ میں سے پی لو آگے
مولانا فرماتے ہیں کہ۔

طوف میکن بر فلک بے پر و بال　　　ہمچو خورشید چو بدر و چوں ہلال

یعنی آسمان پر بے بال و پر کے خورشید اور بدر و ہلال کی طرح طواف کرو۔ مطلب یہ کہ جب یہ
حالت ہے حضرات اولیاء اللہ کی تو اے بلقیس تم بھی ایسی ہی ہوجاؤ پھر تم بلا کسی ظاہری بال و
پر کے آسمانوں پر عروج کرنا۔ اور ملاء اعلیٰ کی سیر کرنا۔

چوں رواں باشی رواں و پائے نہ　　　میخوری صد لوت و لقمہ خائے نہ

یعنی جان کیطرح تم رواں ہوگی اور پاؤں نہ ہونگے اور سیکڑوں غذائیں کھاؤگی اور لقمہ چبانے
والی نہوگی۔ مطلب یہ کہ اُن باطنی غذاؤں اور ان تمیزوں کیلئے نہ ان پاؤں کی ضرورت ہے
نہ اس طرح لقمہ چبانے کی ضرورت ہوگی۔ اور یہ شان ہو جاویگی۔

نے نہنگ غم زند بر کشتیت　　　نے پدید آید ز مردن زشتیت

یعنی نہ غم کا نہنگ تمھاری کشتی پر حملہ کریگا اور نہ مرنے سے تمکو زشتی ظاہر ہوگی بمطلب یہ کہ
جب یہ حالت ہو جاویگی تو تمکو حیات ابدی میسر ہو جاویگی پھر ظاہری اسباب تمکو گزند نہ
پہونچا سکیں گے اور اس ظاہری موت سے تمکو کوئی نقصان نہوگا۔

ہم تو شاہ و ہم تو لشکر ہم تو تخت　　　ہم تو نیکو بخت باشی ہم تو بخت

یعنی تو ہی بادشاہ ہوگی اور تو ہی لشکر ہوگی۔ اور تو ہی تخت ہوگی اور تو ہی نیکبخت ہوگی اور
بخت بھی تو ہی ہوگی۔

گر تو نیکو بختی و سلطان زفت ‌ ‌ ‌ بخت غیر تست روزے بخت رفت

یعنی اگر تو نیکبخت اور عظیم الشان ہی ہوگا تو (آخر) بخت تیرا غیر ہے۔ تو ایک دن بخت چلا جائیگا۔

تو بمانی چون گدایان بے نوا ‌ ‌ ‌ دولت خود ہم تو باش ای مجتبیٰ

یعنی تو فقیروں کی طرح بے سامان رہجاویگا۔ تو اے برگزیدہ تو اپنی دولت خود ہوجا +

چون تو باشی بخت خود ای معنوی ‌ ‌ ‌ تو کہ بختی پس ز خود کے گم شوی

یعنی جب تو اے معنوی اپنا بخت ہوجاویگا تو تو کہ بخت ہوگا اپنے سے کب گم ہوگا +

تو ز خود کے گم شوی ای خوشخصال ‌ ‌ ‌ چونکہ عین تو ترا شد ملک و مال

یعنی اے خوشخصال تو اپنے سے کب گم ہوسکتا ہے جبکہ تیرا ملک و مال خود تیری ذات ہوگئی مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو بلقیس کو دعوت اسلام فرمارہے تھے اسی میں فرماتے ہیں کہ اے بلقیس اس ظاہری ملک و مال کو چھوڑ اور باطنی دولت کو حاصل کر اس سے یہ سب ملک و مال اور حشم خدم خود تیرے اندر پیدا ہوجاویں گے اور پھر تجھے اس ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ضرورت نہ رہے گی اور اس دولت ظاہری کے ہوتے ہوئے تو تو صرف نیکبخت ہے لیکن بخت اور تو ایک نہیں ہیں بلکہ بخت تجھ سے ایک مبائن شے ہے لیکن اگر تو اسلام قبول کر کے دولت باطنی حاصل کرے گی تو بخت خود تیرا عین ذات ہوجاویگا اور اب اس حالت میں تو اگر نصیب اور بخت ساتھ ندے اور جاتا رہے تو تو مفلس کی مفلس رہجاویگی۔ مگر اس حالت میں چونکہ بخت تیری عین ذات ہوجاویگا اسلئے وہ تجھسے علیحدہ ہو ہی نہ سکے گا۔ اور پھر کبھی اس دولت کو زوال نہوگا۔ آگے پھر مسجد اقصےٰ کے بنانے کے قصہ کا بقیہ بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

مسجد اقصےٰ کو حق تعالیٰ کی وحی کی تعلیم کے مطابق سلیمان علیہ السلام کی عمارت کرنیکے قصہ کے بقیہ اور عمارت میں دیو و پری

کا اور فرشتوں کا مدد کرنا،

بعدازاں آمدند از پیش تخت / بر سلیمان آں نبی نیک بخت

اے سلیمان مسجد اقصیٰ بساز / لشکر بلقیس آمد در نماز

چونکہ او بنیاد آں مسجد نہاد / جن وانس آمد بدن در کار داد

یک گروہ از عشق و قومے بے مراد / ہمچنانکہ در رہ طاعت عباد

خلق دیوانند و شہوت سلسلہ / می کشدشاں سوئے دکان و غلہ

ہست ایں زنجیر از خوف و ولہ / تو مبیں ایں خلق را بے سلسلہ

ہست ایں بند و کمند آں خوف شاں / نیستند ایں خلق بے بند نہاں

می کشاندشاں سوئے کسب و شکار / می کشاندشاں سوئے کان و بحار

می کشاندشاں بسوئے نیک و بد / گفت حق فی جیدھا حبل المسد

قد جعلنا الحبل فی اعناقھم / واتخذنا الحبل من اخلاقھم

لیس من مستقذر مستنقہ / قط الا طائرہ فی عنقہ

حرص تو در کار بد چوں آتش است / اخگر از رنگ خوش آتش خوش است

آں سیاہی فحم در آتش نہاں / چونکہ آتش شد سیاہی شد عیاں

اخگر از حرص تو شد فحم سیاہ / حرص چوں شد ماند آں فحم تباہ

آں زماں آں فحم اخگر می نمود / آں نہ حسن کار نار حرص بود

حرص کارت را بیارائیدہ بود / حرص رفت و ماند کارت کبود

غورہ را کہ بیارائید غول / پختہ پندارد کسے کو ہست گول

آزمایشش چوں نماید جان او / کند گردد زآزموں دنداں او،

از ہوس آں دام و دانہ می نمود — عکس غول حرص و آں خود دام بود
حرص اندر کار دیں و خیر جو — چوں نماند حرص ماند نغز او
خیرہا نغزند نہ از عکس غیر — تاب حرص از رفت ماند تاب خیر
تاب حرص از کار دنیا چوں برفت — فحم باشد ماندہ از اخگر بہ تفت
کودکاں را حرص می آرد غرار — تا شود از ذوق دل دامن سوار
چوں ز کودک رفت آں حرص بدش — بر دگر اطفال خندہ آیدش
کہ چہ میکردم چہ میدیدم درین — خل ز عکس حرص بنمود انگبیں
آں بناے انبیا بے حرص بود — زانچناں پیوستہ رونقہا فزود
اے بسا مسجد برآوردہ کرام — لیک نبود مسجد اقصاش نام
کعبہ را کش ہر دمے عزے فزود — آں ز اخلاصات ابراہیم بود
فضل آں مسجد ز خاک و سنگ نیست — لیک در بناش حرص و جنگ نیست
نے کتب شاں چوں کتاب دیگراں — نے مساجد شاں نہ کسب و خانماں
نے ادبشاں نے غضبشاں نے نکال — نے نعاس و نے قیاس و نے مقال
ہر یکے را دادہ حق در مرتبت — صد ہزاران حشمت و ہم مکرمت
ہر یکے شاں را یکے فر دگر — مرغ جاں شاں طائر از پرے دگر
دل ہمی لرزد ز ذکر حال شاں — قبلۂ افعال ما افعال شاں
مرغ شاں را بیضہا زریں بدست — نیم شب جان شان سحر گہ بیں شدست
ہر چہ گویم من بجاں نیکوئے قوم — نقص گفتم گشتہ ناقص گوئے قوم

مسجد اقصےٰ بسازید اے کرام ؎ کہ سلیمانؑ باز آمد والسلام

ور ازیں دیوان و پریان سرکشند ؎ جملہ را املاک در چنبر کشند

دیو یکدم کژ رود از مکر و زرق ؎ تازیانہ آیدش بر سر چو برق

چوں سلیمان شو کہ تا دیوان تو ؎ سنگ برند از پے ایوان تو

چوں سلیمان باش بے وسواس و ریو ؎ تا ترا فرمان برد جنی و دیو

خاتم تو ایں دل است ہوشدار ؎ تا نگردد دیو را خاتم شکار

پس سلیمانی کند بر تو مدام ؎ دیو با خاتم حذر کن والسلام

آں سلیمانی دلا منسوخ نیست ؎ در سر و سرت سلیمانی کنی است

دیو ہم وقتے سلیمانی کند ؎ لیک ہر جولاہہ اطلس کے تند

دست جنباند چو دست او ولیک ؎ در میان ہر دو شان فرقیست نیک

در میان ایں حدیث معنوی ؎ یک حکایت بشنو اندر مثنوی

یعنی جب سلیمان علیہ السلام دعوت بلقیس سے فارغ ہو چکے تو حق سبحانہ کی طرف سے انکو حکم ہوا کہ آپ مسجد اقصےٰ بنائیے لشکر بلقیس عنقریب نماز کو آتا ہے اسکے لئے ایک وسیع مسجد کی ضرورت ہوگی۔ اس حکم کے سنتے ہی تعمیر مسجد کا کام شروع کر دیا گیا۔ اور جبکہ مسجد کی نیو رکھی گئی ہے۔ تو جن و انس خدمت کیلئے حاضر تھے۔ ایک گروہ کی خدمت شوق سے تھی اور دوسرے کی بقہر و جبر۔ اور بالکل ایسی حالت تھی جیسے انسانونکی حالت طاعت حق سبحانہ کے بابمیں۔ کہ کچھ لوگ بخوشی مطیع ہیں اور کچھ بادل ناخواستہ اور کچھ انہیں دیونکی تخصیص نہیں بلکہ جتنی مخلوق ہے تمام مثل ان دیونکے ہے اور خواہش ان کے لئے زنجیر ہے اور وہ زنجیر ان کو دوکان اور عملہ کی طرف کھینچتی ہے اور یہ زنجیر خوف و فریفتگی کی ہے پس اس مخلوق کو بے زنجیر نہ سمجھنا بلکہ یوں کہئے کہ وہ بند اور کمند صرف خوف ہے اور

فریفتگی کا مآل بھی خوف ہی ہے۔ کیونکہ آدمی جس چیز پر فریفتہ ہوتا ہے اُسکو عدم طلب کی صورت میں فوت مطلوب کا خوف ہوتا ہے۔ اسلئے وہ اسے طلب کرتا ہے۔ خیر کچھ ہو خواہ خوف اور عشق دونوں کو زنجیر کہا جاوے۔ یا عشق کو بھی خوف ہی کی طرف راجع کیا جاوے بہر حال مخلوق زنجیر مخفی سے خالی نہیں اور یہ مخفی زنجیر اُنکو کسب اور شکار اور کانوں اور ہمندروں کی طرف کھینچتی ہے اور کچھ انہیں کی تخصیص نہیں۔ بلکہ ہر بھلائی اور برائی کی طرف یہ ہی زنجیر کھینچتی ہے اسی کو حق سبحانہ نے حبل من مسد کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد اور حاصل اسکا یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کی گردنوں میں رسی ڈال رکھی ہے اور اسی رسی کو ہم نے اُن کے اخلاق سے بنایا ہے اور کوئی ناپاک یا پاک ایسا نہیں جسکی گردن میں یہ رسی نہو۔ بلکہ سب کی گردنوں میں ہے۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کیطرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو تمھاری حرص تمھیں برے کاموں کی طرف کھینچتی ہے اور وہ بمنزلہ آگ کے ہے اور قاعدہ ہے کہ انگارہ آگ کے عمدہ رنگ کے سبب اچھا معلوم ہوتا ہے اور کوئلہ کی سیاہی اس آگ میں چھپی ہوتی ہے۔ اور جبکہ آگ فنا ہو جاتی ہے تو وہ سیاہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ علی ہذا معصیت جو بمنزلہ سیاہ کوئلہ کے ہے تمھاری آتش حرص سے انگارہ کی طرح خوشنما ہو جاتی ہے۔ اور جب قضائے وطر کے بعد حرص کا خاتمہ ہوتا ہے تو وہ فعل سیاہ کوئلہ کی طرح مکروہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور اسوقت جو یہ انگارے کی طرح خوشنما معلوم ہوتا تھا یہ اُس فعل کی خوبی نہ تھی بلکہ آتش حرص تھی۔ اور اس حرص نے تمھارے کام کو مزین کر رکھا تھا اب حرص جاتی رہی اور تمھارا کام اپنی اصلی صورت پر آگیا۔ اور مکروہ معلوم ہونے لگا نیز معصیت ایک کچا پھل ہے جسکو شیطان نے اپنے جادو سے خوشنما اور پختہ ظاہر کیا ہے پس احمق لوگ اُسے پختہ سمجھ جاتے ہیں۔ مگر جب وہ اسے کھاتے ہیں تو اس امتحان سے انکے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں اور اسکی خامی ان پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ نیز حرص کے سبب یہ دام معصیت دانہ مرغوب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ حرص کے شیطان کا عکس ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ جال ہے جب یہ امر معلوم ہو گیا اور مطابقۃً یا التزاماً یہ ظاہر ہو گیا کہ حرص کی یہ خاصیت ہے۔ کہ وہ مطلوبات کو مزین کر دیتی ہے خواہ وہ فی نفسہ برے ہوں یا اچھے۔ اور جب حرص فنا ہو جاتی ہے

تو وہ زینت عارضہ جاتی رہتی ہے مگر حسن ذاتی یا قبح ذاتی قائم رہتا ہے تو تمکو چاہیے کہ دین کی
اور اچھے کاموں کی حرص کرو کیونکہ جب حرص فنا ہو جاویگی اسوقت بھی وہ اچھا ہی رہیگا۔ کیونکہ
افعال حسنہ کا حسن عکس غیر ہی سے نہیں۔ بلکہ وہ اپنی ذات سے بھی حسن ہیں اسلئے اگر حرص
کی چمک جاتی بھی رہے تو مضائقہ نہیں۔ خود اُس فعل حسن کی چمک قائم رہے گی۔ اور برخلاف
انکے اگر دنیوی کاموں سے حرص کی روشنی جاتی رہے تو ان میں کوئی چمک نہ رہے گی۔ اور
اسکی ایسی مثال ہوگی جیسے روشن انگارے میں سے آگ فنا ہو کر کوئلہ رہجائے بچوں کو حرص دہوکہ
میں ڈالتی ہے یہانتک کہ وہ نہایت شوق سے دامن پر سوار ہوتے ہیں اور اسے گھوڑا سمجھتے
ہیں مگر جب بچہ سے وہ بُری حرص حصول قوت عقلیہ کے سبب زائل ہو جاتی ہے۔ تو اوسے
دوسرے بچوں پر ہنسی آتی ہے اور وہ خود بھی منفعل ہوتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ میں کیا حماقت
کرتا تھا۔ اور اسمیں کیا خوبی دیکھتا تھا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ بھی خوبی نہ تھی۔ حرص کا
کرشمہ تھا کہ اسکے عکس نے سرکہ کو شہد ظاہر کر رکھا تھا۔ جبکہ بیان بالا سے یہ امر معلوم ہو گیا کہ
سب لوگ خواہ ناپاک ہوں یا پاک پابند زنجیر حرص ہیں۔ اور حرص دو قسم کی ہے۔ ایک وہ
حرص جو افعال دنیویہ سے متعلق اور قابل ترک و مذموم ہے۔ اور دوسری وہ حرص جو افعال
دینیہ سے متعلق اور واجب التحصیل و محمود ہے۔ تو اب سمجھو کہ انبیا کی تعمیروں میں حرص مذموم
نہ تھی اسی لئے ان میں رونقیں بڑہتی رہیں۔ دیکھو بہت سے بڑے لوگوں نے مسجدیں بنائی
ہیں۔ مگر کسی میں وہ بات نہیں۔ جو مسجد اقصےٰ میں ہے۔ جسکے دوسری مسجدوں میں ہونے سے
انکو مسجد اقصےٰ کہا جا سکتا۔ اور دیکھو کعبہ کوئی عالیشان و باشان و شوکت ظاہری عمارت
نہیں مگر پھر بھی اُسکی عزت ہر دم ترقی پر ہے۔ یہ کیا بات ہے صرف یہ کہ ابراہیم علیہ السلام جو اسکے
بانی ہیں انکو اسکے بنانے سے کوئی دنیوی و نفسانی غرض نہ تھی بلکہ محض رضائے حق مطلوب
تھی۔ پس سلیمان علیہ السلام کی مسجد کو جو شرف حاصل ہوا ہے اسکا منشا مٹی اور پتھر نہیں
کیونکہ وہ تو اور مسجدوں میں بھی موجود ہیں۔ بلکہ اسکا منشا یہ ہے کہ اسکے بانی میں اغراض نفسانیہ
مثلاً حرص مذموم و مخالفت مذمومہ نہ تھیں۔ اور ہوتی کیونکر۔ ان حضرات کی شان ہی جدا ہے
اور کوئی بات انکی عوام سے ملتی ہی نہیں۔ پھر اُن میں وہ صفات کیونکر ہوں جو عوام میں ہیں

دیکھو نہ انکی کتابیں اور ونکی کتابوں کی سی ہیں نہ انکی مسجدیں انکی سی ہیں نہ انکی کمائی ویسی ہے نہ خاندان ان جیسا ہے۔ اور نہ انکا ادب اور ونکا سا ہے۔ نہ غضب نہ سزا نہ انکی نیند نہ انکی عقل اور نہ انکی گفتگو وغیرہ انکی سی ہیں۔ نیز ایک وجہ انکی عام مخلوق سے ممتاز ہونے کی یہ بھی ہے۔ کہ سیکڑوں شان وشوکتیں اور سیکڑوں شرف انکو حق سبحانہ کی طرف سے ملے ہیں۔ جو انکے سوا اور کسی کو نہیں ملے۔ اور جسطرح انکو من حیث المجموع عام مخلوق سے امتیاز ہے یوں ہی وہ آپسمیں بھی ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کی شان نرالی ہے اور ہر ایک کا مرغ جان ایک نئے پر سے پرواز کرتا ہے یعنی ہر ایک کے عروج کے طرق وذرائع جداگانہ ہیں انکی حالت کو تفصیل وار بیان کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے۔ کہ مبادا لغزش ہو جاوے۔ اس لئے صرف اتنا کہتا ہوں کہ سب ہمارے پیشوا اور مقتدا ہیں ان کے افعال ہمارے افعال کا قبلہ ہیں۔ اور ان کے مرغ جان سے سونے کے انڈے یعنی نتائج عالیہ وآثار غالیہ پیدا ہوتے ہیں اور انکی جان اپنے نور کے سبب آدھی رات کے وقت صبح معنوی کا مشاہدہ کرتی ہے میں نے انکے بیان احوال میں اجمال اسلئے بھی اختیار کیا ہے کہ میں جسقدر ان کے اوصاف حسنہ بیان کرونگا۔ یہ انکی گونہ تحقیر ہوگی اور میں انکی تحقیر کرنے والا ہونگا۔ کیونکہ انکے اوصاف تک میری رسائی ہی نہیں۔ پس میں جو اوصاف بیان کرونگا وہ ان کے اوصاف واقعیہ علی ما ہی علیہ نہوں گے بلکہ ان سے گھٹے ہونگے۔ خیر یہ مضمون استطرادی تو ہو چکا اب تم اے معزز معمارو مسجد اقصٰے بناؤ۔ کہ سلیمان علیہ السلام پھر تشریف لے آئے ہیں مقصود یہ ہے کہ ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر کی طرف پھر انتقال کیا ہے اسلئے عمارت مسجد اقصٰی کا قصہ بیان کرنا چاہیے اچھا سنو۔ مسجد اقصٰی بن رہی ہے اور دیو وپری جن وانس کام میں مصروف ہیں اور اگر کوئی دیو یا پری سرکشی کرتا ہے تو تمام سرکشی کرنے والوں کو فرشتے مقید کر دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی دیو مکروفریب سے ذرا ٹیڑھا چلتا ہے تو اسکے سر پر بجلی کی طرح سرعت کیساتھ تازیانہ پڑتا ہے۔ اس شان سے وہ مسجد تیار ہو رہی ہے۔ اب مولانا پھر مضمون ارشادی کیطرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم بھی سلیمان ع کی طرح ہو جاؤ تاکہ تمہارے دیو یعنی قوٰی بہیمیہ تمہارے قصر کیلئے سنگتراشی کریں یعنی احکام قصر دینی میں تمہیں مدد دیں اور تم

سلیمانؑ کی طرح وسواس و مکر سے خالی ہو جاؤ. تاکہ جنات اور دیو تمھارے بھی تابع ہو جاویں تمھاری انگوٹھی تمھارا دل ہے۔ اسکا بہت خیال رکھنا۔ ایسا نہو کہ یہ انگوٹھی شیطان کے قبضہ میں پہونچ جاوے۔ اور وہ اس انگوٹھی پر قابض ہو کر تم پر حکومت کرنے لگے یاد رکھو کہ یہ سلیمانی منسوخ اور ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ تمھارے باطن میں ایک حکمراں یعنی روح موجود ہے مگر اسباب حکومت کی ضرورت ہے۔ شاید تم کو خیال ہو کہ سلیمانی تو کوئی قابل تحصیل چیز نہیں اسلئے کہ شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ خیال تمھارا صحیح ہے اور بعض اوقات شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے۔ یاد رکھو کہ ہر جولاہہ اطلس نہیں بنا سکتا گا رہا بننے والا جولاہہ بھی اطلس بننے والے کی طرح ہاتھ ہلاتا ہے۔ مگر دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے یوں ہی شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے۔ مگر روح کی سلیمانی چیزے دیگر است اور وہ سلیمانی شیطان کو کب نصیب ہو سکتی ہے۔ اسلئے سلیمانی ضرور قابل تحصیل ہے۔ یہاں ہم نے تشابہ صوری اور فرق معنوی کا بیان کیا ہے اب ہم تمھیں اسکے مناسب ایک حکایت سناتے ہیں تاکہ یہ بیان تم پر خوب واضح ہو جاوے۔

شرح شبّیری

مسجد اقصےٰ کو حق تعالیٰ کی وحی کی تعلیم کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے عمارت کرنے کے قصّہ کا بقیہ اور عمارت میں دیو و پری کا اور فرشتوں کا مدد کرنا

بعد ازاں آمد ندا از پیش تخت — بر سلیماں آں نبی نیکبخت

یعنی اس کے بعد تخت کے آگے سے ان سلیمان علیہ السلام نبی نیکبخت پر آواز آئی یعنی کہ اُن کے پاس وحی آئی کہ

کائے سلیمان مسجد اقصےٰ بساز — لشکر بلقیس آمد در نماز،

یعنی کہ اے سلیمان (علیہ السلام) مسجد اقصےٰ بناؤ۔ (کیونکہ) بلقیس کا شکر نماز میں آیا۔ مطلب یہ کہ یہ وحی آئی کہ اے سلیمان (علیہ السلام) اب چونکہ بلقیس کا لشکر مسلمان ہوکر آرہا ہے تو اب مسجد اقصےٰ کی ضرورت ہوگی اسکو بنالو۔

چونکہ او بنیاد آں مسجد نہاد — جن و انس آمد بدن در کار داد

یعنی جب انھوں نے اُس مسجد کی بنیاد رکھی تو جن اور انسان آئے اور بدن کام میں دیا مطلب یہ کہ آدمی اور جنات سب کام میں لگ گئے اور مسجد بنانے میں مشغول ہوگئے،

یک گروہ از عشق و قومے بیمراد — ہمچناں کہ در رہ طاعت عباد

یعنی ایک گروہ تو عشق کی وجہ سے اور ایک قوم بلا (اپنے) قصد کے جیسا کہ راہ طاعت میں بندے ہوتے ہیں، مطلب یہ کہ جو لوگ کہ مسجد اقصےٰ بنا رہے تھے اُن میں سے کچھ تو ایسے تھے جو اپنی خوشی سے اور رغبت سے کام کر رہے تھے کہ ثواب سمجھتے تھے۔ اور بہت سے سرکش اور نافرمان جنات اور دیوا ایسے تھے کہ زبردستی کام میں لگادئے گئے تھے لہذا کام کر رہے تھے جسطرح کہ طاعت حق میں بہت سے لوگ تو ایسے ہیں کہ خوشی ورغبت سے طاعت کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ اُنکو کام میں لگادیا گیا ہے اور حکم تکوینی اُن کیلئے ہے بس وہ اُسکی وجہ سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ آگے اسی حکم تکوینی کی وجہ سے کام میں لگے رہنے کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

خلق دیوانند و شہوت سلسلہ — میکشد شاں سوئے دکان و غلہ

یعنی مخلوق دیو ہیں اور شہوت زنجیر ہے کہ اُنکو دکان اور غلہ کی طرف کھینچتی ہے مطلب یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جیسے شیاطین متمردین ہوتے ہیں کہ اُنکو پکڑ کر اور زنجیر میں باندھکر کام میں لگادیا جاتا ہے تو وہ کام میں لگجاتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خواہشات نفسانیہ کو اُن کے لئے زنجیر بنا رکھا ہے کہ جب وہ خواہش ہوتی ہے تو مجبوراً وہ اُس کام میں لگجاتے ہیں کوئی تجارت کا کام کر رہا ہے۔ کوئی کھیتی باڑی کر رہا ہے غرضکہ ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول ہے۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہست ایں زنجیر از خوف و ولہ — تو مبیں ایں خلق را بی سلسلہ

یعنی یہ زنجیر خوف اور شوق کی ہے تو اس مخلوق کو بے زنجیر کے مت جان۔

ہست این بند و کمند آن خوف شان　　　نیستند این خلق بی بند نہاں

یعنی یہ بند اور کمند ان کا خوف ہے اور یہ مخلوق بے قید پوشیدہ کے نہیں ہے (اور اس قید کا یہ حال ہے کہ)۔

می کشاند شان سوئے کسب و شکار　　　می کشاند شان سوئے کان و بحار

یعنی ان کو کسب و شکار کی طرف کھینچتی ہے اور کانوں کی طرف اور دریاؤں کی طرف کھینچتی ہے

می کشاند شان سوئے نیک و بد　　　گفت حق فی جیدہا حبل المسد

یعنی ان کو برے بھلے کی طرف کھینچتی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ اسکی گردن میں رسی ہے لیف خرما کی۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ)۔

قد جعلنا الحبل فی اعناقہم　　　واتخذنا الحبل من اخلاقہم

یعنی ہم نے رسیاں انکی گردنوں میں ڈال رکھی ہیں اور رسیوں کو انکے اخلاق سے بنایا ہے

لیس من مستقذر مستنقہ　　　قط الا طائرہ فی عنقہ

یعنی کوئی برا کام کرنے والا اور بھلا کرنے والا ہرگز نہیں ہے۔ مگر اسکا نامۂ اعمال اس کی گردن میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص ایک ایک زنجیر میں قید ہے کہ وہ زنجیر کشاں کشاں اسکو اسی کام کی طرف لیجاتی ہے جسکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اب بعض لوگوں کے لئے تو وہ زنجیر شوق ہے اور ان کو ایک شئے کا شوق ہو جاتا ہے اس شوق کی وجہ سے اس کام کو کرتے ہیں اور بعض لوگوں کو کوئی خوف وغیرہ ہوتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے وہ کام کرتے ہیں غرضکہ کوئی شوق میں قید ہے اور کوئی خوف میں ہر شخص ایک قید پوشیدہ میں ہے۔ کہ اس سے نکل نہیں سکتا۔ اب وہ قید کسی کو کمائی کی طرف لیجا رہی ہے۔ تو وہ اسمیں لگا ہے کوئی شکار ہی میں مشغول ہے۔ کوئی معادن معدنیات کی تلاش میں ہے اور کوئی دریا سے موتیوں کو ڈھونڈھ رہا ہے غرضکہ ہر شخص نیک و بد کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے خود ارشاد حق ہے فی جیدھا حبل من مسد اگرچہ قرآن شریف میں خاص قصہ ہے لیکن مولانا اسکو اسپر مطابق فرمانے ہیں کہ [illegible] ہی کی گردن میں [illegible] اور وہ رسی ان کے اخلاق ہی سے بنی ہے۔ اگر اخلاق

حسنہ ہیں تو وہ رسی بھی اچھی ہے اور اسکے کام بھی نیک ہوتے ہیں۔ اور اگر اخلاق بُرے ہیں تو اسپر ویسا ہی ثمرہ مرتب ہوتا ہے اور لیس من مستقذر الخ میں ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ جو کوئی ہے خواہ نیکوکار ہو یا بدکار ہو ہر شخص کا نامۂ اعمال اسکی ساتھ ہے۔ وہ جیسا بھی ہے اسکے افعال ویسے ہی ہوتے ہیں جس سے اسکی حالت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ آگے اسکی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ۔

حرص تو در کار بد چوں آتش است　　اخگر از رنگ خوش آتش خوش است

یعنی تمہاری حرص برے کاموں میں آگ کی طرح ہے اور چنگاری آگ کے عمدہ رنگ کی وجہ سے خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔

آں سیاہی فحم در آتش نہاں　　چونکہ آتش شد سیاہی شد عیاں

یعنی وہ کوئلہ کی سیاہی آگ میں پوشیدہ ہوتی ہے جبکہ آگ جاتی رہی تو سیاہی ظاہر ہوگئی

اخگر از حرص تو شد فحم سیاہ　　حرص چوں شد ماند آں فحم تباہ

یعنی تمہاری حرص کی وجہ سے سیاہ کوئلہ چنگاری معلوم ہونے لگا اور جب حرص جاتی رہی تو وہ کوئلہ تباہ رہ گیا۔ مطلب یہ کہ برے کاموں کی جو تمکو حرص ہوتی ہے اسکی مثال آگ جیسی ہے۔ کہ جس طرح کالا کوئلہ آگ کی وجہ سے خوشنما اور عمدہ معلوم ہونے لگتا ہے اسی طرح حرص کی وجہ سے برے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور انسان ان بری کاموں کی رغبت کرنے لگتا ہے۔ پھر جس طرح کہ آگ کے بجھ جانے سے وہ کوئلہ کالا کا کالا ہی رہ جاتا ہے اسی طرح جب وہ خواہش پوری ہو جاتی ہے اسوقت اس کام کی برائی نظر آتی ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

آنزماں آں فحم اخگر می نمود　　آں نہ حسن کار نار حرص بود

یعنی اسوقت وہ کوئلہ چنگاری معلوم ہوتا تھا تو وہ کام کی عمدگی نہ تھی وہ حرص کی آگ تھی۔

حرص کارت را بیارائیدہ بود　　حرص رفت و ماند کار تو کبود

یعنی حرص نے تیرے کام کو سنوار رکھا تھا حرص جاتی رہی تو تیرا کام خراب رہگیا مطلب یہ کہ جسطرح کہ کوئلہ آگ کی وجہ سے خوش رنگ معلوم ہوتا ہے اور جب آگ بجھ جاتی ہے

تو وہ کالا کالا ریچا تا ہے اسی طرح حرص کی وجہ سے برا کام اچھا معلوم ہونے لگا پھر جب حرص جاتی رہی تو اس کی برائی معلوم ہوئی اس حرص نے اس کام کی صورت کو سنوار رکھا تھا وہ اس کام کا حسن ذاتی نہ تھا۔ آگے اسی کی دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

غورہ را کہ بنیا رائید غول پختہ پندارد کسے کو ہست گول

یعنی جس انگور کو کہ بھوت نے سنوار رکھا ہو اسکو بیوقوف آدمی پختہ جانتا ہے +

آزمائش چوں نماید جان او کند گردد ز آزموں دندان او

یعنی جب اسکی جان آزمائش کرتی ہے تو اس آزمائش کی وجہ سے اس کے دانت کند ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کچے انگور کی صورت کچھ پختہ کی سی ہو گئی تو بیوقوف آدمی اسکو پختہ سمجھنے لگا یعنی جب اسے چکھا تو تمام دانت کھٹے ہو گئے اور اسکی اصلی حالت معلوم ہو گئی بس یہی حال ہے برے کاموں میں حرص کا۔ آگے اسی کی تیسری مثال ہے کہ

از ہوس آں دام دانہ می نمود عکس غول حرص آں خود دام بود

یعنی حرص کی وجہ سے وہ جال دانہ دکھائی دیتا تھا (حالانکہ) حرص کے بھوت کا عکس وہ خود جال تھا۔ مطلب یہ کہ حرص کی وجہ سے جال دانہ دکھائی دیتا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ دانہ پڑا ہوا ہے لیکن جب حرص جاتی رہی تب ہوش آیا اور جال نظر آیا۔ آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ

حرص اندر کار دین و خیر جو چوں نماند حرص ماند نغز او

یعنی کار خیر میں اور دین کے کام میں حرص ڈھونڈھو کہ جب حرص نہ رہیگی تو وہ خالص و اچھا رہیگا

خیرہا نغز اند نہ از عکس غیر تا بحرص از رفت ماند تاب خیر

یعنی اچھے کام خود عمدہ ہیں کسی دوسرے کے عکس سے نہیں حرص کی روشنی جاتی رہی تو اچھے کام کی روشنی باقی رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کار خیر میں اور کار دین میں حرص کرو تو پھر اگر حرص نے جو اسکو چمکا رکھا تھا وہ بات نہ بھی رہے تب بھی خود کار خیر ہی ایسا عمدہ اور حسین شئے ہے کہ اسکی خوبی جو باقی رہے گی وہی بہت ہو گی۔ اگر دین کے کام سے وہ عمدگی جو شوق کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی زائل بھی ہو جاوے یعنی وہ شوق جاتا بھی رہے تب بھی چونکہ کار خیر خود بذات خود خیر ہے اسلئے وہ عمدہ ہی رہیگا۔ بخلاف کار دنیا کے کہ اسکی یہ حالت ہے کہ۔

تاب حرص از کار دنیا چوں برفت　　فحم باشد ماندہ از اخگر بہ تفت

یعنی حرص کی چمک اگر کار دنیا سے جاتی رہے تو فوراً چنگاری سے کوئلہ رہجاویگا مطلب یہ کہ اگر دنیا کے کام سے وہ شوق اور حرص جاتا رہا تو پھر بُرا کا بُرا رہجاویگا۔ اسلئے کہ اُسکی ذات میں تو کوئی اچھائی تھی ہی نہیں۔ وہ عمدگی اور حسن تو اُس حرص ہی کا تھا۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

کودکاں را حرص می آرد غرار　　تا شوند از ذوق دل دامن سوار

یعنی بچوں کو حرص دہوکہ دیتی ہے یہانتک کہ وہ دل کے شوق سے دامن پر سوار ہوتے ہیں

چوں ز کودک رفت آں حرص بدش　　بر دگر اطفال خنداں آیدش

یعنی جب بچہ سے وہ اسکی حرص بد جاتی رہی تو دوسرے بچوں پر اُس کو ہنسی آتی ہے۔

کہ چہ میکردم چہ میدیدم دریں　　خل ز عکس حرص بنمود انگبیں

یعنی کہ میں کیا کیا کرتا تھا اور میں اسمیں کیا بات دیکھا کرتا تھا حرص کے عکس کیوجہ سے سرکہ شہد معلوم ہوتا تھا مطلب یہ کہ بچوں کو بچپن میں حرص ہوتی ہے گھوڑے پر چڑھنے کی اور اصلی گھوڑے پر چڑھ نہیں سکتے تو کہیں اپنے دامن کا گھوڑا بنالیا کہیں لکڑی کو بنالیا پھر جب بڑے ہو جاتے ہیں اور دوسرے بچوں کو اس طرح کرتے دیکھتے ہیں تو ان حضرت کو اور وغیرہ ہنسی آتی ہے۔ اور یہ سوچتے ہیں کہ بھلا میں یہ کام کیوں کیا کرتا تھا۔ اور اسمیں کونسا نفع مجھے معلوم ہوتا تھا تو چونکہ اب وہ حرص تو جاتی رہی اسلئے اُسکی بُرائی محسوس ہوئی ورنہ اُسوقت اُس حرص کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ غرضکہ اہل دنیا کے کاموں میں جو رونق وغیرہ ہوتی ہے وہ تو اس شوق و حرص تک ہوتی ہے۔ اور پھر وہی بُرا کا بُرا لیکن اللہ والوں کے کاموں میں رونق ذاتی ہوتی ہے۔ لہذا وہ زائل نہیں ہوتی۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

آں بنائے انبیاء بے حرص بود　　زاں چناں پیوستہ رونقہا فزود

یعنی انبیاء علیہم السلام کی وہ عمارت (چونکہ) بے حرص کے تھی اسلئے ہمیشہ اسی طرح رونقیں بڑھتی تھیں۔

اے بسا مسجد برآوردہ کرام　　لیک نبود مسجد اقصاش نام

یعنی بہت سی مسجدیں ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں نے بنائی ہیں لیکن اُنکا نام مسجد اقصیٰ نہیں ہے۔
مطلب یہ کہ چونکہ انبیا اور اولیاء اللہ کے کاموں میں حرص وغیرہ کو دخل نہیں ہوتا اسلئے
وہ ہمیشہ بارونق رہتے ہیں اور اہل دنیا کے کاموں میں چونکہ حرص وہوا کو دخل ہوتا ہے
اسلئے اُن میں وہ رونق نہیں ہوتی۔ اور اُسکا مشاہدہ جسکا دل چاہے جس زمانہ میں چاہے
کرلے۔ خود مولانا ہی فرماتے ہیں کہ بہت سی مسجدیں بڑے بڑے امراء نے اور بادشاہوں نے
بنائیں لیکن اُن کا آج کوئی نام ہی نہیں جانتا اور ایک مسجد اقصیٰ جسکو نبی علیہ السلام نے
بنایا ہے کہ اُسکا نام تمام عالم میں مشہور ہے۔ اور رہے گا۔ اسی طرح اس زمانہ میں دیکھ لو
کہ ایک تو وہ مدارس اور مساجد ہیں جو کہ غربا کے پیسہ سے بنی ہیں وہ کسقدر مقبول و مشہور ہیں
اور ایک وہ ہیں جنمیں صرف امراہی کا روپیہ لگا ہے۔ کہ اُن میں کوئی خیر و برکت ہی نہیں آگے
فرماتے ہیں کہ۔

کعبہ راکش ہر زماں عزے فزود ۔۔۔ آں ز اخلاصات ابراہیم بود

یعنی کعبہ کی جو ہر گھڑی عزت زیادہ ہوتی ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص
کی وجہ سے ہے۔

فضل آں مسجد ز خاک و سنگ نیست ۔۔۔ لیک در بناش حرص و جنگ نیست

یعنی اُس مسجد کی فضیلت خاک اور پتھر کی وجہ سے نہیں ہے۔ لیکن (وجہ یہ ہے کہ) اُسکے
بنانے والے میں حرص ولڑائی نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کعبہ شریف کی فضیلت اس وجہ سے
نہیں ہے کہ اُسکی عمارت کچھ عمدہ ہے اسلئے کہ ظاہری عمارت تو اُسکی بالکل سادہ ہے اور لاکھوں
مسجدیں اُس سے بدرجہا خوبصورت بنی ہوئی ہیں اُسکی فضیلت تو صرف اس وجہ سے ہے
کہ اُس کے بانی کے اندر اخلاص ہی اخلاص تھا کوئی حرص وغیرہ نہ تھی۔ ان حضرات
کی یہ شان ہوتی ہے کہ۔

نے کتب شاں چوں کتاب دیگراں ۔۔۔ نے مساجد شاں نہ کسب و خانماں

یعنی اُنکی کتابیں دوسرے لوگوں کی کتابوں کی طرح نہیں ہیں۔ اور نہ اُنکی مسجدیں ویسی نہ
کمائی نہ گھر بار۔

نے ادب شان نے غضب شان نے نکال   نے نعاس و نے قیاس و نے مقال

یعنی نہ اُنکا ادب ایسا نہ اُنکا غصہ نہ اُنکی سزا نہ نیند اور نہ قیاس و نہ گفتگو مطلب یہ کہ
اُنکی ہر شے دوسرے لوگوں سے نرالی ہے۔ اور جدا ہے۔ اور اُسکو ایک خاص امتیاز حاصل ہے

ہر یکے را دادہ حق در مرتبت   صد ہزاران حشمت و ہم مکرمت

یعنی حق تعالیٰ نے مرتبہ میں ہر ایک کو لاکھوں حشمتیں اور عزتیں عطا فرمائی ہیں۔

ہر یکے شان را یکے فرّ دگر   مرغ جان شان طائر از پر دگر

یعنی ہر ایک کو اُن میں سے ایک دوسری عزت ہے اور اُنکا مرغ جان ایک دوسرے ہی پر سے
اُڑنے والا ہے مطلب یہ کہ اُنکا عروج و نزول سب نرالا ہے اور ہر شے کو دوسرے لوگوں کے
کاموں سے امتیاز حاصل ہے چونکہ ادب کا غلبہ ہوا تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

دل ہمی لرزد ز ذکر حال شان   قبلۂ افعال ما افعال شان

یعنی اُن کے حال کے ذکر سے دل کانپتا ہے (بس یہ سمجھو کہ) اُن کے افعال ہمارے
افعال کے قبلہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اس مقابلۃً بیان کرنے سے دل کانپتا ہے اور خوف معلوم
ہوتا ہے۔ کہ کہیں بے ادبی نہ ہو کہ ہم اپنے افعال اور اُن کے افعال میں تناسب بیان کریں
حاشا وکلا بس اتنا سمجھ لو کہ اُن کے افعال ہمارے افعال کے قبلہ ہیں اس سے زیادہ اور
کچھ بیان کرنے میں خوف سوء ادبی ہے۔

مرغ شان را بیضہ زرین بدست   نیم شب جان شان سحرگہ بین شد ا ست

یعنی اُن کے مرغ کے بیضے سونے کے ہیں اور آدھی رات کو اُن کی جان سحر دیکھنے والی ہوئی ہے
یعنی اُن کی روح کے افعال ہی اور طرح کے ہیں جنکو اور لوگوں کے افعال سے کوئی نسبت
ہی نہیں ہے وہ حضرات اپنی چشم باطن سے اندھیری رات میں نور کا مشاہدہ کرتے ہیں کیونکہ
یہ ظلمت ظاہری اُن کے مشاہدے میں مخل نہیں ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر چہ گویم من بجان نیکوئی قوم   نقص گفتم گشتہ ناقص گوئی قوم

یعنی میں قوم (انبیاء و اولیاء) کی جسقدر بھلائیاں بیان کرونگا وہ کم ہی کرونگا اور میں قوم
کیلئے ناقص کہنے والا ہونگا۔ مطلب یہ کہ میں ان حضرات کے جسقدر اوصاف بھی بیان

کرونگا وہ ان کے اوصاف واقعیہ کے سامنے کم ہی ہونگے اور ہیں ہمیشہ ناقص گو ہی رہونگا۔ لہذا جسقدر بیان کئے ہیں یہ بھی ناقص ہی ہیں تو ان ہی پر اکتفا کرنا چاہئے آگے ایک عام خطاب فرماتے ہیں کہ

مسجد اقصےٰ بسازید اے کرام ۔ کہ سلیمان باز آمد والسلام

یعنی اے کریمو مسجد اقصےٰ کو بناؤ کہ سلیمان علیہ السلام پھر آئے والسلام۔ مطلب یہ کہ اے لوگو تم بھی اپنی مسجد اقصےٰ یعنی دل کو درست کرو اور اسکو بناؤ کہ تمہارے زمانہ میں بھی ایک سلیمان یعنی مرشد موجود ہیں لہذا تم بھی اُن سے اپنی مسجد اقصےٰ کو درست کرالو اور اُن کی تعلیم کے موافق بنالو۔

ور ازیں دیوان و پریان سر کشند ۔ جملہ را املاک در زنجیر کشند

یعنی اور اگر اس سے دیو و جنات سرکشی کریں تو سبکو فرشتے طوق میں کھینچیں گے مطلب یہ کہ اگر نفس اس طرف تمکو نہ آنے دے اور جنات و دیو کی طرح مسجد اقصےٰ کو بنانے سے انکار اور سرکشی کرے تو تم اسکو اسکے سپرد کردو وہ اسکو قابو میں لے آویگا۔

دیو یکدم کژ رود از مکر و زرق ۔ تازیانہ آیدش بر سر چو برق

یعنی دیو ایکدم کو مکر و فریب سے کجروی کرے تو اسکے سر بجلی کی طرح کوڑا آئیگا۔ مطلب یہ کہ پھر یہ حالت ہو جاویگی کہ جب ذرا نفس سرکشی کریگا اسی وقت اسکو سزا ملجاویگی جہاں تو یہ فرمایا تھا کہ سلیمان یعنی مرشد کے سپرد اپنے کو کردو آگے ترقی فرماتے ہیں کہ

چوں سلیمان شو کہ تا دیوان تو ۔ سنگ برند از پے ایوان تو

یعنی سلیمان علیہ السلام کی طرح ہو جاؤ تاکہ تمہارے شیاطین تمہارے محل کیلئے پتھر تراشیں۔ مطلب یہ کہ تم خود مرشد کی طرح کامل ہو جاؤ۔ تو پھر یہ نفس و شیطان تمہارے رام ہو جاویں گے اور پھر یہی تمہارے کام آویں گے اور تہذیب میں یہ بھی مدد دیں گے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کو مسجد بنانے میں جنات اور دیو مدد دے رہے تھے۔

چوں سلیمان باش بے وسواس و ریو ۔ تا ترا فرمان برد جنی و دیو

یعنی سلیمان علیہ السلام کی طرح بے وسواس اور شک ہو جا تاکہ جن اور دیو سب تیری

تابعداری اور فرماں برداری کریں۔

خاتم تو این دل است و ہوشدار تانگردد دیو را خاتم شکار

یعنی تمہاری انگوٹھی یہ دل ہے ہوشیار رہنا کہیں یہ انگوٹھی کسی دیو کی شکار نہ بنجاوے۔

پس سلیمانی کند بر تو مدام دیو با خاتم حذر کن والسلام

یعنی پھر دیو مع انگوٹھی کے تجھ پر ہمیشہ سلیمانی کرے ذرا بچتا رہ والسلام۔ مطلب یہ کہ اوپر فرمایا تھا کہ سلیمان کی طرح ہو جاتا کہ سب دیو و پری تیرے کہنے میں ہو جاویں اور سب تیری تابعداری کریں آگے بر بنا مشہور فرماتے ہیں کہ دیکھو جس طرح سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ایک دیو نے لے لی تھی اور وہ سلیمان بن بیٹھا تھا اسی طرح کہیں اس نفس و شیطان کا قابو تمہارے دل پر جو کہ اس انگوٹھی کی طرح ہے نہ چلجاوے۔ اور پھر یہ تم پر قابو یافتہ ہو جاوے۔ لہذا ذرا بچتے ہی رہنا والسلام اور یہ ضروری نہیں ہے کہ مولانا اس انگوٹھی کے قصہ کو صحیح ہی مانتے ہوں غالب یہ ہے کہ قصہ کو تو غلط ہی مانتے ہیں مگر بر بنا مشہور فرما دیا ہے۔ اور اوپر دل کو تشبیہ مسجد اقصے سے دی تھی اور یہاں خاتم سے تشبیہ دی ہے تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے دونوں سے تشبیہ ہو سکتی ہے غرضکہ ان نفس و شیطان کو مرشد کے ذریعہ سے قابو میں لاکر خود ان پر حاکم بنو اور ان کے مکائد سے بچتے رہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

آں سلیمانی دلا منسوخ نیست در سر و سرت سلیمانی کنیست

یعنی اے دل وہ سلیمانی منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ تیرے اندر ایک سلیمانی کرنے والا موجود ہے۔ مطلب یہ کہ خود تمہارے ہی اندر ایک ایسی شے ہے کہ وہ مثل سلیمان کے ہے یعنی روح کہ وہ اس نفس کے سامنے ایسی ہی ہے جیسے کہ سلیمان دیو کے مقابلہ میں۔ لہذا اس سے کام لو اور مرشد کامل کو تلاش کرو آگے شیوخ مزورین سے بچاتے ہیں کہ۔

دیو ہم وقتے سلیمانی کند لیک ہر جولاہہ اطلس کے تند

یعنی دیو بھی ایک وقت سلیمانی کرتا ہے۔ لیکن ہر جولاہہ اطلس کب بنتا ہے۔

دست جنبانند چو دست او ولیک در میاں ہر دو شان فرقیست لیک

یعنی وہ اُسی کی طرح ہاتھ ہلاتا ہے لیکن دونوں کے درمیان میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ مطلب یہ کہ بعض مرتبہ دہوکہ باز پیر بھی مرشدی کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اُن کے دہوکہ میں مت آجانا اس لئے کہ دیکھو ایک جولاہہ اطلس بنتا ہے اور ایک گاڑہا بنتا ہے دونوں کے ہاتھ یکساں ہی چلتے ہیں مگر ایک نے بنا اطلس اور ایک نے بنا گاڑہا۔ کتنا بڑا فرق ہے۔ بس اسی طرح ایک جھوٹا ہو اور ایک سچا اُن میں بھی ایک فرق عظیم ہے۔ لہذا جھوٹوں اور مکاروں سے بچنا ضروری ہو اور اسکی پہچان اپنے مقامات پر موجود ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

دربیان این حدیث مثنوی یک حکایت بشنو اندر مثنوی

یعنی اس باطنی بات کے بیان میں ایک حکایت مثنوی میں سنو۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ شیوخ مزورین و شیوخ صادقین میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے مزورین سے بچو اور صادقین کو تلاش کرو اسکے بیان میں ایک حکایت دو وزیروں کی لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شاعر ایک بادشاہ کے یہاں قصیدہ لکھکر لے گیا۔ اور سنایا تو بادشاہ نے اپنے وزیر حسن نامی سے کہا کہ اسکو ایکہزار اشرفیاں دیدو تو وزیر حسن نے کہا کہ حضور یہ تو بہت کم ہیں کم از کم دس ہزار اشرفیاں تو دیجئے غرضکہ اُسکو دس ہزار اشرفیاں دیدیں۔ جب وہ خرچ ہو چکیں تو وہ شاعر پھر قصیدہ لکھکر لایا۔ اور یہاں اُس وزیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُسکی جگہ ایک دوسرا وزیر تھا اور اُسکا نام بھی حسن ہی تھا۔ جب اُس شاعر نے قصیدہ سنایا تو بادشاہ نے حسب معمول ایکہزار اشرفیاں انعام دینے کا حکم دیا۔ تو یہ دوسرے وزیر صاحب بولے کہ حضور یہ بہت زیادہ ہے اسقدر دینے کی کیا ضرورت ہی بادشاہ نے کہا کہ میں نے اسکو پہلے بھی ایکہزار دینے کو کہا تھا اور وزیر نے دس ہزار دلوائی تھیں تو اب ایکہزار سے کیا کم ہو۔ وزیر بولا کہ آپ اس کام کو میرے سپرد کر دیجئے میں اسکو نمٹا دونگا۔ بادشاہ نے منظور کر لیا۔ وزیر نے اس شاعر کو اسقدر ٹلایا کہ پریشان ہو گیا۔ اور مایوس ہو گیا۔ اسوقت اُس نے اُسکو پچیس اشرفیاں دیدیں شاعر نے اُن ہی کو غنیمت جانا اور پوچھا کہ اسکا کیا نام ہے معلوم ہوا کہ اسکا بھی نام حسن ہی ہے تو اس نے کہا کہ اس حسن میں اور اُس حسن میں زمین آسمان کا فرق ہو۔ تو دیکھو جس طرح وہ بھی وزیر تھا یہ بھی وزیر اُسکا نام بھی حسن تھا اسکا نام بھی حسن ہی تھا مگر وہ کسقدر سخی اور فائدہ پہونچانے والا

تھا اور یہ کسقدر کنجوس اور ضرر پہونچانے والا تھا - اسی طرح شیوخ مزورین و صادقین میں فرق ہوتا ہے خوب سمجھلو اب حکایت سنو -

شرح حبیبی

ایک شاعر کو بادشاہ کے صلہ دینے اور وزیر حسن نامی کے اُس صلہ کو زیادہ کرنے کا قصہ

شاعرے آورد شعرے پیش شاہ — بر امید خلعت و اکرام و جاہ

شاہ مکرم بود فرمودش ہزار — از زر سرخ و کرامات و نثار

پس وزیرش گفت کایں اندک بود — دہ ہزارش ہدیہ دہ تا وارود

از چو او شاعر پس از تو بحر دست — دہ ہزارے کہ بگفتم او کم است

قصہ گفت آں شاہ اُو فلسفہ — تا برآمد عشر خرمن از کفہ

دہ ہزارش داد و خلعت درخورش — خانہ شکر و ثنا گشت آں سرش

پس تفحص کرد کایں سعی کہ بود — شاہ را اہلیت من کہ نمود

پس بگفتندش فلان الدیں وزیر — آں حسن نام و حسن خلق و ضمیر

در ثنائے او یکے شعرے دراز — بر نوشت و سوئے خانہ رفت باز

بے زبان و لب ہماں نعمائے شاہ — مدح شہ میکرد و خلعتہائے شاہ

بعد سالے چند بہر رزق و گشت — شاعر از فقر و عوز محتاج گشت

گفت وقت فقر و تنگی دو دست	جستجوئے آزمودہ بہتر است
در گے را کازمودم از کرم	حاجت نو ر ا ہمان جانب برم

ایک شاعر بامید خلعت و اعزاز و اکرام ایک بادشاہ کی حضور میں ایک قصیدہ لایا، بادشاہ چونکہ اہل کمال کا قدردان تھا اسلئے اس نے حکم دیا کہ انکو ایک ہزار اشرفیاں دیدی جائیں اور انکی خوب تعظیم و تکریم کیجائے اور ان پر بکھیر بھی کیجاوے۔ وزیر نے کہا کہ یہ عطیہ بہت تھوڑا ہے دس ہزار دیجئے تاکہ یہ خوش واپس جاوے۔ اس جیسے شاعر اور آپ جیسے سخی کی نسبت سے یہ دس ہزار بھی جو میں نے کہے ہیں کم ہیں القصہ اس فلسفہ کے باہر حاکم نے بادشاہ سے اسکے متعلق یہانتک گفتگو کی کہ خرمن کا عشر گھونڈروں میں بھی نکل آیا یعنی بادشاہ نے اُسکا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ اور حکم دیدیا کہ دس ہزار اشرفیاں اور ان کے مناسب خلعت انکو دیدیا جاوے اس سے شاعر نے بادشاہ کی بہت کچھ ثنا و صفت کی۔ اور اُسکا سر گویا کہ بادشاہ کی ثنا و صفت کا گھر ہو گیا۔ اُس کے بعد اُس نے تفتیش کی کہ یہ کیسکی کوشش تھی اور میری قابلیت بادشاہ پر کسنے ظاہر کی تھی لوگوں نے کہا کہ فلاں وزیر نے جنکا نام بھی حسن ہے اور خلق بھی اچھا ہے اور طبیعت بھی اچھی ہے اسپر اُس نے ایک طویل قصیدہ وزیر کی تعریف میں بھی لکھا۔ اور گھر واپس ہو گیا۔ جب وہ واپس ہوا ہے تو بادشاہ کی عطا کی ہوئی نعمتیں اور خلعتیں بزبان حال بادشاہ کی تعریف کر رہی تھیں چند سال کے بعد فقر و فاقہ کے سبب اُسکو پھر رزق اور اُسکے لئے سفر کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اسوقت اُس نے دل میں کہا کہ محتاجی اور تنگدستی کے وقت اسی کی جستجو بہتر ہے جسکو ایکمرتبہ آزما چکے ہیں اور جس درگاہ کو میں ایکمرتبہ آزما چکا ہوں بہتر ہے کہ اس نئی ضرورت کو بھی اُسی کی طرف لیجاؤں۔

معنے اللہ گفت آں سیبویہ	یولہون فے الحوائج ہم لدیہ
گفت الہنا فے حوائجنا الیک	والتمسنا ہا وجدنا ہا الیک

صد ہزاران عاقلاں در وقت درد
جملہ نالاں پیش آں دیان فرد

ہیچ دیوانہ فلیوے ایں کند
بر بخیلے عاجزے کدیہ تنند

گر ندیدندے ہزاراں بار بیش
عاقلاں جان کی کشیدندش بہ پیش

بلکہ جملہ ماہیاں در موجہا
جملہ پرندگان بر اوجہا

بلکہ جملہ موجہا بازی کناں
ذوق و شوقش را عیاں اندر عیاں

پیل و گرگ و شیر و اشکار نیز
اژدہاے زفت و مور و مار نیز

بلکہ خاک و باد و آب و ہم شرار
مایہ زو یابند ہم دے ہم بہار

ہر دمش لابہ کند ہم آسماں
کہ فرو مگذارم اے حق یکزماں

استن من عصمت و حفظ تو است
جملہ مطوی بیمین آں دو دست

ویں زمیں گوید کہ دارم بر قرار
ایکہ بر آبم کہ کردستی سوار

جملگاں کیسہ ازو بر دوختند
دادن حاجت ازو آموختند

ہر نبیے زو بر آوردہ برات
استعینوا منہ صبرا او الصلوٰۃ

ہیں ازو خواہید نے از غیر او
آب در یم جو مجو در خشک جو

ور بخواہی از دگر ہم او دہد
بر کف میلش سخا ہم او نہد

آنکہ معرض را از زر قاروں کند
رو بدو آری بطاعت چوں کند

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ اللہ کے معنی سیبویہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ لوگ اسکی طرف اپنی ضروریات میں مضطر ہوتے ہیں اور اس نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے ذات پاک ہم اپنی ضروریات میں تیری طرف گھبرا کر آتے ہیں اور تجھ سے اُن کو طلب کرتے ہیں اور تیرے پاس انکو پاتے ہیں پس یہ نام ہی اسکے ملجا و ماویٰ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ علاوہ

اسکے سیکڑوں اور ہزاروں عاقل تکلیف کے وقت اُسکی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کوئی مجنون اور پاگل ہی نہیں کرتا۔ کہ کسی بخیل اور عاجز سے بھیک مانگے پس ثابت ہوا کہ وہ جواد کریم اور قادر مختار ہے۔ کیونکہ اگر عقلا ہزاروں مرتبہ سے بھی زیادہ اُس کے عطایا و انعامات کو نہ دیکھ لیتے تو کاہے کو اپنے کو اسکے سامنے طلب حاجت کیلئے لیجاتے۔ اور کچھ عقلا ہی پر منحصر نہیں بلکہ موجوں میں رہنے والی تمام مچھلیاں اور ہوا پر اڑنے والے تمام پرندے بلکہ وہ تمام موجیں جو کہ اُسی کے ذوق شوق میں نہایت کھلم کھلا کھیل رہی ہیں نیز ہاتھی بھیڑیئے شیر شکار بڑے بڑے اژدہے چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں سانپ بلکہ خاک ہوا پانی آگ بھی سب کے سب اسی سے سامان بقا و وجود پاتے ہیں اور اسی کی طرف سے ان پر تکلیف خزاں آتی ہے اور اسی کی جانب سے بہار عیش۔ نیز یہ بلند اور عالیشان آسمان بھی ہر وقت متضرع رہتا ہے۔ کہ آپ میری امداد تھوڑی دیر کیلئے بھی نہ روکئے میرا ستون آپ کی حفاظت اور بچاؤ ہی ہے۔ کیونکہ آپ کے دست قدرت میں لپٹا ہوا ہوں۔ اور زمین کہتی ہے کہ اے وہ ذات جس نے مجھے پانی پر قائم کیا ہے آپ مجھے قایم رکھئے نیز تمام لوگوں نے ہتھیلیاں اُسی سے دولت لیکر سی ہیں اور دوسروں کی ضروریات کا پورا کرنا اسی سے سیکھا ہے اور ہر نبی اُسکی طرف سے یہ حکم لایا ہے کہ صبر و صلاۃ کے ذریعہ سے اس سے مدد چاہو ان وجوہ کی بنا پر تم کو جو کچھ مانگنا ہو حق سبحانہ ہی سے مانگو نہ کہ کسی اور سے اور پانی کو سمندر میں تلاش کرو نہ کہ سوکھی ندی میں۔ سمندر حق سبحانہ ہیں اور سوکھی ندیاں اور لوگ۔ کیونکہ وہ مالک الذات والصفات ہیں۔ ان کے پاس جو کچھ ہے سب عطائی ہے تو جو خود اُس کے محتاج ہیں تم اُن کو اپنا محتاج الیہ کیوں بناتے ہو۔ دیکھو اگر تم اور وں سے مانگوگے بھی تب بھی وہی دیگا کیونکہ اُس سخاوت کی خواہش و رغبت وہی تو پیدا کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ غیر اُسکے مشیت کے بغیر تمھارے ساتھ کچھ سلوک نہیں کر سکتا۔ پس تم کو چاہئے کہ اس واسطہ کو درمیان سے اڑا دو اور براہ راست اُس سے مانگو شاید تم کو خیال ہو کہ وہ دیگا نہیں مگر تم سوچو کہ جو اعراض کرنے والے کو ردیپہ دیکر قارون بنا دیتا ہے وہ اُس وقت جبکہ تم اُسکی طرف مطیعانہ متوجہ ہوگے تمھارے ساتھ کیا کچھ سلوک نہ کریگا۔

بار دیگر شاعر از سودائے داد　　رو بسوئے آں شہ محسن نہاد

ہدیۂ شاعر چہ باشد شعر نو　　پیش محسن آرد و بنہد گرو

محسناں با صد عطا و جود و بر　　زر نہادہ شاعراں را منتظر

پیش آں شعرے بہ از صد تنگ شعر　　خاصہ شاعر کو گہر آرد ز قعر

آدمی اول حریص ناں بود　　زانکہ قوت ناں ستون جاں بود

سوئے کسب و سوئے غصب و صد حیل　　جاں نہادہ بر کف از حرص و امل

چوں بنادر گشت مستغنی ز ناں　　عاشق نام است و مدح شاعراں

تاکہ اصل و نسل او را بر دہند　　در میان فضل او منبر نہند

تاکہ کر و فر و زر بخشی او　　ہمچو عنبر بو دہد در گفتگو

خلق ما بر صورت خود کرد حق　　وصف ما از وصف او گیرد سبق

چونکہ آں خلاق شکر و حمد جوست　　آدمی را مدح جوئی نیز خوست

خاصہ مرد حق کہ در فضل ست چست　　پر شود زاں باد چوں خیک درست

ور نباشد اہل زاں باد دروغ　　خیک بدریدہ است کے گیرد فروغ

ایں مثل از خود نگفتم ای رفیق　　سرسری مشنو چو اہلی و مضیق

ایں پیمبر گفت چوں بشنید قدح　　کہ چرا فربہ شود احمد بہ مدح

رفت شاعر سوئے آں شاہ و ببرد　　شعر اندر شکر احساں کاں نمرد

محسناں مردند و احسانہا بماند　　اے خنک آنرا کہ ایں مرکب براند

ظالماں مردند و ماند آں ظلمہا　　وائے جانے کو کند مکر و دغا

گفت پیغمبر خنک آں را کہ او — شد ز دنیا ماند ازو فعل نکو

مرد محسن لیک احسانش نمرد — نزد یزداں دین و احسان نیست خرد

نام نیک او ز فعل نیک داں — پس نمرد ست او یقین بنگر عیاں

وائے آنکو مرد و عصیانش نمرد — تا نہ پنداری بمرگ او جان ببرد

ایں رہا کن زانکہ شاعر برگذر — دام دارست و قوی محتاج زر

برد شاعر شعر سوئے شہریار — بر امید بخشش و احسان یار

تا ازیں شعرے پُر از دُرِّ درست — بر امید و بوئے اکرام نخست

شاہ ہم بر خوئے خود گفتش ہزار — چوں چنیں بد عادت آں شہریار

لیکن ایں بار آں وزیر پُر ز جود — بر براق عز ز دنیا رفتہ بود

بر مقام او وزیر نو رئیس — گشتہ لیکن سخت بے رحم و خسیس

گفت اے شہ خرجہا داریم ما — شاعرے را نبود ایں بخشش سزا

من بربع عشر ایں اے مغتنم — مرد شاعر را خوش و راضی کنم

خلق گفتندش کہ او از بیست — دہ ہزارے زیں دلاور بردہ است

بعد شکر کلک خائی چوں کند — بعد سلطانی گدائی چوں کند

گفت بفشارم ورا اندر فشار — تا شود زار و نزار از انتظار

آنگہ از خاکش دہم از راہ من — وا رباید ہمچو گلبرگ از چمن

ایں بمن بگذار کاستادم دریں — گر تقاضا گر بود ہم آتشیں

از ثریا گر بپرد تا ثرے — نرم گردد چوں ببیند او مرا

گفت سلطانش ببر فرمان تراست　　لیک شادش کن کہ نیکوگوی ماست
گفت او را او دو صد چون او گدا　　تو بمن بگذار و فارغ شو شہا
جنس او را او چو او صد ہزار　　تو رہا کن با من و بر من گذار
پس فگندش صاحب اندر انتظار　　شد زمستان و دی و آمد بہار
شاعرش چند آنکہ حاجت می نمود　　صاحبش در وعدہ حیلہ می فزود
شاعر اندر انتظارش پیر شد　　پس زبون این غم و تدبیر شد
گفت اگر زر نہ کہ دشنامم دہی　　تا رہد جانم ترا باشم رہی
انتظارم کشت بارے گو برو　　تا رہد این جان مسکین از گرو
بعد از انش داد ربع عشر آن　　ماند شاعر اندر اندیشہ گران
کان چنان نقد و چنان بسیار بود　　این کہ دیر اشگفت دستہ خار بود
پس بگفتندش کہ آن دستور راد　　رفت از دنیا خدا مزدش دہاد
کہ مضاعف زو ہمی شد آن عطا　　کم ہمی افتاد در بخشش خطا
این زمان او رفت احسان را ببرد　　او بمرد الحق و لے احسان نمرد
رفت از ما صاحب راد و رشید　　صاحب سلاخ درویشان رسید
رو بگیر این را و زینجا شب گریز　　تا نگیرد با تو این صاحب ستیز
ما بصد حیلت از و این ہدیہ را　　بستدیم اے بیخبر از جہدہا
او بدیشان کرد و گفت ای مشفقان　　از کجا آمد بگوئید این عوان
چیست نام این وزیر جامہ کن　　قوم گفتندش کہ نامش ہم حسن،

گفت یارب نام آں و نام ایں	چوں یکے آمد دریغ اے رب دیں
آں حسن نامی کہ از یک کلک او	صد وزیر صاحب آمد جود جو
ایں حسن کز ریش زشت ایں حسن	می تواں بافید اے جاں صد رسن
بر چنیں صاحب چو شہ اصغا کند	شاہ و ملکش را ابد رسوا کند

خیر تو وہ شاعر بخیال بخشش اُس محسن بادشاہ کی طرف چلا اور اپنے مناسب پیشکش کیلئے ہدیہ لیچلا اور شاعروں کا ہدیہ اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ نیا قصیدہ کہیں اور محسن کے پاس لاکر اسکے گرو رکھدیں یعنی اسکے ذریعہ سے جر منفعت کریں اسلئے اس نے بھی ایسا ہی کیا اُدہر تو شاعروں کی یہ حالت ہے کہ وہ قصیدہ لکھکر جر منفعت کرتے ہیں۔ اُدہر محسنونکی یہ حالت ہے کہ سیکڑوں عطاؤں اور سخاوتوں اور احسانوں کی راہ سے انھوں نے دولت رکھ چھوڑی ہے۔ اور شاعروں کے منتظر ہیں۔ اور شعر کے اتنے قدر دان ہیں کہ انکے نزدیک ایک شعر پشمینہ کے سو گٹھوں سے زیادہ باوقعت ہے بالخصوص وہ شاعر جو پتال مضامین لاتا ہو۔ اس کے شعر کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ راز اس قدر دانی کا یہ ہے کہ آدمی کو سب سے پہلے روٹی کی خواہش ہوتی ہے۔ کیونکہ غذا روح کی بقا کا ذریعہ ہے اسلئے وہ کمائی اور غصب اور دیگر سو تدبیروں کے لئے حرص و امید کے سبب جان ہتیلی پر لئے ہوتا ہے۔ اور انکی تحصیل کے لئے انتہائی کوشش کرتا ہے۔ مگر جبکہ وہ اتفاقاً روٹی کی طرف سے بیفکر ہو جاتا ہے تو اسوقت وہ نام و نمود اور شاعروں پر عاشق ہوتا ہے تاکہ وہ لوگ اسکے آبا و اجداد اور اسکی اولاد کو اپنی تعریف سے نفع پہونچادیں۔ اور اسکے اظہار فضل کیلئے ممبر قایم کریں۔ تاکہ انکی شان و شوکت اور زر بخشی انکی گفتگو سے عنبر کی بو کی طرح منتشر ہو اور اس خواہش کا راز یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں اپنی صفت پر پیدا کیا ہے اور ہماری صفات اُسکی صفات کے ظلال وعکوس اور ان سے مستفید ہیں پس چونکہ حق سبحانہ اپنے بندوں سے طالب حمد و ثنا ہیں اسلئے آدمی بھی خواہاں مدح ہے۔ بالخصوص اہل اللہ جو کہ فضل میں کامل ہیں وہ تو تعریف سے یوں پھول جاتے ہیں جیسے صحیح سالم مشک ہوا سے اور یہ اثر طبعی و اقتضائے سلامت و

لطافت حس ہوتا ہے۔ نہ کہ از روئے افتخار و خود بینی اور برخلاف ان کے جو لوگ مدح کے اہل نہیں ہیں وہ اس جھوٹی تعریف سے معتدبہ اثر قبول نہیں کرتے کیونکہ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے پھٹی ہوئی مشک کہ وہ ہوا سے پھول نہیں سکتی۔ یہ صحیح و سالم مشک اور پھٹی ہوئی مشک کی تمثیل میں نے اپنی طرف سے نہیں دی ہے۔ اسلئے اگر تو اہل اور صاحب ہوش ہے تو اسکو معمولی نہ سمجھنا بلکہ یہ تمثیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت بیان فرمائی ہے جبکہ آپنے کسیکا یہ طعن سنا تھا کہ احمد اگر رسول ہیں تو اپنی تعریف سے کیوں خوش ہوتے هذا هو المراد و المحشون خبطوا فی تقریر المقام حیث قالوا المشار الیہ فی قولہ این مثل الخ قولہ ان اللہ خلق ادم علی صورتہ و قالوا یفهم منہ ان الحدیث ورد فی جواب طعن الطاعن لانہ لیس فی الحدیث ما یدل علی ما فهموا ولا فی کلام مولانا بل ظاهر کلامہ قدس سرہ یاباہ ایاء اظاهرا فان قلت التمثیل لم یثبت من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فکیف یقال انہ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قلنا هکذا الم یثبت ان حدیث ان اللہ خلق آدم علی صورتہ ورد فی جواب الطعن فاستویا فی عدم صحۃ النقل وما قلنا مرجح بظاهر کلام مولانا فتعین هو۔ لکونہ مرادا۔ فافهم۔ القصہ وہ شاعر بادشاہ کے پاس گیا۔ اور اُس کے پاس ایک قصیدہ اس احسان سابق کے شکریہ میں لے گیا جو کہ مرا نہ تھا۔ بلکہ اُسکے آثار موجود تھے۔ اور چونکہ کسی شے کے آثار کا باقی رہجانا حکماً اسی شے کا بقا ہے اسلئے گو محسن مرجاتے ہیں مگر انکا احسان نہیں مرتا۔ ارے بڑی حیف ہے اسکے لئے جو یہ گھوڑا دوڑاوے یعنی احسان کرے علی ہذا ظالم مرجاتے ہیں اور اُن کے ظلم باقی رہجاتے ہیں اور خرابی ہے اُس شخص کیلئے جو مکر اور دغا کرتا ہے۔ دیکھو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حیف ہے اُسکے لئے جو خود دنیا سے چلا جاوے۔ اور کوئی اچھا کام اپنی یادگار چھوڑ جاوے۔ غرض محسن مرجاتا ہے۔ مگر اسکا احسان نہیں مرتا کیونکہ خدا کے نزدیک دین اور احسان کوئی معمولی شئے نہیں ہیں کہ وہ انہیں ضائع ہونے دیوے۔ لہٰذا وہ انکو باقی رکھتا ہے اور فعل نیک کے نہ مرنے کی دلیل یہ ہے کہ نیکنامی اثر ہے فعل نیک کا۔ اور نیکنامی موجود ہے۔ تو یقیناً ثابت ہوا کہ فعل نیک مرا نہیں۔ تم اسکا

مشاہدہ کر سکتے ہو اور خرابی ہے اسکے لئے جو مر جائے اور اسکے گناہ نہ مریں ایسے شخص کو تم ہرگز نہ سمجھنا کہ وہ مرکر بچگیا۔ توبہ توبہ بھلا کہیں بچ سکتا ہے۔ وہ تو اور پھنس گیا کیونکہ اسوقت وہ اسکا خمیازہ بھگتے گا۔ اچھا اب اس ذکر کو چھوڑو اسلئے کہ شاعر راہ میں اور قرضدار ہے۔ اور روپیہ کی اسکو شدید ضرورت ہے لہذا اسکو بادشاہ تک پہونچانا چاہئے خیر تو وہ شاعر بامید عطا واکرام و احسان گذشتہ ایک نازک قصیدہ جو دُرنا سفتہ سے لبریز تھا بادشاہ کی حضور میں لیگیا۔ اور بادشاہ نے بھی حسب عادت اسکو ہزار اشرفیاں دیدینے کا حکم دیدیا۔ کیونکہ اسکی عادت یہی تھی کہ وہ ہزار ہی دیتا تھا مگر اس مرتبہ وہ سخاوت سے لبالب وزیر براق عزت پر سوار ہوکر دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ اور اسکی جگہ ایک نیا وزیر حاکم ہوگیا تھا مگر یہ وزیر سخت بخیل اور بے رحم تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ حضور ہم کو بہت کام ایسے کرنے ہیں جنمیں خرچ کی ضرورت ہوگی۔ اسلئے ایک شاعر کو اتنا دیدینا مناسب نہیں میں اس رقم کے چالیسویں حصہ پر رضامند اور خوشنود کردونگا۔ اسپر لوگوں نے کہا کہ یہ شخص اس سے پیشتر بادشاہ سے دس ہزار اشرفیاں لیجا چکا ہے۔ اب یہ شکر کے بعد باتس کیسے چبائیگا۔ اور بادشاہی کے بعد گدائی کیونکر کریگا یعنی اتنے بڑے عطیہ کے بعد اس قلیل رقم پر کیونکر رضامند ہوگا۔ اُس نے کہا کہ میں اُسے خوب دباؤنگا تاکہ وہ انتظار سے مجبور ہو جاوے۔ اسوقت اگر میں اسے رستہ کی مٹی بھی اٹھاکر دیدونگا تو وہ اسکو ایسا سمجھیگا جیسا کہ باغ میں سے پھول کی پتی ملگئی۔ حضور آپ اسکو میرے حوالہ کردیں وہ تقاضا کرنے میں آتش کا پرکالہ ہی کیوں نہو میں خود اس سے سمجھ لونگا۔ اگر وہ ثریا سے ثریٰ تک اور آسمان سے زمین تک بھی اڑیگا تب بھی جبکہ وہ مجھے دیکھیگا تو فوراً نرم ہو جاویگا بادشاہ نے کہا کہ اچھا جاؤ تم جانو مگر اُسے خوش کردینا۔ کیونکہ وہ ہمارا استایش گر ہے اس نے کہا کہ آپ اسکو اور اُس جیسے سیکڑوں بھاک منگوں کو مجھپر چھوڑ دیجئے۔ اور آپ مطمئن رہئے۔ بلکہ اسیونکو اور ایسے تین لاکھ کو آپ میرے حوالہ کردیجئے اور مجھپر چھوڑ دیجئے میں آپ دیکھ لونگا۔ آپ بالکل خاطر جمع رکھئے وہ یہ کہکر آیا اور آکر اسے انتظار میں ڈالدیا۔ گرمیاں بھی گذر گئیں خزاں کا زمانہ بھی ختم ہوگیا اور بہار کا زمانہ آگیا مگر ہنوز روز اول۔ شاعر اس کو

جسقدر اپنی ضرورت دکھلاتا تھا وزیر وعدوں میں اتنی ہی چالاکی کرتا تھا غرض وہ بیچارہ
انتظار میں پڑا ہوا ہو گیا۔ اور فکر و تدبیر سے بہت زچ ہو گیا۔ بالآخر اُس نے کہا کہ اگر روپیہ
نہیں دیتے تو گالی ہی دیجئے کچھ تو دیجئے۔ تاکہ میری جان اس بلا سے چھوٹ جاوے
اگر آپ ایسا کریں تو میں آپکا عمر بھر غلام رہونگا۔ اس انتظار نے تو مجھے مار ڈالا۔ آپ
اتنا ہی کہہ دیجئے کہ جا ہم کچھ نہ دیں گے تاکہ مجھ بیچارہ کی جان تو اس قید سے چھوٹ جاوے
میں اور ہی کوئی ٹھکانہ ڈھونڈھوں اسکے بعد اس نے اس رقم کا چالیسواں حصہ اُسکے
حوالہ کیا۔ یہ دیکھکر شاعر کو بہت سوچ ہوئی کہ پہلی قسم تو فوراً ہی ملگئی تھی اور اسقدر
زیادہ تھی اور یہ پھول دیر میں کھلا مگر مٹھی بھر کانٹے نکلے اسمیں بھید کیا ہے۔ لوگوں نے
کہا کہ پہلا وزیر خدا اسکو جزا دے دنیا سے سدھار گیا ہے۔ جسکے سبب سے وہ بخشش دہ چند
ہو گئی تھی۔ اور جسکے سبب بخشش میں غلطی واقع نہوتی تھی نہ بلحاظ مقدار کے اور نہ باعتبار
زمان کے اب وہ وزیر رخصت ہو گیا اور احسان کو بھی اپنے ساتھ ہی لیتا گیا۔ اسلئے
یہ صورت پیش آئی۔ دیکھو وہ وزیر تو ضرور مر گیا ہے مگر اُسکا احسان نہیں مرا۔ اور اسی طرح
اُسکی نیکنامی باقی ہے جو ثبوت ہے اُسکے احسان کے زندہ ہونیکا۔ ہاں تو انھوں نے کہا کہ ہمارا حکیم
اور صحیح الافعال وزیر تو رخصت ہو گیا اور اُسکی جگہ یہ فقیروں کی کھال نوچنے والا آ پہونچا
اچھا جو یہ دے تم اس سے لیلو اور رات ہی کو روانہ ہو جاؤ۔ ایسا نہو کہ یہ تمھارا دشمن ہو جاوے
کہ اس نے ہمارے عطیہ کی قدر نہیں کی۔ ہم نے سو تدبیروں سے اُس سے یہ رقم نکالی ہے
آپکو تو خبر نہیں کہ ہم نے کیا کیا کارروائیاں کی ہیں۔ یہ سُنکر وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا
اور کہا کہ یہ ظالم کہاں سے آ مرا اور اس کٹر کھسوٹ وزیر کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اسکا
نام بھی حسن ہے۔ اُس نے کہا کہ اے اللہ اسکا نام ایک کیسے ہو گیا۔ یہ تو بڑے افسوس کی
بات ہے وہ تو وہ حسن تھا کہ اُسکے قلم کی ایک حرکت سے سیکڑوں وزیر خواہاں سخاوت
تھے اور یہ وہ حسن ہے کہ اسکی بری ڈاڑھی سے سیکڑوں رسیاں بنائی جا سکتی ہیں کیونکہ
یہ اسی قابل ہے۔ اگر بادشاہ سلامت ایسے وزیر کی بات سنیں گے تو بادشاہ کو بھی اور اسکے
ملک کو بھی ہمیشہ کیلئے بدنام کر دیگا۔ چنانچہ فرعون نے ہامان کی بات سنی تو دیکھو اسکا

کیا انجام ہوا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

بادشاہ کی مروت کے فاسد کرنے میں اس وزیر کی بدرائی کا ہامان وزیر فرعون کے مشابہ ہونا

چنداں فرعون می شد نرم و رام / چوں شنیدی او ز موسیٰ آں کلام

چوں بہ ہاماں کہ وزیرش بود او / مشورت کردے کہ کینش بود خو

چو بہ ہاماں مشورت کردے ز آں / مانعش گشتے مدام آں سخت جاں

پس بگفتے تاکنوں بودی خدیو / بندہ گردی ژندہ پوشی را بریو

ہمچو سنگ منجنیقے آمدے / آں سخن بر شیشہ خانہ او زدے

ہرچہ صد روز آں کلیم خوش خطاب / ساختے در یکدم او کردے خراب

عقل تو مغلوب دستور ہواست / در وجودت رہزن راہ خداست

ناصحے ربانئے پندت دہد / آں سخن را او بفن طرحے نہد

کایں نہ بر جا نیست ہیں از جا مشو / نیست چنداں با خود آ شیدا مشو

وائے آں شہ کہ وزیرش ایں بود / جائے ہر دو دوزخ پر کیں بود

شاد آں شاہے کہ او را دستگیر / باشد اندر کار چوں آصف وزیر

شاہ عادل چوں قرین او شود / نام او نور علیٰ نور ایں بود

چوں سلیماں شاہ و چوں آصف وزیر / نور بر نور ست و عنبر بر عبیر

شاہ فرعون و چو ہامانش وزیر / ہر دو را نبود ز بدبختی گزیر

پس بود ظلمات بعض فوق بعض ‌‌ نے خرد یار و نہ دولت روز عرض

من ندیدم جز شقاوت در لئام ‌‌ گر تو دیدستی رساں از من سلام

ہمچو جاں باشد شہ و صاحب چو عقل ‌‌ عقل فاسد روح را آرد بہ نقل

آں فرشتہ عقل چوں ہاروت شد ‌‌ سحر آموز دو صد طاغوت شد

عقل جزوی را وزیر خود مگیر ‌‌ عقل کل را ساز اے سلطاں وزیر

مر ہوا را تو وزیر خود مساز ‌‌ کہ برآید جان پاکت از نماز

کیں ہوا پر حرص و حالے بیں بود ‌‌ عقل را اندیشہ یوم الدین بود

عقل را دو دیدہ در پایاں کار ‌‌ بہر آں گل می کشد آں رنج خار

کہ نہ فرساید نہ ریزد در خزاں ‌‌ باد ہر خرطوم اخشم دور ازاں

در چہ عقلت ہست با عقل دگر ‌‌ یار باش و مشورت کن اے پدر

با دو عقل از بس بلاہا وارہی ‌‌ پائے خود بر اوج گردونہا نہی

فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سنتا تھا تو کسیقدر نرم اور منقاد ہوتا تھا مگر جب ہامان کمینہ خصلت سے مشورہ کرتا تو ہمیشہ اسکو روکتا اور کہتا کہ ابتک آپ خدا تھے اور اب اس گدڑے والے کے مکر کے سبب اسکے غلام ہو جاؤگے۔ کیا یہ آپکو گوارا ہے یہ بات سنگ منجنیق کی طرح آتی اور اس کے قصد و ارادہ کے شیش محل سے ٹکرا کر اسے چکنا چور کر دیتی اور جو عمارت موسیٰ علیہ السلام سو دن میں بناتے وہ ایکدم میں گرا دیتا اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرعون کی طرح تمہاری عقل بھی خواہش نفسانی سے مغلوب ہے اور تمہارے وجود میں بھی ایک راہ خدا کا رہزن موجود ہے چنانچہ جب کوئی ناصح ربانی تمہیں نصیحت کرتا ہے تو وہ اسبات کو چالاکی سے اڑا دیتا ہے اور کہتا ہے

کہ یہ بات مناسب نہیں تم کو اپنی جگہ سے ہلنا نہ چاہیئے اور یہ بات کوئی قابل فوقیت نہیں ہے۔ تمکو ہوش میں آنا چاہیئے۔ اور اسیر فریفتہ ہونا چاہیئے۔ افسوس ہے اُس بادشاہ پر جسکا وزیر ایسا ہو۔ ایسے دونو نکا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور مزہ میں اُس بادشاہ کے اُس کا معین المہام آصف سا وزیر ہو۔ جبکہ عادل بادشاہ کو ایسا وزیر ملجاوے۔ تو وہ نور علی نور کے خطاب کا مستحق ہے۔ اور جبکہ سلیمان سا بادشاہ ؑ اور آصف سا وزیر ہو تو یوں کہئے کہ نورٌ علیٰ نور اور عبیر بر عنبر ہے۔ اور اگر فرعون سا بادشاہ اور ہامان سا وزیر ہو تو لامحالہ دونوں بد بخت ہونگے۔ اور ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق بنیں گے۔ نہ عقل اُنکی معین ہوگی اور نہ قیامت میں دولت اُن کے کام آویگی بات یہ ہے کہ پاجیوں کے اندر تو بدبختی ہی ہوتی ہے میں نے تو اُن کے اندر بجز شقاوت کے اور کچھ دیکھا نہیں۔ اگر تم نے دیکھا ہو تو ہمارا ابھی سلام کہدینا۔ دیکھو بادشاہ جان کے مانند ہوتا ہے اور وزیر عقل کی مثل۔ اور عقل فاسد کا قاعدہ ہے کہ وہ جان کو اُسکے اصلی مرکز سے ہٹا دیتی ہے۔ اور یہ عقل جو اصالۃً ملکوتی صفت ہے جب مثل ہاروت بنکر بگڑ جاتی ہے تو جان تو کیا سیکڑوں شیطانوں کی اُستاد بنجاتی ہے۔ اور اُن کو گمراہی کے افسوں سکھاتی ہے۔ پس تم عقل معاش کو اپنا وزیر نہ بنانا بلکہ عقل کل اور عقل معاد کو اپنا مشیر و صلاح کار بنانا اور تم خواہش نفسانی کو اپنا وزیر نہ بنانا کیونکہ اگر تم اسے وزیر بنا دوگے تو تمہاری جان پاک طاعت خداوندی سے نکل جاوے گی کیونکہ ہوائے نفسانی حریص ہے یہ وقتی مصلحت کو دیکھتی ہے اور وہی مشورہ دیتی ہے جسمیں مصلحت وقت ہو برخلاف عقل معاد کے کہ اُسکو روز جزا کا خیال رہتا ہے اور عقل معاد انجام کو دیکھنے والی آنکھیں رکھتی ہے اور اُس گل کیلئے تکلیف خار برداشت کرتی ہے۔ جو نہ فرسودہ ہوگا اور نہ خزاں سے کریگا بلکہ ابداً قایم رہیگا خدا کرے کہ اُسکی وہ بو کسی نااہل کو نصیب نہو۔ اور فاقد حس شم کی ناک کا سانس جو اُسکی بو کو لیکر قوت شامہ تک پہونچاوے اُسکی بو سے دور رہے۔ اب تک ہم نے عقل معاد کو مشیر بنانیکا مشورہ دیا ہے۔ مگر اسوقت ایک اور مفید مشورہ بھی دیتے ہیں وہ یہ کہ اگرچہ تمکو عقل معاد ہو اور تم نے اس عقل معاد کو اپنا مشیر بنالیا ہے مگر عقل شیخ کے ساتھ بھی تعلق رکھو اور اس سے بھی مشورہ کرو اس دو عقلوں کے ذریعہ سے

تم بہت سی بلاؤں سے بچ جاؤ گے اور اتنے رفیع المنزلۃ ہو گے کہ ساتویں آسمان سے اونچے ہو گے
ہاں تو ہم نے اوپر کہا تھا کہ کبھی دیو بھی سلیمانی کرتا ہے مگر اسکی سلیمانی اور سلیمان کی سلیمانی
میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اب ہم اسی مضمون کو بیان کرنا چاہتے ہیں سنو۔

شرح شبیری

ایک شاعر کو بادشاہ کے صلہ دینے اور وزیر حسن نامی کے اس صلہ کو زیادہ کرنے کا قصہ

شاعری آورد شعری پیش شاہ　　بر امید خلعت و اکرام و جاہ

یعنی ایک شاعر بادشاہ کے سامنے خلعت و اکرام اور جاہ کی امید پر ایک قصیدہ لایا

شاہ مکرم بود فرمودش ہزار　　از زر سرخ و کرامات و نثار

یعنی بادشاہ سخی تھا تو اس نے اس کیلئے ایک ہزار اشرفیاں اور انعامات کا حکم دیا

پس وزیرش گفت کایں اندک بود　　دہ ہزارش ہدیہ دہ تا وا رود

یعنی اسپر وزیر شاہ نے کہا کہ یہ تو کم ہے اسکو دس ہزار ہدیہ دیجئے تاکہ چلا جاوے۔
یعنی خوش ہو کر جاوے۔

از چو او شاعر پس از تو بحر دست　　دہ ہزار ے کہ بگفتم اندک است

یعنی اس جیسے شاعر کیلئے اور تجھ جیسے بادشاہ سخی سے دس ہزار جو میں نے کہے یہ بھی تھوڑے ہیں

قصہ گفت آں شاہ را و فلسفہ　　تا بر آمد عشر خرمن از کفہ

یعنی اس نے بادشاہ سے قصہ بیان کیا اور مصلحت بتائی یہاں تک کہ بچے ہوئے اناج
میں سے بھی خرمن کا عشر نکال لیا۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص بچے ہوئے اناج میں سے بھی
جو کہ بالکل بیکار رہگیا ہے عشر نکال دے تو اسکو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس نے پورا پورا حق ادا
کر دیا۔ اسلئے کہ ایسی شئے میں سے بھی عشر نکالدیا تو اسی طرح اس وزیر نے اسکو جو انعام دیا وہ

اسقدر دیا کہ اُسکا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

دہ ہزارش دادہ خلعت درخورش　　خانۂ شکر و ثنا گشت آں سرش

یعنی دس ہزار (اشرفیاں) دیں اور اُسکے مناسب خلعت دیا تو اس شاعر کا سر شکر و ثنا کا گھر ہوگیا۔ مطلب یہ کہ اس انعام کو لیکر وہ شاعر بہت ہی مشکور ہوا۔

پس تفحص کرد کایں سعی کہ بود　　شاہ را اہلیتِ من کہ نمود

یعنی پھر اُس نے جستجو کی کہ یہ کوشش کسکی تھی اور بادشاہ کو میری اہلیت کس نے ظاہر کر دی۔

پس بگفتندش فلان الدین وزیر　　آں حسن نام و حسن خلق و ضمیر

یعنی لوگوں نے اُس سے کہا کہ فلان الدین جو وزیر ہے وہ حسن نامی ہے اور اچھے اخلاق والا اور اچھے دل والا ہے۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے بتلایا کہ فلاں وزیر ہے اس نے یہ کوشش کی،

در ثنائے او یکے شعر دراز　　بر نوشت و سوئے خانہ رفت باز

یعنی اس شاعر نے اُس وزیر کی تعریف میں ایک لمبا چوڑا قصیدہ لکھا اور گھر کو واپس چلا گیا

بے زبان و لب ہماں نعمائے شاہ　　مدح شہ میکرد و خلعتہائے شاہ

یعنی وہ بادشاہ کے انعامات اور خلعتیں بے زبان و لب کے بادشاہ کی مدح کر رہی تھیں مطلب یہ کہ بادشاہ نے جو انعامات کئے تھے اور خلعتیں دی تھیں وہ بزبان حال بادشاہ کی مدح و ثنا کر رہی تھیں۔

بعد سالے چند بہر رزق گشت　　شاعر از فقر و عوز محتاج گشت

یعنی بعد چند سال کے رزق اور سفر کے واسطے فقر و تنگدستی کی وجہ سے شاعر محتاج ہوا۔ مطلب یہ کہ بعد چند سال کے جب وہ سب روپیہ پیسہ اُسکے پاس ختم ہوگیا تو اُسکو رزق کی ضرورت ہوئی۔ اور اس رزق کی طلب کیلئے اُسکو سفر کی بھی ضرورت ہوئی غرضکہ دوبارہ سفر کرکے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا جسکا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔

شاعر کا بعد چند سال کے اُسی انعام کی امید پر پھر آنا اور بادشاہ کا اپنے قاعدہ کے مطابق ہزار دینار کا حکم دینا اور ایک نئے

وزیر حسن نامی کا کہنا کہ یہ بہت زیادہ ہے اور ہمیں بہت سے خرچ درپیش ہیں اور خزانہ خالی ہے لہذا میں اسکو دسویں حصہ پر راضی کر دوں گا

گفت وقت فقر و تنگی دو دست　　جستجوئے آزمودہ بہتر است

یعنی اس شاعر نے (دل میں) کہا کہ فقر اور دونوں ہاتھ کی تنگی کے وقت میں آزمائے ہوئے کی تلاش کرنا بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ جب اسکے پاس کچھ نہ رہا۔ تو اس نے سوچا کہ میاں جسکو ایک مرتبہ آزما چکے ہیں وہیں چلنا چاہیئے وہیں سے کچھ اور ملیگا۔ اور سوچا کہ۔

درگہے را کازمودم از کرم　　حاجت نو را ہماں جانب برم

یعنی جس درگاہ کو کہ میں نے کرم میں آزما لیا ہے نئی حاجت کو بھی اسی جانب کو لیجاؤں یعنی جس دروازہ پر ایک دفعہ انعام مل چکا ہے اور جس در کو ایک مرتبہ آزما چکا ہوں اب پھر وہیں چلنا بہتر ہے۔ چونکہ یہاں اس شاعر نے یہ سوچا تھا کہ جہاں سے ایک مرتبہ مل چکا ہے اب بھی وہیں چلو اور اسی طرف متوجہ ہو تو اس سے مولانا کا ذہن دوسری طرف منتقل ہو گیا۔ کہ بس اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ سے انعامات و عطائیں بار بار مل چکی ہیں لہذا اب بھی اسی طرف توجہ کرتے ہیں اور اُن ہی سے طلب کرتے ہیں کہ تمام عمر کا آزمایا ہوا دروازہ ہے اسی کو فرماتے ہیں

معنی اللہ گفت آں سیبویہ　　یولہون فی الحوائج ہم لدیہ

یعنی اس سیبویہ نے لفظ اللہ کے یہ معنی کہے کہ حاجتوں میں اسکی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں۔

گفت الہنا فی حوائجنا الیک　　والتمسناہا وجدناہا الیک

یعنی کہ کہا کہ ہم اپنی حاجتوں میں آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہم نے ان حاجتوں کو تلاش کیا تو آپ کے پاس پایا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو لفظ اللہ کی اصل سیبویہ نے اَلَہٌ اِلٰہٌ دو لکھی ہے اور یہ تعلیل بیان کی ہے کہ ہاء اوّل اور ہمزہ دوم کو حذف کر دیا اور لام کو لام میں ادغام کر دیا۔ اور یا کو الف سے بدل لیا لفظ اللہ ہو گیا) اور اَلَہٗ اصل میں وَلَہٗ تھا جسکے معنی ہیں

سرگشتہ اور فریفتہ ہوا تو لفظ اللہ کے معنی ہوئے کہ اُسکی طرف سرگشتہ اور فریفتہ ہوا تو دیکھئے
حق تعالی کی طرف توجہ اسلئے کہ اُن سے پہلے ہی تمام عمر انعامات دیکھے ہیں ہر شخص متوجہ
ہوتا ہے اور یوں کہا کرتے ہیں کہ الھنا الیك فی حوائجنا یعنی ہم اپنی حاجتوں میں آپکی
طرف راغب و متوجہ ہوئے۔

صد ہزاران عاقل اندر وقت درد ۔۔۔ جملہ نالان پیش آں دیان فرد

یعنی لاکھوں عاقل لوگ درد کے وقت میں سب اُس حاکم یکتا کے آگے روتے ہیں

ہیچ دیوانہ فلیوے ایں کند ۔۔۔ بر بخیلے عاجزے کدیہ تند

یعنی کوئی دیوانہ ایسی بیہودگی کرتا ہے کہ کسی بخیل عاجز پر سوال کو تنے۔

گر ندیدندے ہزاران بار بیش ۔۔۔ عاقلان جائے کشیدندش پیش

یعنی اگر لاکھوں بار مزید عطار کو نہ دیکھ چکے ہوتے تو عاقل لوگ اُسکے سامنے کب جان
کھینچتے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مصیبت کے وقت بڑے بڑے عقلاء و فلاسفر اسی کو پکالتے
ہیں اور اسی سے التجا کرتے ہیں۔ تو اگر اُسکی طرف سے عطار ہوتی اور تمام عمر اُسکی طرف سے
انعامات نہ ہوا کرتے بلکہ نعوذ باللہ وہ بخیل یا عاجز ہوتا تو پھر تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف
بھی کبھی اُس سے التجا نہ کرتا اور کبھی اُسکی طرف کوئی بھی متوجہ ہوتا۔ یہ سارے عقلاء جو اُسکی
طرف متوجہ ہیں اُسکی یہی وجہ ہے کہ پہلے لاکھوں انعامات آنیز ہو چکے ہیں لہذا جب کوئی مصیبت
کا وقت ہوتا ہے سب اُسی ایک واحد یکتا ہی کو پکارتے ہیں آگے ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ جملہ ماہیاں در موجہا ۔۔۔ جملہ پرندگان بر اوجہا

یعنی بلکہ تمام مچھلیاں موجوں میں اور تمام اڑنے والے جانور بلندیوں میں۔

بلکہ جملہ موجہا بازی کناں ۔۔۔ ذوق و شوقش العیان اندر عیاں

یعنی بلکہ تمام موجیں کھیل کرتی ہوئی اُس کے ذوق و شوق کو بالکل پوری طرح ظاہر کر رہی ہیں

پیل و گرگ و حیدر و اشکار نیز ۔۔۔ اژدہائے زفت و مور و مار نیز

یعنی ہاتھی اور بھیڑیئے اور شیر اور شکار بھی اور بڑے بھاری اژدہا اور سانپ اور چیونٹیاں بھی

بلکہ خاک و باد و آب و ہم شرار ۔۔۔ مایہ زو یابند ہم دے ہم بہار

یعنی بلکہ خاک اور ہوا اور پانی اور آگ بھی اُسی سے پونجی پاتے ہیں خزاں بھی اور بہار بھی۔

ہر دمش لابہ کند این آسماں — کہ فرو مگذارم ای حق یک زماں

یعنی کہ یہ آسمان ہر دم اُسکی خوشامد کرتا ہے کہ اے حق تعالیٰ ایک گھڑی کو مجھے چھوڑ نے نہیں (اور عرض کرتا ہے کہ)۔

استن من عصمت و حفظ تو است — جملہ مطوی یمین آں دو دست

یعنی میرا استون آپ کی حفاظت اور بچاؤ ہی ہے تمام چیزیں اُن دونوں ہاتھوں کی قوت میں لپٹی ہوئی ہیں یعنی تمام موجودات تحت قدرت میں ہیں جیسا کہ ظاہر ہو یا ہر ہو اور فرماتے ہیں کہ

وین زمین گوید کہ دارم برقرار — ایکہ بر آبم تو کردستی سوار

یعنی اور یہ زمین کہتی ہے کہ اے وہ ذات جس نے کہ مجھے پانی پر سوار کیا ہو مجھے برقرار رکھنا

جملگان کیسہ ازو بر دوختند — دادن حاجت ازو آموختند

یعنی سب نے اُسی سے تھیلی سی ہے اور حاجت کا دینا اُسی سے سیکھا ہے یعنی دنیا میں جو ایک شے دوسری کی حاجت روائی کرتی ہے یہ سب اُسی سے سیکھا ہے کہ اُس نے ان سبکو عطا کی ہے۔ اور پھر یہ سب اوروں کو اُسی کے حکم سے نفع پہونچا رہے ہیں۔

ہر نبئے زو بر آوردہ برات — استعینوا منہ صبرا و الصلوٰۃ

یعنی ہر نبی اُسکے پاس سے حکم لایا ہے کہ اُس سے صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو مطلب یہ کہ سب انبیا یہی حکم لائے ہیں کہ حق تعالیٰ سے بذریعہ صبر و صلوٰۃ کے مدد چاہو اور اُسی سے امداد و حاجت روائی کو طلب کرو۔

ہین ازو خواہید نے از غیر او — آب در یم جو مجو در خشک جو

یعنی ہاں اُسی سے مانگو اُسکے غیر سے مت مانگو اور پانی کو دریا میں تلاش کرو خشک ندی میں مت تلاش کرو۔ یعنی اپنی حوائج کو اُسی کے آگے پیش کرو دوسروں کے آگے پیش کرنا فضول ہے اسلئے کہ دوسروں کے پاس رکھا ہی کیا ہے۔ اور اُن کو قدرت ہی کس شے کی ہے۔ جو وہ دیدینگے لہذا اُسی سے طلب کرو جو دے بھی سکے۔ اُسکے سوا اور تو سب ایسے ہیں جیسے خشک ندی ہوتی ہو کہ اگر اُسمیں سے کوئی پانی لینے لگے تو کیا پانی ملجاویگا۔ اسی طرح اگر اُس کے سوا کسی اور سے حوائج

طلب کرو گے تو کیا وہ حاجت پوری کر دیں گے ہرگز نہیں پھر طلب کرنا فضول اور حماقت ہے۔ آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

ورنخواہی از دگر ہم او دہد　　　　بر کف میلش سخا ہم او نہد

یعنی اگر کسی دوسرے سے طلب کرو گے تب بھی وہی دیں گے اسکے میلان کے ہاتھ پر سخاوت کو وہی رکھیں گے مطلب یہ کہ اگر تم نے کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلایا بھی تب بھی تو وہی عطا کرینگے ظاہر میں یہ دینے والا ہے ورنہ اصل میں تو یہ ایک واسطہ اور ذریعہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے اس ذریعہ سے تمکو دلوا دیا سو رنہ اصل میں عطا کرنے والے وہی ہیں تو پھر اصل ہی کی طرف رجوع کرو واسطوں کی طرف کیوں رجوع کرتے ہو۔

آنکہ معرض را ز زر قاروں کند　　　　رو بدو آری بطاعت چوں کند

یعنی وہ ذات کہ اعراض کرنے والوں کو روپیہ سے قارون کر دیتے ہیں تو اسی کی طرف طاعت کیساتھ متوجہ ہو تو کیا کچھ کریں گے مطلب یہ کہ انکی تو وہ شان ہے کہ قارون جیسے نافرمان اور سرکش کو بھی کسقدر مال و دولت عطا فرمائی تھی کہ جسکی انتہا نہیں ہے تو اگر تم اسکی اطاعت کرو گے اور اطاعت کیساتھ اس طرف متوجہ ہوگے تو پھر تمکو وہ کیا کچھ نہ دیگا۔ لیکن یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ جو مطیعین ہیں وہ تو اکثر مفلس و قلاش ہی ہوتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہاں صحیح ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ اعتراض اسلئے واقع ہوا کہ تم نے یہ خیال کر لیا کہ جو ہم نے طلب کیا اور جسوقت طلب کیا اسی وقت ملے۔ تب تو ملا ورنہ نہیں یہ غلط ہے کیونکہ در او مصلحت تو از تو بہتر داند، حق تعالیٰ ہی ان مصلحتوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں وہ وہی کرتے ہیں جو ہمارے لئے مناسب ہوتا ہے۔ لہذا یہ سمجھنا سخت غلطی ہے اگر دولت ظاہری نہ ملی تو کیا دولت باطنی کچھ کم ہے صرف دعا ہی کا جو ثواب ہے وہی کیا کم ہے خوب سمجھ لو۔ آگے اس شاعر کے قصہ کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

بار دیگر شاعر از سودائے داد　　　　رو بسوئے آں شہ محسن نہاد

یعنی دوسری مرتبہ اس شاعر نے انعام کے خیال سے اس بادشاہ محسن کیطرف توجہ کی یعنی دوبارہ وہاں چلا۔

ہدیۂ شاعر چہ باشد شعرِ نو　　پیش محسن آرد و بنہد گرو

یعنی شاعر کا ہدیہ ہی کیا ہوتا ہے نئے شعر جنکو کہ (اپنے) محسن کے آگے لاتا ہے اور گروی رکھ دیتا ہے یعنی محسن کے پاس اسکے انعام کے بدلہ میں گروی کر دیتا ہے۔ کہ وہ اُن اشعارِ نو کے بدلہ میں اسکو انعام دیتا ہے غرضکہ وہ اور نئے اشعار ہدیہ میں بھیج لیگیا۔

محسناں با صد عطاؤ جود و بر　　زر نہادہ شاعراں را منتظر

یعنی سخی لوگ سیکڑوں عطاؤں اور سخاوت اور احسان سے سونے کو شاعروں کا منتظر رکھتے ہیں مطلب یہ کہ شاعر لوگ تو ہدیہ میں شعر پیش کرتے ہیں اور جو سخی ہوتے ہیں وہ انکے لئے روپیہ رکھے رکھتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کب کوئی شاعر آوے اور ہم انکو انعام دیں۔

پیش شان شعری با ز صد تنگ شکر　　خاصہ شاعر کو گہر آرد ز قعر

یعنی اُن سخیوں کے آگے ایک شعر ابریشم کی سو گٹھریوں سے اچھا ہوتا ہے۔ خاصکر وہ شاعر جو کہ گہرے میں سے موتی لاوے مطلب یہ کہ اُن سخیوں کے نزدیک ایک عمدہ شعر سیکڑوں من ابریشم سے بھی عمدہ اور برتر ہوتا ہے۔ اور ایک شعر کے آگے وہ انعام میں بہت کچھ دے گذرتے ہیں۔ خاصکر جو شاعر دقیق مضامین بیان کرے اسکی تو اور بھی زیادہ قدر ہوتی ہے۔

آدمی اول حریص نان بود　　زانکہ قوت نان ستون جان بود

یعنی آدمی اول روٹی کا حریص ہوتا ہے۔ اسلئے کہ روٹی کی غذا جان کے لئے ستون ہوتی ہے،

سوئے کسب و سوئے غصب و صد حیل　　جان نہادہ بر کف از حرص و امل

یعنی کمانے کی طرف اور غصب کیطرف اور سیکڑوں حیلوں کی طرف جان کو ہتیلی پر امید و حرص کی وجہ سے رکھے ہوئے ہے مطلب یہ کہ انسان اول تو یہ چاہتا ہے کہ کہیں پیٹ بھر روٹی ملجاوے اسکے لئے سیکڑوں تدابیر کرتا ہے اور اپنی جان کو ہتیلی پر رکھکر خطرات کا مقابلہ کرکے اسکو حاصل کر لیتا ہے

چوں بنادر گشت مستغنی ز ناں　　عاشق نام ست و مدح شاعراں

یعنی جب اتفاقاً روٹی سے بیفکر ہو گیا تو نام کا اور شاعروں کی مدح کا عاشق ہوتا ہے +

تا کہ اصل و نسل او را بر دہند　　در بیان فضل او منبر نہند

یعنی تا کہ اسکی اصل اور نسل کو پھل دیں اور اس کے فضل کے بیان میں ممبر رکھیں +

تاکہ کروفرّ و زر بخشی او ہمچو عنبر بو دہد در گفتگو

یعنی تاکہ اسکی شوکت اور دبدبہ اور انعام بخشی عنبر کی طرح گفتگو میں بو دے مطلب یہ کہ اول انسان مال و دولت روٹی کپڑے کا متلاشی ہوتا ہے اور اسکو سخت سخت مصیبتیں بھر کر حاصل کرلیتا ہے۔ پھر جب یہ اسکو حاصل ہو جاتا ہے تو اسکو اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی میری تعریف کرے اور میرے باپ دادا اور اولاد کی مدح سرائی کرے تو میں اسکو انعام و اکرام دوں تو میری سخاوت اور امارت سبکو معلوم ہو جاوے۔ اور پھر لوگ میری خوب مدح سرائی کریں۔ غرضکہ جب کسی کے پاس مال و دولت یا کوئی کمال ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اسکی تعریف کریں اور اسکو دیکھیں اسلئے امرا بھی اپنی تعریف کے مشتاق ہوتے ہیں آگے اسکی وجہ اصلی بیان فرماتے ہیں کہ۔

خلق ما بر صورت خود کرد حق وصف ما از وصف او گیرد سبق

یعنی حق تعالیٰ نے ہمکو اپنی صورت (صفت) پر پیدا فرمایا ہے تو ہمارے اوصاف اس کے اوصاف سے سبق لیتے ہیں۔

چونکہ آں خلاق مدح و شکر جواست آدمی را مدح جوئی نیز خواست

یعنی جبکہ وہ خالق مدح اور شکر کا خواہاں ہے تو آدمی کو بھی مدح کے ڈھونڈھنے کی خصلت ہے مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ انسان جو مدح کا خواہاں ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے اور حق تعالیٰ بندہ کی حمد و شکر کرنے سے بیحد خوش ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث و قرآن سے جابجا ثابت ہے اس لئے انسان بھی اپنی تعریف سنکر بوجہ مظہر حق ہونے کے خوش ہوتا ہے۔

خاصہ مرد حق کہ در فضل است چست پر شود زاں باد چوں خیک درست

یعنی خاصکر وہ مرد حق جو کہ فضل میں چست ہے وہ اس ہوا سے درست مشک کی طرح بھر جاتا ہے مطلب یہ کہ یوں تو ہر انسان اپنی مدح سرائی سے خوش ہوتا ہے مگر جو شخص کہ مرد حق ہوتا ہے وہ اس سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تعریف صانع کی ہے میری تعریف ہے ہی نہیں۔ لہذا اسکو اس سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ چونکہ

اوروں کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے۔

ور نباشد اہل زان یاد دروغ خشک مد بریدست کے گیرد فروغ

یعنی اور اگر اہل نہو تو اُس جھوٹی ہوا سے پھٹی ہوئی مشک سے کب فروغ پا سکتی ہے مطلب یہ کہ اگر وہ شخص اہل اللہ میں سے نہیں ہے بلکہ عوام میں سے ہے تو اُسکی مثال پھٹی ہوئی مشک کی سی ہے کہ جسطرح اُسکو ہوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور اسمیں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اُسکو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا آگے ایک مضمون بیان کرکے اسکو ثابت فرماتے ہیں کہ۔

این مثال از خود نگفتم اے رفیق سرسری مشنو چو اہلی و مضیق

یعنی اے رفیق میں نے یہ مثال اپنی طرف سے نہیں دی تو تو اگر اہل ہے اور ہوشمند ہے تو اسکو سرسری طور پر مت سن۔

این پیمبر گفت چون بشنید قدح کہ چرا فربہ شود احمد بہ مدح

یعنی یہ بات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی جبکہ یہ اعتراض سُنا کہ احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مدح سے پھولتے کیوں ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو پھٹی ہوئی اور سالم مشک کی مثال دی ہے یہ مثال اپنی طرف سے نہیں دی۔ بلکہ جب کفار نے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو اپنی تعریف پر خوش کیوں ہوتے ہیں۔ اسپر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی مثال دی تھی۔ یہ حدیث ممکن ہے کہ مولانا کی نظر سے کہیں گذری ہو یا کسی حدیث کی روایت بالمعنی فرمائی ہو ورنہ یہ حدیث کہیں اپنی نظر سے نہیں گذری غرضکہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ بوجہ اسکے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مصنوع کی تعریف عین صانع کی تعریف ہے، مدح سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور جو اہل اللہ نہیں ہیں وہ بوجہ مظہر ہونے کے خوش تو ہوتے ہیں مگر اُن کو خوشی کم ہوتی ہے اسلئے کہ اُن کی نظر دوسری طرف تو نہیں ہوتی۔ آگے پھر اُسی شاعر کا قصہ ہے کہ۔

رفت شاعر سوئے آن شاہ و ببرد شعر اندر شکر احسان کان نمرد

یعنی شاعر اُس بادشاہ کے پاس گیا اور احسان (سابق) کے شکریہ میں ایک قصیدہ لکھکر لیگیا کیونکہ وہ (احسان) مرا نہ تھا۔ مطلب یہ کہ اُس پہلے انعام واکرام کے شکریہ میں ایک قصیدہ

لشکر دوبارہ پیش کرنیکے لئے لیگیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

محسناں مردند و احساں ہا بماند ۔۔۔ اے خنک آنرا کہ ایں مرکب براند

یعنی احسان کرنے والے تو مر گئے اور احسان رہگئے۔ اچھا ہے وہ جس نے کہ یہ (احسان کا) مرکب چلایا۔

ظالماں مردند و ماند آں ظلمہا ۔۔۔ وائے جانے کو کند مکر و دغا

یعنی ظالم لوگ تو مر گئے اور ظلم باقی رہگئے تو اس جان پر افسوس ہے جو کہ مکر و دغا کرے۔ مطلب یہ کہ محسن اور ظالم سب مر جاتے ہیں اور دونوں کا نام باقی رہتا ہے۔ مگر خوشا نصیب اس کے جس نے لوگوں پر احسان کئے اور اسکا نام احسان کے ساتھ باقی رہا اور نہایت بدنصیب ہے وہ جسکا نام ظلم سے باقی رہا۔ آگے اس مضمون کو حدیث سے ثابت فرماتے ہیں کہ۔

گفت پیغمبر خنک آنرا کہ او ۔۔۔ شد ز دنیا ماند ازو فعل نکو

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص اچھا ہے جو دنیا سے گذر گیا اور اس سے اچھے کام رہ گئے۔

مرد محسن لیک احسانش نمرد ۔۔۔ نزد یزداں دین و احساں نیست خرد

یعنی محسن تو مر گیا لیکن اسکا احسان نہیں مرا۔ خدائے تعالیٰ کے نزدیک دین و احسان چھوٹے نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ احسان کرنا خواہ قلیل ہو اور دین کی بات کرنا خواہ بظاہر چھوٹی ہی سی ہو خدا کے نزدیک بہت بڑی قدر کی چیزیں ہیں انکو حقیر جانکر ترک مت کرو۔ کہ یہ بظاہر چھوٹی ہیں مگر اجر کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں۔

نام نیک او ز فعل نیک داں ۔۔۔ پس نمرد ست او یقیں بگریاں

یعنی اس (محسن) کا نام اس کام (نیک) ہی کی بدولت جانو تو خوب جان لو کہ وہ (نیک کام یعنی احسان) مرا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو محسن کی نیکنامی اس احسان ہی کی بدولت ہے کہ آج محسن موجود نہیں ہے مگر اسکا نام ہے اور نام ہے اس احسان کی بدولت۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ احسان بھی باقی ہے۔ آگے ظالم کے ظلم کے باقی رہنے کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

وائے آنکو مرد و عصیانش نمرد ۔۔۔ تا نہ پنداری بمرگ او جاں ببرد

یعنی افسوس ہے اسپر جو کہ مرگیا اور اُس کے عصیان نہ مرے تم یہ ہرگز مت سمجھنا کہ وہ موت سے جان (بچا) لے گیا۔ مطلب یہ کہ جو ظالم تھا وہ مرگیا اُسکے ظلم کا نام باقی ہے۔ کہ فلاں نے یہ ظلم کیا فلاں ظلم کیا تو دیکھو اُسکے وہ ظلم بھی باقی ہیں اور اُنپر آثار مرتب ہو رہے ہیں اس مرجانے سے وہ چھوٹا نہیں بلکہ اور زیادہ مبتلا ہو گیا۔ غرضکہ محسن اور ظالم دونوں کا نام باقی رہتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ احسان و ظلم بھی باقی رہتا ہے تو چونکہ اُس شاعر پر جو احسان ہوا تھا وہ بھی باقی تھا اسلئے یہ اُسکے شکریہ میں ایک قصیدہ لکھکر لے گیا۔ آگے اسی کا قصہ ہے فرماتے ہیں کہ۔

این رہا کن زانکہ شاعر بر گذر　　دام دارست و قوی محتاج زر

یعنی اس (احسان و ظلم کے بیان) کو چھوڑو کہ وہ شاعر راستہ میں قرضدار اور روپیہ کا بہت محتاج ہے۔ مطلب یہ کہ اُس شاعر کا قصہ جلدی سے بیان کر دو اور اُسکو بادشاہ تک پہونچا دو۔ تاکہ اُسکو روپئے ملجاویں۔

برد شاعر شعر سوئے شہریار　　بر امید بخشش و احسان پار

یعنی شاعر بادشاہ کے پاس پارسال کے احسان و بخشش کی امید پر قصیدہ لے گیا۔

نازنین شعری پر از دُرِّ درست　　بر امید و بوئے اکرام نخست

یعنی ایک نازک قصیدہ جو کہ دُرِّ ناسفتہ سے پُر تھا پہلے اکرام کی امید اور توقع پر (لے گیا)

شاہ ہم بر خوئے خود گفتش ہزار　　چون چنین بد عادت آن شہریار

یعنی بادشاہ نے بھی اپنی عادت کے مُوافق اُسکو ہزار (روپیہ دینے کو) کہا چونکہ اُس بادشاہ کی عادت تھی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کی چونکہ عادت تھی کہ وہ شاعروں کو ایکہزار روپیہ انعام دیا کرتا تھا اسلئے اُس نے عادت کے موافق کہا کہ ایکہزار روپیہ اس شاعر کو دیدو۔

لیک این بار آن وزیر پر ز جود　　بر براق عز ز دنیا رفتہ بود

یعنی لیکن اس مرتبہ وہ سخی وزیر عزت کے براق پر دنیا سے جاچکا تھا مطلب یہ کہ اُس پہلے سخی وزیر کا انتقال ہو چکا تھا اور۔

بر مقام او وزیر نو رئیس　　گشتہ لیکن سخت بی رحم و خسیس

یعنی اُس وزیر کی جگہ پر ایک نیا وزیر حاکم ہوا تھا لیکن نہایت بے رحم اور خسیس تھا یعنی وہ وزیر سخی تو مرچکا تھا اور ایک دوسرا وزیر اسکی جگہ حاکم ہوگیا تھا۔ مگر یہ دوسرا وزیر بیحد بخیل تھا۔ لہذا اُس نے یہ سُنکر کہ اس شاعر کو ایکہزار روپیہ دیدو یہ کہا کہ۔

گفت ای شہ خرجہا داریم ما　　شاعری را نبود این بخشش سزا

یعنی بولا کہ اے بادشاہ ہمکو بہت سے خرچونکی ضرورت ہے تو ایک شاعر کیلئے یہ بخشش لایق نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ہمکو بہت سے اخراجات در پیش ہیں اور روپیہ کم ہے ایک شاعر کو جو کسی مصرف کا نہیں ہے اور ملکی کام کچھ بھی نہیں کرسکتا اسقدر انعام دینا ٹھیک نہیں ہے۔

من بربع عشر این ای مغتنم　　مرد شاعر را خوش و راضی کنم

یعنی حضور میں اس انعام کے چالیسویں حصہ پر شاعر کو خوش اور راضی کردونگا یعنی اُس وزیر نے کہا کہ اسکو میرے سپرد کر دیجئے میں بجائے ایکہزار کے اس کو کل پچیس[۲۵] روپیہ دیکر خوش کردونگا۔

خلق گفتندش کہ او از پیش ست　　دہ ہزاری زین دلاور بردہ است

یعنی لوگوں نے اس وزیر سے کہا کہ وہ شاعر پہلے ظل اللہ سے دس ہزار لے چکا ہے ٭

بعد شکر کلک خائی چون کند　　بعد سلطانی گدائی چون کند

یعنی شکر کھانے کے بعد کلک کس طرح کھاوے۔ اور بادشاہی کے بعد گدائی کسطرح کرے۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے اس وزیر سے کہا کہ میاں پہلے اس شاعر کو حضور سے ایک قصیدہ پر دس ہزار انعام مل چکا ہے اور اب کل پچیس روپیہ پر کس طرح خوش ہوجاویگا کیوں اسکا حق تلف کرتے ہو۔ اسکو سُنکر آگے وہ وزیر کہتا ہے کہ۔

گفت بفشارم ورا اندر فشار　　تا شود زار و نزار از انتظار

یعنی اُس وزیر نے کہا کہ میں اُسکو دباؤنگا یہانتک کہ وہ انتظار میں زار و نزار ہوجاویگا۔

آنگہ از خاک ار دہم از راہ من　　وار باید ہمچو گلبرگ از چمن

یعنی اسوقت اگر میں اُسکو خاک راہ (بھی) دیدونگا تو (وہ اُسکو اسطرح) لیجاویگا جسطرح کہ چمن سے گلبرگ کو۔ مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ میں اُسکو اسقدر ٹالکر دونگا کہ اُسکے بعد اُسکو

جو کچھ بھی ملجاویگا وہی غنیمت معلوم ہوگا اور کہتا ہے کہ۔

این بمن بگذار کاستادم دریں　　گر تقاضا گر بود ہم آتشیں

یعنی (اے بادشاہ) اس امر کو میرے سپرد کر دیجئے کہ میں اسمیں استاد ہوں اگرچہ تقاضا گر آتش کا پرکالا ہو۔ مطلب یہ کہ تقاضا کرنے والا خواہ کتنا ہی سخت ہو مگر میں اسکو اسقدر شاہی سے ٹلاؤنگا کہ وہ بہت تھوڑے پر قانع ہوجاویگا۔ اور کہتا ہے کہ۔

از ثریا گر بہ پرد تا ثرٰے　　نرم گردد چوں بہ بیند او مرا

یعنی اگرچہ ثریا سے ثریٰ تک اڑے وہ نرم ہوجاویگا جب مجھے دیکھیگا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ وہ تقاضا اسقدر تیز ہو کہ زمین سے آسمان تک اسکی تیزی پہونچتی ہو مگر جب وہ مجھے اور میری تیزی کو دیکھے گا تدبیر سے آگے اسے بھی نرم ہی ہونا پڑیگا۔ آگے بادشاہ جواب دیتا ہے کہ۔

گفت سلطانش بگو فرماں ترا ست　　لیک شادش کن کہ نیکو گوی ماست

یعنی بادشاہ نے اس سے کہا کہ جا تجھے اختیار ہے لیکن اسکو خوش کر دیجیو کہ ہمارا مداح ہے مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ اچھا میں نے تجھے اختیار دیا جو تیرا دل چاہے اسکو دیدے اور جسطرح چاہے کہ مگر ہاں اسقدر اور کہتا ہوں کہ جہانتک ہوسکے اسکو خوش کر دینا اسلئے کہ وہ ہمارا نام لیوا ہے۔ بد دل ہوکر نہ جاوے۔ بادشاہ کی اس بات کو سنکر آپ فرماتے ہیں کہ۔

گفت او را او دو صد چوں او گدا　　تو بمن بگذار و فارغ شو شہا

یعنی اس وزیر نے کہا کہ اسکو اور اس جیسے دو سو اور فقیروں کو حضور میرے سپرد کرکے بفکر ہوجایا کریں

جنس او را او چو او سہ صد ہزار　　تو رہا کن با من و بر من گذار

یعنی اسکو اور اس جیسے لاکھوں کو آپ میرے سپرد کرکے الگ ہوجایا کیجئے۔ مطلب یہ کہ اس وزیر نے کہا کہ حضور ایسوں کو میرے سپرد فرماکر بفکر ہوجایا کریں میں ایسے لاکھوں کو نپٹا دیا کرونگا اب چونکہ شاہی حکم تو مل ہی چکا تھا بس اب اس نے اپنی تدبیر شروع کر دی۔

بس فگندش صاحب اندر انتظار　　شد زمستان و دے و آمد بہار

یعنی بس وزیر نے اسکو انتظار میں ڈالا (یہاں تک کہ) جاڑے اور دے کا مہینہ گذر گیا۔ اور (موسم) بہار آگئی۔ مطلب یہ کہ جب شاعر کو بھی معلوم ہوگیا کہ انعام وزیر صاحب سے ملیگا

تو اس نے اُن سے عرض کرنا شروع کیا انھوں نے اُسکو ٹلانا شروع کیا کبھی کہدیا کل آنا وہ آیا تو مخفی ہو گئے ملتے ہی نہیں ملے بھی تو پھر ٹالدیا غرضکہ کم از کم ایک ششماہی تو اسیطرح گذر گئی

شاعرش چندانکہ حاجت مے نمود   صاحبش در وعدہ حیلہ می فزود

یعنی شاعر جتنا اُس سے حاجت ظاہر کرتا وزیر اُس سے حیلہ میں زیادتی کرتا تھا مطلب یہ شاعر جتنا تقاضا کرے اسیقدر اور ہر سحر وہ وزیر حیلے کرتا تھا۔

شاعر اندر انتظارش پیر شد   پس زبون این غم و تدبیر شد

یعنی شاعر اُسکے انتظار میں بڈھا ہو گیا اور غم و تدبیر سے عاجز ہو گیا۔ مطلب یہ کہ انتظار کرتے کرتے ایک مدت مدید گذر گئی مگر اُس بندۂ خدا نے نہ دینا تھا نہ دیا تو شاعر نے آخر ایک دن جھلا کر کہا کہ۔

گفت اگر زر نہ کہ دشنامم دہی   تا رہد جانم ترا باشم رہی

یعنی اگر روپیہ نہیں تو مجھے گالی دیدے تاکہ میری جان چھوٹے میں تمھارا غلام ہوں مطلب یہ کہ میاں اگر انعام دینا نہیں ہے تو یہی کہدو کہ ہم نہ دیں گے کہ تمھارے اس کہنے سے کچھ آئے ہی گا یعنی وہ الفاظ برے بھلے جو مجھے کہو گے چلو دہی لیجاؤنگے تو مجھے اس انتظار کی کوفت تو ہوگی مجھے اس سے چھٹکارا ہو جاویگا۔ اور مجھپر آپکا بڑا احسان ہوگا۔ کہ مجھے ایک طرف کردو کہ الیاس احدی الراحتین۔

انتظارم کشت بارے گو برو   تا رہد این جان مسکین از گرو

یعنی مجھے تو انتظار نے مار ڈالا ذرا یوں ہی کہدے کہ جا تاکہ میری جان مسکین گروی ہونے سے چھوٹے یعنی میں جو ہمیں کا ہو رہا نہ گھر جاسکوں امید انعام میں اور نہ یہاں انعام ملے تو اس سے تو اگر انکار کردے تو چلو جان ایک طرف تو ہو۔

بعد ازانش داد ربع عشر آں   ماند شاعر اندر اندیشہ گراں

یعنی اسکے بعد اُسکو اُس (انعام موعود) کا چالیسواں حصہ دیدیا تو شاعر ایک گہری سوچ میں رہگیا (اور کہنے لگا کہ)

کانچناں نقد و چناں بسیار بود   اینکہ دیر اشگفت دستہ خار بود

یعنی کہ وہ ایسا نقد اور اسقدر زیادہ تھا اور یہ کہ دیر میں کھلا ایک کانٹوں کا دستہ تھا مطلب یہ کہ چونکہ امرا کے یہاں انعام وغیرہ ملازمین وغیرہ کی معرفت دلایا جاتا ہے اسلئے اُس وزیر اول نے بھی اور اس نے بھی اسکو انعام دلوا دیا۔ مگر شاعر نے شاید دونوں میں سے کسی کو دیکھا نہ تھا اور لوگوں سے جنکی رسائی وہاں تک تھی تقاضے کیا کرتا ہوگا۔ اب وہ ان پچیس روپیہ کو دیکھکر حیران رہگیا۔ کہ میاں پہلے تو اتنا اتنا ملا تھا اور جلدی ملگیا تھا۔ اور لیکے جو دیر ہو رہی تھی تو میں تو سمجھتا تھا کہ اب کے اور زیادہ ملیگا۔ مگر یہاں تو کچھ بھی نہ ملا۔ آخر اسکا سبب کیا ہے یہ سُنکر لوگوں نے اُس سے کہا کہ۔

پس بگفتندش کہ آں دستور راد ۔۔۔ رفت از دنیا خدا مزدش دہاد

یعنی لوگوں نے اس شاعر سے کہا کہ وہ جوانمرد سخی دنیا سے چلا گیا خدا اسکو جزائے خیر دے۔

کہ مضاعف زو ہمی شد آں عطا ۔۔۔ کم ہمی افتاد در بخشش خطا

یعنی اسی کی وجہ سے وہ انعام دوگنا ہوا تھا اور بخشش میں خطا کم واقع ہوتی تھی۔

ایں زماں او رفت و احساں را ببرد ۔۔۔ او بمرد الحق ولے احساں نمرد

یعنی اُسوقت وہ تو چلا گیا اور احسان کو بھی لے گیا وہ تو ضرور مر گیا لیکن احسان نہیں مرا۔

رفت از ما صاحب راد و رشید ۔۔۔ صاحب سلاخ درویشاں رسید

یعنی ہمارے پاس سے بخشش والا اور نیکبخت چلا گیا اور فقیر و نکی کھال کھینچنے والا آپہونچا مطلب یہ کہ لوگوں نے اس شاعر سے کہا کہ بھائی پہلے جو تو آیا تھا تو ایک وزیر بڑا سخی اور نیکبخت تھا اب اسکا تو انتقال ہوگیا مگر اسکے احسان لوگو نپر اب بھی موجود ہیں وہ تو مر گیا مگر احسان نہیں مرے اور اب یہ دوسرا وزیر کنجوس آگیا ہے اب تو جو ملجاوے غنیمت جان اور بولے کہ۔

رو بگیر ایں را و زینجا شب گریز ۔۔۔ تا نگیرد با تو ایں صاحب ستیز

یعنی جا اسکو لے اور راتوں رات بھاگ جا تاکہ یہ وزیر تجھسے جھگڑا نہ کرے۔

ما بصد حیلت ازو ایں ہدیہ را ۔۔۔ بستدیم اے بیخبر از جہدہا

یعنی ہم نے سیکڑوں حیلوں سے اس انعام کو اس سے لے لیا ہے۔ اے ہماری کوشش سے

یعنی اُن لوگوں نے کہا کہ میاں بڑی کوششوں سے اور کہہ سنکر تو یہ انعام بھی تجھے دلوادیا تجھے کیا خبر کیسی کیسی مشکلوں سے وصول کیا ہے بس اسی کو غنیمت سمجھ اور لیکر بھاگ جا ورنہ ممکن ہے کہ وہ تجھسے اسکو بھی چھین لے۔

رو بدیشاں کرد و گفت اے اشقیا　　از کجا آمد بگوئید اے عواں

یعنی اُس شاعر نے اُنکی طرف توجہ کی اور بولا کہ یارو یہ وزیر کہاں سے آیا ہے ذرا بتاؤ تو۔

چیست نام ایں وزیر جامہ کن　　قوم گفتندش کہ نامش ہم حسن

یعنی اس کفن کھسوٹ وزیر کا نام کیا ہے کہا کہ اسکا نام بھی حسن ہی ہے۔ مطلب یہ کہ لوگوں سے اُس شاعر نے پوچھا کہ میاں یہ ظالم وزیر کہاں سے آمرا اور اسکا نام کیا ہے تو لوگوں نے کہا کہ میاں یہ اُسی کا ہمنام ہے یعنی اُسکا بھی نام حسن تھا اور اسکا بھی نام حسن ہی ہے تو وہ کہتا ہے کہ

گفت یارب نام آں و نام ایں　　چوں یکے آمد دریغ اے رب دیں

یعنی اُس شاعر نے کہا اے اللہ اُسکا نام اور اسکا نام کیونکر ایک ہو گیا ہے۔ اے اللہ افسوس ہے۔ مطلب یہ کہ اے اللہ اسکا افسوس ہے کہ اس جیسا بدبخت کنجوس اُس کا ہمنام کس طرح ہو گیا۔

آں حسن نامی کہ از یک کلک او　　صد وزیر و صاحب آمد جود جو

یعنی وہ ایک حسن نام والا (تو ایسا تھا) کہ اُسکے قلم سے سیکڑوں امیر و وزیر سخاوت کے متلاشی آتے تھے۔

ایں حسن کز ریش زشت ایں حسن　　می تواں بافید اے جاں صد رسن

یعنی یہ حسن اس حسن کی بری ڈاڑھی سے اےجان سیکڑوں رسیاں بن سکتی ہیں مطلب یہ کہ ایک تو وہ حسن تھا کہ اُسکے دست نگر سیکڑوں امیر و وزیر تھے اور ایک یہ لمڈاڑھیا حسن ہے کہ ڈاڑھی تو اسقدر لمبی کہ چاہئے رسی بانٹ لو اور حرکتیں ایسی نالائق۔ اور کہتا ہے کہ

بر چنیں صاحب چو شہ صغا کند　　شاہ و ملکش را ابد رسوا کند

یعنی ایسے وزیر کی جب بادشاہ سُنے تو بادشاہ کو اور اُسکے ملک کو ہمیشہ رسوا کرے مطلب یہ کہ اگر ایسیوں کی بادشاہ سنیں گے تو کمبخت بادشاہ کو اور اُسکے ملک کو سبکو بدنام

کر دیگا۔ اسلئے کہ یہ کنجوسی کریگا اور وہ منسوب ہوگی بادشاہ کی طرف۔ تو دیکھو اوپر جو مولانا نے فرمایا تھا کہ "درمیانِ ہر دو شان فرقیست نیک" وہ ثابت ہوگیا۔ کہ دیکھو اس حسن میں اور اُس حسن میں کسقدر فرق تھا حالانکہ نام دونوں کے ایک ہی تھے۔ یہاں چونکہ کہا ہے کہ نالائق وزیر کے قول پر عمل کرنے سے بادشاہ بھی بدنام ہوتے ہیں تو آگے اس وزیر کو ہامان وزیر فرعون سے اور اس بادشاہ کو فرعون سے تشبیہ دیتے ہیں کہ دیکھو جس طرح اس بادشاہ نے اس وزیر کا کہا مانا تو یہ بدنام ہوا اسی طرح فرعون نے جو ہامان کا کہا مانا تو وہ بھی خراب و برباد ہوا

بادشاہ کی مروت کے فاسد کرنے میں اس وزیر کی بدرائی کا ہامان وزیر فرعون کے مشابہ ہونا

چند آں فرعون می شد نرم و رام　　چوں شنیدی او ز موسیٰ آں کلام

یعنی فرعون اکثر نرم اور مطیع ہو جایا کرتا تھا جبکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے اُس کلام کو سنتا۔

آں کلامیکہ بدادے سنگ شیر　　از خوشی آں کلام بے نظیر

یعنی وہ کلام کہ اُس کلام بے نظیر کی عمدگی کی وجہ سے پتھر بھی دودھ دینے لگے مطلب یہ کہ جس کلام کی یہ شان ہے کہ اُسکو سنکر پتھر بھی نرم ہو جاوے اور اُسمیں سے بھی دودھ نکل آوے یعنی کلام حق تو اُسکو سنکر فرعون تو اکثر نرم ہو جاتا تھا اور ظاہر نظر میں اُسکی حالت سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان ہو جاویگا مگر۔

چوں بہ ہاماں کہ وزیرش بود او　　مشورت کردی کہ کینش بود خو

یعنی جب ہامان سے جو کہ اُسکا وزیر تھا اور جسکی خصلت کینہ وری تھی مشورہ کرتا۔

چوں بہ ہامان مشورت کردے وراں　　مانعش گشتے مدام آں سخت جاں

یعنی جب اُسمیں ہامان سے مشورہ کرتا تو وہ سخت جان ہمیشہ اُسکو مانع ہوا کرتا (اسطرح کہ یوں کہتا کہ)۔

پس بگفتے تاکنوں بودی خدیو　　بندہ گردی ژندہ پوشے را بریو

یعنی پس اُس سے کہتا کہ اب تک تو بادشاہ تھا اور (پھر) ایک کمبل پوش کا دھوکہ سے غلام بن جاویگا
یعنی اُسے یوں سمجھاتا کہ میاں اب تک تو تم بادشاہ ہو اور اگر انکی مان لوگے تو پھر یہ تمہیں غلام ہو جاؤ گے

اور تم تابع ہو جاؤ گے اور تابع بھی کسی پہلے آدمی کے نہیں ایک کمبل پوش فقیر کے تابع ہو گے بڑے شرم کی بات ہے۔

آں سخن بر شیشہ خانہ او زدے　　ہمچو سنگ منجنیقے آمدے

یعنی وہ بات ایک گوپھیہ کے پتھر کی طرح آتی اور اس فرعون کے شیشہ خانہ (دل) پر لگتی۔

ہر چہ صد روز آں حکیم خوش خطاب　　ساختے دریکدم او کردے خراب

یعنی کہ وہ حکیم خوش خطاب سو دن میں جو بناتے وہ ایکدم میں اسکو خراب کر دیتا۔ مطلب یہ موسیٰ علیہ السلام جو پند و نصائح کر کے ایک مدت میں اسکو کچھ راہ پر لاتے وہ کمبخت ہامان ایکدم میں سارا بنا بنایا گھر بگاڑ دیتا۔ اسلئے کہ وہ تو یہ سمجھاتا تھا کہ ساری عزت اور جاہ برباد ہو جائیگی بس اسکا تصور اسکو اُن ساری باتوں سے پھیر دیتا تھا اور اس طرح اس وزیر کا کہنا ماننا فرعون کو خراب و برباد کرتا تھا۔ آگے مولانا خود انسان کے اندر ایک وزیر بتاتے ہیں کہ جسکا کہنا ماننے کی وجہ سے یہ حضرت انسان بھی خراب ہو رہے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

عقل تو مغلوب و مقہور ہواست　　در وجودت رہزن راہ خداست

یعنی تمہاری عقل وزیر خواہش نفسانی کے تابع ہو رہی ہے (اور وہی وزیر یعنی خواہش نفسانی تیرے وجود میں راہ خدا کے رہزن ہے۔

ناصحے ربانئے پندت دہد　　آں سخن را او بفن طرحے نہد

یعنی کوئی اللہ والا ناصح تجھے نصیحت کرتا ہے تو اس بات کو وہ وزیر (خواہش نفسانی) ایک طرف رکھ دیتا ہے۔

کایں نہ برجا نیست ہیں از جا مشو　　نیست چنداں باخود آ شیدا مشو

یعنی کہ یہ ٹھیک نہیں ہے ہاں جگہ سے مت جا۔ (یہ بات) اتنی نہیں ہے ہوش میں آ فریفتہ نہو۔ مطلب یہ کہ تیری عقل پر خواہش نفسانی جو کہ وزیر کی طرح ہے غالب ہو رہی ہے اور اسکا غلبہ اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ اگر اب کوئی اللہ والا تم کو نصیحت کرتا ہے تو وہ خواہش نفسانی تمکو اس طرح بہکا دیتی ہے کہ میاں یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے اسمیں عزت و آبرو کا نقصان ہے۔ مال کا نقصان ہے اسلئے اس ناصح کی نہ سننا چاہئے اور کہتا ہے کہ یہ بات اسقدر اہم تو ہے نہیں مگر اس نے

فضول بھی اسکو اسقدر اہم بنا دیا ہے لہذا تم کو چاہئے کہ اسکی پرواہ نکرو۔ اور اپنی حالت پر قایم رہو۔ نہیں اسکے فریب میں آکر اور اسیر شیدا ہو کر اسکی ماں مست لینا۔ اس طرح تمکو بہکا کر راہ حق سے روکتا ہے۔ تو دیکھو تمھاری عقل جو بادشاہ کی طرح نفس پر حاکم ہونا چاہئے تھی وہ اس سے مغلوب ہوگئی ہے کہ اسکو بہکا کر راہ حق سے دور کر دیتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

وائے آن شہ کہ وزیرش این بود — جائے ہر دو دوزخ پر کیں بود

یعنی اس بادشاہ پر افسوس ہے کہ اسکا یہ وزیر ہو دونوں کی جگہ دوزخ پر کیں ہوتی ہے یعنی جس بادشاہ کا وزیر ایسا بد ہو اس بادشاہ کی حالت بھی قابل افسوس ہے کہ دونوں دوزخ میں جاویں گے۔

شاد آں شاہے کہ اور ادستگیر — باشد اندر کار چوں آصف وزیر

یعنی وہ بادشاہ خوش نصیب ہے کہ اُسکا دستگیر کام میں آصف وزیر کی طرح ہو۔

شاہ عادل چوں قرین او شود — نام او نور علےٰ نور این بود

یعنی جب اس وزیر کا ساتھی عادل بادشاہ ہو تو اُسکا نام نور علی نور ہو۔

چو سلیماں شاہ چوں آصف وزیر — نور بر نور ست عنبر بر عبیر

یعنی سلیمان علیہ السّلام جیسا بادشاہ ہو اور آصف جیسا وزیر ہو تو نور علی نور ہے اور عنبر بر عبیر ہے مطلب یہ کہ دیکھو سلیمان علیہ السّلام تو بادشاہ عادل تھے ہی مگر چونکہ انکے وزیر آصف رضی اللہ عنہ بھی کامل تھے ملک کا انتظام خوب ہوا اور دونوں ملکر نور علی نور کے مصداق ہو گئے

شاہ فرعون و چو ہامانش وزیر — ہر دو را نبود ز بدبختی گزیر

یعنی فرعون تو بادشاہ اور ہامان جیسا وزیر ہو تو دونوں کو بدبختی سے چارہ نہو۔

پس بود ظلمات بعضی فوق بعض — نے خرد یار و نہ دولت روز عرض

یعنی پس (مصداق) ظلمات بعضہا فوق بعض کے ہوں گے اور قیامت کے دن نہ عقل ساتھی ہوگی اور نہ دولت۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر فرعون جیسا بادشاہ اور ہامان جیسا وزیر ہو تو پھر دونوں کے دونوں بدبخت اور مصداق ظلمات بعضہا فوق بعض کے ہونگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

من ندیدم جز شقاوت در لئام / گر تو دیدستی رساں از من سلام

یعنی میں نے تو لئیموں میں سوائے شقاوت کے دیکھا نہیں (اسے مخاطب) اگر تو نے دیکھا تو میرا سلام کہدینا۔ مطلب یہ کہ میاں جتنے تو لئیموں میں جنمیں سے بعض کا ابھی ذکر ہوا ہے شقاوت ہی دیکھی۔ اور ان لوگوں کو شقی ہی دیکھا اور انمیں سعادت کا تو کہیں نام بھی نہ پایا اور اگر تم نے کہیں ان لئیموں میں سوائے شقاوت کے اور کچھ بھی دیکھا ہو تو ذرا اس سے ہمارا سلام بھی کہدینا اس کہنے سے براہ مذاق یہ بتلانا مقصود ہے کہ میاں اسکے سوا اور کوئی بات ان میں ہوتی ہی نہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو جاں باشد شہ و صاحب چو عقل / عقل فاسد روح را آرد بہ نقل

یعنی بادشاہ تو جان کی مثل ہوتا ہے اور وزیر عقل کی طرح تو عقل فاسد تو روح کو (صلاحیت سے) منتقل کر ہی دیگی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ و وزیر کی مثال روح اور عقل جیسی ہے۔ تو جسطرح عقل فاسد روح کو بھی خراب کر دیتی ہے۔ اسی طرح وزیر بد بادشاہ کو بدبخت اور بدنام کر دیتا ہے اور تمہارا نفس وزیر ہے اور عقل بادشاہ کی طرح۔ تو اس وزیر بد کو بادشاہ پر غالب مت آنے دو۔ اور اسکے کہنے پر مت چلو ورنہ پچھتاؤ گے آگے اسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

آں فرشتہ عقل چوں ہاروت شد / سحر آموز دو صد طاغوت شد

یعنی وہ فرشتہ عقل جب ہاروت ہو گیا تو دو سو شیطانوں کیلئے سحر سکھانیوالا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہاروت ماروت جو فرشتے تھے اور عقل کی طرح پاک و صاف تھے جب ان پر خواہش نفسانی غالب ہوئی تو آخر جو ان کا حشر ہوا معلوم ہے۔ اور وہی فرشتے سحر سکھانیوالے ہو گئے جو کہ صریح کفر تھا غرض جو ہوا اس خواہش نفسانی کے غلبہ ہی کی وجہ سے ہوا اور اس سے قبل بھی عرض کر دیا گیا ہے اور اب بھی عرض کیا جاتا ہے کہ ہاروت ماروت کا قصہ مولانا نے جہاں نقل کیا ہے بناءً علی المشہور نقل کیا ہے۔ ورنہ اصل میں یہ قصہ محض غلط ہے اسکی کوئی بھی اصل نہیں۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ خواہش نفسانی کے غلبہ سے یہ خرابی آتی ہے تو آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

عقل جزوی را وزیر خود مگیر / عقل کل را ساز اے سلطاں وزیر

یعنی اے سلطان عقل جزوی کو اپنا وزیر مت بنا عقل کلی کو وزیر بناؤ۔

مر ہوا را تو وزیر خود مساز　　　　که بر آید جان پاکت از نماز

یعنی خواہش نفسانی کو اپنا وزیر مت بنا۔ کہ تیری جان پاک نماز سے نکل آوے مطلب یہ کہ تم عقل جزوی کے تابع مت ہو جسکا نام کہ نفس ہے۔ بلکہ عقل کل جو کہ واقعی عقل ہے اُسکا کہا مانو ورنہ اگر تم خواہش نفسانی کے تابع ہو گئے تو پھر طاعات سے تم گھبرانے لگو گے اور طاعت میں ہرگز دل نہ لگے گا۔ اور ظاہر ہے کہ طاعات سے بھاگنا محرومی قسمت کی دلیل ہے لہذا اس نفس کے تابع مت ہو۔ اور اس نفس کی طاعت سے اکتانیکی وجہ یہ ہے کہ۔

کایں ہوا پر حرص و حالی بین بود　　　　عقل را اندیشہ یوم الدین بود

یعنی کہ یہ خواہش نفسانی تو پر حرص اور عاجل کی دیکھنے والی ہوتی ہے! اور عقل کو قیامت کی فکر ہوتی ہے۔

عقل را دو دیده در پایان کار　　　　بہر آں گل میکشد او رنج خار

یعنی عقل کی دونوں آنکھیں تو انجام کار میں ہیں تو وہ اس پھول کیلئے کانٹوں کی تکلیف برداشت کرتی ہے۔

که نه فرساید نه ریزد در خزاں　　　　باد ہر خرطوم اخشم دور ازاں

یعنی وہ پھول خزاں میں نہ گھسے اور نہ گرے ہر اخشم کی ناک کی ہوا اُس سے دور ہو۔ (اخشم کہتے ہیں اُس شخص کو جسکی قوت شامہ معطل ہو جاوے) مطلب یہ کہ چونکہ نفس کی نظر تو نفع عاجل پر ہوتی ہے اور وہ دنیا ہی کے کاموں میں ملتا ہے۔ اسلئے وہ طاعات سے جو آخرت کے کام ہیں گھبراتا ہے۔ اور عقل کی نظر انجام کار پر ہوتی ہے۔ اسلئے وہ اسمیں لگی رہتی ہے۔ اور اُس گل آخرت کیلئے دنیا کے خار مصیبت کو برداشت کرتی ہے۔ اور وہ پھول ایسا ہوتا ہے کہ اُسکو کبھی زوال نہیں ہے۔ بلکہ باقی ہے۔ فانی نہیں ہے۔ لہذا جو لوگ کہ کور باطن ہیں اور دنیا والے ہیں خدا کرے انکو اس پھول کی خوشبو ہی نہ پہونچے اور یہ منکرین اسی طرح محروم القسمت ہی رہیں۔ یہانتک تو خود سالک کو تعلیم ہے کہ تم نفس کا اتباع مت کرو اور عقل کا اتباع کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگرچہ تم کو خود بھی عقل ہوگی اُسکو بھی کافی مت جانو بلکہ مرشد کے اتباع

سے آمیں مدد لو۔ اور مرشد سے اسکی اصلاح کر لو۔ فرماتے ہیں کہ۔

ور چہ عقلت ہست با عقل دگر
یار باش و مشورت کن اے پدر

یعنی اور اگرچہ تم کو عقل ہو (مگر) دوسری عقل کیساتھ یار رہ اور اے بابا مشورہ کر لیا کرو +

یا دو عقل از بس بلاہا وا رہی
پائے خود بر اوج گردونہا نہی

یعنی دو عقلوں سے تو بہت سی بلاؤں سے چھوٹ جاویگا اور اپنا پاؤں آسمان کی بلندی پر رکھیگا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تم کو خود عقل ہو مگر تم یہ کرو کہ مرشد کا اتباع کرو کہ اب تو ایک صرف تمھاری ہی عقل ہے اور پھر دو عقل ملجاویں گی ایک تمھاری اور ایک مرشد کی تو اسوقت دو آدمی ملکر بلاؤنکا مقابلہ اچھی طرح کر سکوگے۔ لہذا نفس کو چھوڑ کر مرشد کے اتباع سے اپنی عقل کو درست کر لو تو پھر نور علیٰ نور کے مصداق ہو جاؤگے۔ اوپر مولانا نے فرمایا تھا کہ "دیو ہم وقتی سلیمانی کند" اور پھر اسپر اُن دونوں فریروں کی جن دونوں کا نام حسن تھا حکایت لائے تھے پھر اسکی مناسبت سے یہ مضمون کہ عقل کا اتباع کرو بیان کیا اب پھر اسی کی طرف رجوع وہاں کہا تھا کہ ع پس سلیمانی کند بر تو مدام + دیو با خاتم حذر کن والسلام۔ تو آگے اسکا قصہ جو مشہور ہے کہ ایک دیو نے خاتم چرالی تھی اور پھر سلطنت کرنے لگا تھا بیان فرماتے ہیں اور یہ قصہ مولانا بنا بر علی المشہور بیان فرماتے ہیں ورنہ یہ قصہ بھی مثل قصہ ہاروت ماروت کے محض غلط ہے۔ مولانا تمثیل کیلئے بنا بر علی المشہور بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

دیو کا سلیمان علیہ السلام کی جگہ بیٹھ جانا اور سلیمان علیہ السلام کی کاموں میں نقل کرنا اور دیو میں اور سلیمان علیہ السلام میں فرق کا ظاہر ہونا اور دیو کا اپنا نام سلیمان بن داؤد رکھنا

دیو گر خود را سلیمان نام کرد
ملک برد و مملکت را رام کرد

صورت کار سلیماں دیدہ بود
صورت اندر سر دیوی می نمود

خلق گفتند این سلیمان بی صفاست
از سلیمان تا سلیمان فرقہاست

او چو بیدار است این ہمچون وسن
ہمچنانکہ آن حسن تا این حسن

دیو می گفتی کہ حق بر شکل من
صورتی کردہ است خوش بر اہرمن

دیو را حق صورت من دادہ است
تا نیندازد شما را او بہ شست

گر پدید آید بدعوی زینہار
صورت او را مدارید اعتبار

دیوشان از مکر این می گفت لیک
می نمود آن عکس بر دلہای نیک

نیست بازی با ممیز خاصہ او
کہ بود تمییز و عقلش غیب گو

ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل
می نہ بندد پردہ بر اہل دول

پس ہمی گفتند با خود در جواب
بازگونہ میروی ای کج خطاب

بازگونہ رفت خواہی ہمچنین
سوئے دوزخ اسفل اندر سافلین

او اگر معزول گشت است و فقیر
ہست در پیشانیش بدر منیر

تو اگر انگشتری را بردۂ
دوزخی چون زمہریر افسردۂ

ما ببوش و عارض و طاق و طرب
سر کجا خود ہمی ننہیم سغب

ور بغفلت ما نہیم او را جبین،
پنجۂ مانع برآید از زمین،

کہ منہ این سر مر این سر زیر را
ہین مکن سجدہ مر این ادبیر را

کردمی من شرح این بس جانفزا
گر نبودے غیرت و رشک خدا

ہم قناعت کن تو بپذیر این قدر
تا بگویم شرح این وقتی دگر

تام خود کردہ سلیمان نبی ۔۔۔ روے پوشے میکند بر ہر صبی
در گذر از صورت و از نام خیز ۔۔۔ از لقب و از نام در معنی گریز
پس بپرس از خلق و از افعال او ۔۔۔ در میان خلق و فعل او بجو
کار بر کس نیست ہیں ور کش زمام ۔۔۔ مسجد اقصا بساز و کن تمام
شد تمام القصہ مسجد بے فتور ۔۔۔ بد سلیمان زائر و مسجد مزور

ایک دیو انگشتری سلیمان علیہ السلام پر قابض ہو کر اور سلیمانؑ کی شکل بنا کر تخت پر قابض ہو گیا تھا اس نے گو اپنا نام سلیمان مشہور کیا اور ملک بھی حاصل کر لیا اور سلطنت کو بھی مسخر کر لیا۔ لیکن اس نے سلیمان علیہ السلام کے افعال کی صرف صورت دیکھی تھی اس لئے انہی کی نقل کرتا تھا اور معنی سے واقف نہ تھا لہذا اسکی صورت میں دیویت کا راز ظاہر تھا جسکو اہل بصیرت لوگ تاڑ گئے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سلیمان تو بے صفا ہے اور اس سلیمان میں جو ہمنے پہلے دیکھا تھا اور اس سلیمان میں بہت بڑا فرق ہے وہ مثل بیداری کے تھے یہ مثل نیند کے ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان دونوں سلیمانوں میں واقعی یوں بعد تھا جیسا کہ حسن نام دونوں وزیروں میں جنکا قصہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سنو کہ وہ دیو پیش بندی کیلئے کہتا تھا کہ حق سبحانہ نے میری شکل ایک دیو کو بھی پہنا دی ہے اور اسکو میری سی صورت عطا کی ہے۔ تم دھوکہ نہ کھانا۔ مبادا وہ تمہیں جال میں پھانس لے اگر وہ آکر سلیمان کا دعویٰ دار ہو تو تم ہرگز اسکی بات کا اعتبار نہ کرنا وہ دیو گو مکر سے ان سے یہ باتیں کرتا تھا۔ مگر اہل بصیرت پر اسکا الٹا اثر پڑتا تھا اور وہ اسکو خلاف واقع سمجھتے تھے اہل بصیرت و تمیز کو دھوکا دینا کھیل نہیں ہے بالخصوص وہ ضمیر جسکی تمیز و عقل راز غیب بیان کرتی ہو۔ اور کوئی منتر کوئی تلبیس اور کوئی فریب ارباب دولت باطنیہ کیلئے پردہ بنکر حقیقت حال کو نہیں چھپا سکتا۔ الا ما دراپس وہ لوگ اسکے جواب میں اپنے دل میں کہتے تھے کہ او غلط گو تو الٹا چل رہا ہے۔ پس تو یوں ہی دوزخ میں اسفل السافلین میں اوندھا گریگا وہ

اگر معزول ہو گیا ہے یا مفلس ہو گیا ہے اور تو نے اسکے تخت حکومت پر قبضہ کر لیا ہے تو
کیا مضائقہ ہے۔ اسکی پیشانی میں ایک نور روشن ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان
اصلی وہی ہے۔ اور تو سلیمان نقلی ہے۔ تو نے اگر انگشتری لیلی اور اسکے ذریعہ سے بظاہر سلیمان
بن بیٹھا ہے تو تیری ایسی مثال ہے جیسے کوئی چیز بظاہر دوزخ ہو اور بباطن زمہریر کی طرح سرد۔
ہم لوگ تیری شان وشوکت اور سپاہ اور طمطراق کی بناء پر سر تو کیا پاؤں بھی نہ رکھیں گے
اور اگر بھول چوک سے ہم اسکے سامنے پیشانی رکھ بھی دیں تو زمین سے ایک ہاتھ نکلے گا جو ہمکو اس سے
مانع ہوگا یعنی تائید غیبی ہمکو اس سے روکے گی۔ اور کہیگی کہ تو اسکے سامنے سر نہ رکھنا اور اس بدبخت
کے سامنے سجدہ نکرنا۔ میں اس مضمون کی نہایت نفیس شرح کرتا اور بتاتا کہ حق کی تائید انکے لئے
کیونکہ ہوتی ہے اور حق سبحانہ کا انکے ساتھ کیا معاملہ ہے بشرطیکہ حق سبحانہ کی غیرت اور اسکے
رشک کا خوف نہوتا۔ کیونکہ وہ اسرار ہیں اور ان کے اظہار سے حق سبحانہ کو غیرت آتی ہے لہذا
تو اسی پر قناعت کر اور اتنی ہی کو قبول کرلے۔ تاکہ میں اسکی شرح کسی دوسرے وقت کر سکوں
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب میں اصل قصہ کی طرف عود کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ اس نے
اپنا نام سلیمان نبی رکھ لیا تھا۔ مگر لونڈوں سے ہی اپنے کو چھپا سکتا تھا۔ نہ کہ اہل بصیرت سے
بس جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ دیو نے گو صورت سلیمان بنالی تھی مگر معنی سلیمان کے نہونے سے وہ
سلیمان نہو گیا تھا لہذا تم صورت اور نام کو چھوڑو کہ وہ بالکل بے سود ہے۔ اور لقب اور نام کو
چھوڑ کر معنی کو دیکھو۔ اور مخلوق سے آدمی کے اخلاق وافعال میں اسے ڈھونڈھو۔ مگر یہ ہر شخص کا
کام نہیں ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ اچھا اب قصہ ختم کرنا چاہئے اور مسجد اقصی بنانا
اور اسکو تیار کرنا چاہئے۔ غرض کہ وہ مکمل ہو گئی اور سلیمان اسکے زائر تھے اور مسجد انکی غرور واللہ اعلم

شرح شبیری

دیو کا سلیمان علیہ السلام کی جگہ بیٹھ جانا اور سلیمان علیہ السلام کی کاموں میں نقل کرنا اور دیو میں و سلیمان علیہ السلام میں

فرق کا ظاہر ہونا اور دیو کا اپنا نام سلیمان بن داؤد رکھنا۔

دیو گر خود را سلیمان نام کرد ملک برد و مملکت را رام کرد

یعنی دیو نے اگر اپنا نام سلیمان کرلیا اور ملک لیگیا۔ اور رعایا کو مطیع کرلیا۔ (تو اس سے کہیں وہ خود سلیمان تھوڑا ہی بنگیا اسی طرح اگر مکار لوگ شیوخ کی صورت بناویں تو کہیں شیوخ تھوڑا ہی ہوسکتے ہیں)۔

صورت کار سلیمان دیدہ بود صورت اندر سر دیوی می نمود

یعنی اس نے سلیمان علیہ السلام کے کام کی صورت دیکھی تھی تو صورت کے اندر دیو ہونیکا راز دکھارہا تھا۔ مطلب یہ کہ اس نے چونکہ سلیمان علیہ السلام کو کام کرتے دیکھا تھا تو اسی طرح اس نے بھی کام شروع کردئے مگر اسکی صورت سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ یہ سلیمان نہیں ہیں دیو ہے

خلق گفتند این سلیمان بے صفاست از سلیمان تا سلیمان فرقہاست

یعنی لوگوں نے کہا کہ یہ سلیمان بے صفا ہیں اور سلیمان سلیمان میں بہت فرق ہیں مطلب ہے کہ لوگ سب کے سب اس خاتم کی وجہ سے اس دیو کے تابع تو ہوگئے تھے مگر کہتے تھے کہ وہ سلیمان تو باصفا ہیں اور یہ بے صفا ہے اور اہمیں اور اُن میں تو بہت فرق ہے وہ سلیمان اصل ہیں اور یہ کمبخت دھوکہ دیرہا ہے۔

او چو بیدار یست این ہمچون وسن ہمچنانکہ آن حسن تا این حسن

یعنی وہ (سلیمان اصل) تو بیداری کی طرح ہیں اور یہ اونگھ کی طرح ہے۔ جیساکہ وہ حسن اس حسن تک۔ مطلب یہ کہ اُنکی مثال تو بیداری جیسی ہے کہ اُنکی صحبت میں انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس نام کے سلیمان کی مثال اونگھ جیسی ہے کہ کچھ نور وغیرہ نہیں ہے۔ اور ان دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیساکہ اُن دونوں حسنین وزیروں میں میں تھا۔

دیو می گفتے کہ حق بر شکل من صورتے کردہ ست خوش بر اہرمن

یعنی وہ دیو کہتا کہ حق تعالیٰ نے میری ہمشکل ایک دیو کو کردیا ہے۔

دیو را حق صورت من دادہ ست تا نیفتد از دشمار او بشست

یعنی حق تعالیٰ نے دیو کو میری ہمشکل کر دیا تو دیکھو کہیں وہ تمکو جال میں نہ ڈالدے مطلب یہ کہ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام سے بقول مشہور سلطنت چھین گئی تھی مگر وہ خود موجود تو تھے تو اُس دیو سے کوئی کہہ سکتا تھا کہ تو سلیمان کہاں ہے سلیمان تو وہ ہیں اس شبہ کو دور کرنے کیلئے کہا کرتا تھا کہ دیکھو حق تعالیٰ نے آزمائش کیلئے میری ہمشکل ایک دیو کو کردیا ہی اور وہ دعویٰ سلیمانی کرتا ہے تم اُسکے پھندہ میں مت پھنس جانا اور کہتا تھا کہ۔

گر پدید آید بدعوے زینہار　　صورت او را مدارید اعتبار

یعنی اگر دعوے کرے تو اُسکی صورت کا ہرگز اعتبار مت کرنا مطلب یہ کہ یہ دیو کہا کرتا تھا کہ دیکھو ایک دیو کو حق تعالیٰ نے تمھارے امتحان کیلئے میری صورت کا بنا دیا ہے تو اگر وہ دعوئ سلیمانی کرے تو اُسکا تم اعتبار مت کرنا۔ اور جنکو وہ دیو کہا کرتا تھا وہ خود سلیمان علیہ السّلام ہی تھے جو بقول مشہور بوجہ انگشتری کے پاس نہو نیکے سلطنت پر قابض نہ رہے تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دیو شاں از مکر ایں می گفت لیک　　می نمود آں عکس بر دلہائے نیک

یعنی دیو اُنکو مکر سے یہ کہتا تھا لیکن وہ عکس نیک دلوں پر دکھائی دیتا تھا۔

نیست بازی با ممیز خاصہ او　　کہ بود تمیز عقلش غیب گو

یعنی ممیز کیساتھ بازی نہیں ہے خاصکر اُسکی ساتھ جسکی تمیز عقل غیب گو ہو۔

ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل　　می نہ بندد پردہ بر اہل دل

یعنی کوئی سحر اور کوئی تلبیس اور دہوکہ اہل باطن پر پردہ نہیں باندھتے مطلب یہ کہ وہ دیو سارق خاتم اپنے ماتحتوں سے جواب اُس کے زیرنگیں تھے یہ باتیں کہا کرتا۔ تو جو اہل باطن تھے اُنکو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ غلط ہے اور یہ سلیمان اصل نہیں ہے کیونکہ وہ اہل باطن تھے اور جو اہل باطن ہوتے ہیں اُن کے قلب پر حقیقت کا عکس پڑجاتا ہے وہ صاف سمجھ رہے تھے کہ یہ جھوٹا ہے لہذا کہا کرتے تھے کہ۔

پس ہمی گفتند با خود در جواب　　باژگونہ می روی اے کج خطاب

یعنی پس وہ دل میں جواباً کہا کرتے تھے کہ اے کج خطاب تو الٹا چل رہا ہے۔

باز گو نہ رفت خواہی ہمچنیں — سوئے دوزخ اسفل اندر سافلیں

یعنی تو اسی طرح اوندھا دوزخ کی طرف اسفل السافلیں میں جاوے گا۔

او اگر معزول گشت است و فقیر — ہست در پیشانیش بدر منیر

یعنی وہ اگر معزول ہو گئے ہیں اور فقیر اُن کی پیشانی میں بدر منیر ہے۔

تو اگر انگشتری را بُردۂ — دوزخی چوں زمہریر افسردۂ

یعنی تو نے اگر انگشتری کو لے لیا ہے تو تو دوزخ ہے زمہریر کی طرح ٹھٹھر رہا ہے۔

ما ببوش و عارض و طاق و طرنب — سر کجا کہ خود ہمی نہ نہیم سنب

یعنی عارضی کرو فر اور دہوم دہام پر خود سر تو کیا ہم سُم بھی نہیں رکھتے (مطلب یہ کہ وہ لوگ اگرچہ اس انگشتری کی وجہ سے بقول مشہور اُس دیو کے تابع ہو گئے تھے مگر دل میں اُس کے جواب میں کہا کرتے تھے کہ ارے کمبخت تو دوزخی ہے تو بھلا سلیمان کہاں سے ہو سکتا ہے تیرے اندر صاف طور پر علامت کذب کی ظاہر ہو رہی ہے۔ اور جو سلیمان اصل میں وہ اگرچہ بظاہر معزول ہو گئے ہیں مگر پھر بھی اُن کے اندر علامت صدق کی موجود ہے۔ اور ہم تیری اس ظاہری دہوم دہام کے دہوکہ میں ہرگز نہ آویں گے اور کہتے ہیں کہ۔

در بغفلت ما نہیم او را جبیں — پنجۂ مانع بر آید از زمیں

یعنی اور اگر غفلت سے ہم اسکے آگے ماتھا رکھدیں تو ہم کو زمین سے ایک پنجہ مانع ہو جاتا ہے

کہ منہ آں سر مر ایں سر زیر را — ہیں مکن سجدہ مر ایں ادبیر را

یعنی کہ اس کمینہ کے آگے وہ سر مت رکھو اور اس مدبر کو سجدہ مت کرو (مطلب یہ کہ اگر ہم دہوکہ سے اُن کے مطیع ہونے بھی لگیں تو دست غیب مانع ہوتا ہے اور ہمکو اُس کاذب کی اطاعت سے روکدیتا ہے۔ تو اسی طرح مکار شیوخ شیوخ صادقین کو برا بھلا کہتے ہیں اور اپنی اطاعت کرانا چاہتے ہیں مگر جو طالب صادق ہوتے ہیں اُنکی غیب سے مدد ہوتی ہے اور وہ اُن کاذبین سے محفوظ رہتے ہیں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کردمے من شرح ایں بس جانفزا — گر نبودی غیرت و رشک خدا

یعنی میں اسکی شرح بہت عمدہ (طریقہ سے) کرتا اگر حق تعالیٰ کی غیرت اور رشک نہوتا۔

ہم قناعت کن تو بپذیر ایں قدر   تا بگویم شرح ایں وقت دگر

یعنی بس قناعت کرا اور اسی قدر کو قبول کرلے تاکہ میں اسکی شرح دوسرے وقت کروں مطلب یہ کہ ان مزورین کی حالت اور ان کے کذب کو خوب اچھی طرح بیان کرتا مگر غیرت حق مجھے بیان نہیں کرنے دیتی۔ کہ ؎ با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی + بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی۔ لہذا اب میں چپ رہتا ہوں۔ اور اسرار کو بیان نہیں کرتا اور فرماتے ہیں کہ۔

نام خود کردہ سلیمانؑ نبی   روئے پوشی میکند بر ہر صبی

یعنی اپنا نام سلیمان کئے ہوئے ہے۔ اور ہر بچہ کے سامنے روپوشی کرتا ہے۔

در گذر از صورت و از نام خیز   از لقب و ز نام در معنی گریز

یعنی صورت سے گزر جا اور نام سے اٹھ لقب اور نام سے معنی میں بھاگ۔

پس بپرس از خلق و از افعال او   در میان خلق و فعل او را بجو

یعنی پھر اسکے خلق و افعال سے پوچھو خلق اور فعل کے درمیان میں اسکو تلاش کرو مطلب یہ کہ صرف صوفی اور درویش کی صورت دیکھکر اسکے معتقد نہ ہوجاؤ بلکہ صورت کو چھوڑ کر اسکی حقیقت پر نظر کرو۔ اور صفت درویشی جسمیں ہو اس سے فیض حاصل کرو۔ صورت کو چھوڑ کر اسکے حالات باطنی اور افعال ظاہری کی تحقیق کرو کہ کیسے ہیں اگر یہ دونوں اچھے ہوں تو وہ اچھا ہے اور اگر یہ اچھے نہیں صرف صورت ہی صورت درویشوں کی ہے تو اسکا ہرگز اعتبار مت کرو۔

کار ہر کس نیست ایں در کش زمام   مسجد اقصےٰ بساز و کن تمام

یعنی ہر شخص کا کام نہیں ہے ہاں لگام کھینچ اور مسجد اقصےٰ کو بناؤ اور پورا کرو مطلب یہ کہ شیخ بننا ہر شخص کا کام نہیں ہے اسکو خوب سمجھ لو۔ اور اب اس بیان کو ختم کرکے مسجد اقصےٰ کے پورا ہونے کے قصہ کو بیان کرو آگے اسی کا قصہ ہے۔

شد تمام القصہ مسجد بے فتور   بد سلیمان زائر و مسجد مزور

یعنی القصہ مسجد بے فتور پوری ہوگئی سلیمان تو زیارت کرنے والے تھے اور مسجد زیارت گاہ تھی مطلب یہ کہ مسجد اقصےٰ جب پوری ہوگئی تو سلیمان علیہ السلام اسکی زیارت کو تشریف لیجایا کرتے تھے تو وہ زائر تھے اور مسجد انکی زیارت گاہ تھی۔ آگے اسکی پورا ہونیکے بعد کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد اقصےٰ میں اسکے پورا ہونیکے بعد عبادت اور عابدین و معتکفین کو وعظ سنانے کیلئے آنا اور مسجد میں قاقیر کا اگنا اور آنحضرت علیہ السلام سی باتیں کرنا

چون سلیمان نبی شاہ انام ‖ ساخت مسجد را و فارغ شد تمام

ہر صباح او را وظیفہ این بدے ‖ کامدے در مسجد اقصےٰ شدے

نو گیاہے رستہ دیدے اندرو ‖ پس بگفتے نام و نفع خود بگو

تو چہ دارو ئے چہ نامت چہ است ‖ تو زیان برکہ و نفعت برکہ است

پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام ‖ کہ من آنرا جانم و این را حمام

من مر این را زہرم و آنرا شکر ‖ نام من اینست بر لوح قدر

پس سلیمان با حکیمان زان گیا ‖ شرح کردے نفع و ضرش اے کیا

پس طبیبان از سلیمان زان گیا ‖ عالم و دانا شدند و مقتدا

تا کتب ہائے طبیبی ساختند ‖ جسم را از رنج مے پرداختند

این نجوم و طب وحی انبیاست ‖ عقل و حس را سوئے بے سو رہ کجاست

عقل جزوی عقل استخراج نیست ‖ جز پذیرائے فن و محتاج نیست

قابل تعلیم و فہم ست این خرد
لیک صاحب وحی تعلیمش دہد
جملہ حرفتہا یقین از وحی بود
اول او لیک عقل آنرا فزود
ہیچ حرفت را ببین کاین عقل ما
تاند آموختن بے اوستا
گرچہ اندر مکر مو اشگاف بُد
ہیچ پیشہ رام بے اُستا نشد
دانش پیشہ ازین عقل ار بدے
پیشۂ بے اوستا حاصل شدے

قابیل کا کوّے سے گورکنی کے پیشہ کو سیکھنا قبل اس کے کہ دنیا میں گورکنی کا پیشہ تھا

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود
کے ز فکر و حیلہ و اندیشہ بود
گر بدے این فہم مر قابیل را
کے نہادے بر سر او ہابیل را
کہ کجا غائب کنم این کشتہ را
این بخون و خاک در آغشتہ را
دید زاغے زاغ مردہ در دہاں
بر گرفتہ تیز می آمد پراں
از ہوا زیر آمد و شد او بفن
از پئے تعلیم او را گورکن
پس بچنگال از زمین انگیخت گرد
زود زاغ مردہ را در گور کرد
دفن کردش پس بپوشیدش بخاک
زاغ از الہام حق بد علمناک
گفت قابیل آہ شہ بر عقل من
کہ بود زاغے ز من افزوں بفن

جبکہ سلیمان علیہ السلام مسجد بنا چکے اور اس سے بالکل فراغت ہو گئی تو آپ کا معمول یہ رہا
کہ ہر صبح کو آتے اور مسجد اقصےٰ میں داخل ہوتے۔ اور جب اندر جاتے تو اسمیں ایک نیا گھاس
اگا ہوا دیکھتے۔ آپ اُس سے فرماتے کہ تو کیا دوا اور کیا چیز ہے اور تیرا نام کیا ہے اور تو کسکی
لئے مضر ہے اور کسکے لئے مفید پس ہر گھاس اپنا فعل اور نام بیان کرتا۔ اور بتلاتا کہ میں
اسکے لئے حیات بخش ہوں اور اسکے لئے مہلک اور اسکے لئے زہر ہوں اور اسکے لئے شکر
اور لوح قضا و قدر پر میرا یہ نام ثبت ہے۔ اسکا بیان سنکر حضرت سلیمان حکما سے بیان
فرماتے۔ اور اسکا نفع اور نقصان بتلاتے۔ پس طبیب لوگ حضرت سلیمان سے سیکھ کر بوٹیوں کے
خواص سے واقف ہو گئے۔ یہانتک کہ انھوں نے کتب طبیہ مرتب کر دیں اور جسم سے امراض دور
کرنے لگے اب سنو کہ یہ علم نجوم و علم طب وغیرہ سب ابتداءً باعلام خداوندی انبیا کو معلوم ہوئے
ہیں ورنہ عقل ناقص انسانی اور اسکی حس اس شئے تک کہاں جا سکتی ہے۔ جو کسی جہت ہی
میں نہو۔ ہم نے انکو بے جہت اسواسطے کہا کہ یہ علوم غیبیہ و اسرار الٰہیہ ہیں اور عقل جزوی و
ناقص سے ان تک رسائی کی اسلئے نفی کی کہ اسمیں حق سبحانہ نے یہ قوت نہیں رکھی ہے کہ وہ
اُسکے خزانہ غیب سے کوئی شئے نکال لے۔ بلکہ اسمیں تو صرف یہ قوت رکھی ہے کہ وہ علوم کو جو اسپر
فائض کئے جائیں قبول کرے۔ اسلئے وہ معلم اور مفید کی سراسر محتاج ہے۔ اور یہ عقل قابل تعلیم
و فہم ضرور ہے مگر اس شرط سے کہ کوئی صاحب وحی والہام جو براہ راست حق سبحانہ سے علوم
حاصل کرتا ہو اسکو تعلیم دے۔ اسلئے یہ یقینی بات ہے کہ تمام پیشہ اور فن ابتداءً وحی سے ماخوذ
ہیں۔ ہاں عقل نے انہیں ترقی دی ہے۔ اور علوم قدیمہ کی مدد سے انمیں علوم جدیدہ کا اضافہ
کیا ہے۔ اچھا تم غور کرو کہ ہماری عقول کسی پیشہ اور فن کو بھی بدون اُستاد کے سیکھ سکتی ہیں
ہر گز نہیں۔ پس یہ بڑی دلیل ہے اسبات کی کہ ہماری عقول میں قوت استخراج نہیں۔ اور اگرچہ کسی
کی عقل کتنی ہی بال کی کھال نکالنے والی کیوں نہو مگر کوئی فن بدون اُستاد کے قابو میں نہیں
آتا پس اگر عقل ہی علوم فنون کا منبع ہوتی تو ضرور کوئی فن کسی کی عقل کو بدون اُستاد کے
حاصل ہو جاتا۔ مگر مشاہدہ اسکے خلاف ہے اس سے ثابت ہوا کہ تمام علوم ابتداءً وحی سے ماخوذ
ہیں اور انکا منبع عقل نہیں۔ دیکھو گورکنی ایک نہایت معمولی کام ہے یہ بھی غور و خوض اور تدبیر

عقل سے نہیں نکلا۔ اور نہ عقل اسکے ایجاد پر قادر تھی کیونکہ اگر قابیل کی عقل اس نکتہ پہونچ جاتی اور وہ سمجھ جاتا تو وہ ہابیل کی نعش کو سر پہ لئے ہوئے یہ نہ سوچتا کہ میں اس مقتول اور خاک و خون میں آلودہ کو کہاں چھپاؤں۔ بالآخر حق سبحانہ نے کوّے پر اس علم کو فائض کیا اور قابیل نے دیکھا کہ وہ دو کوّے کو منہ میں لئے ہوئے تیزی کے ساتھ اُڑتا آ رہا ہے۔ اور جب وہ ان کے قریب پہونچ گیا تو اوپر سے نیچے آیا اور انکی تعلیم کیلئے وہ اپنی ہنرمندی سے قبر کھودنے لگا۔ اور اول اس نے پنجہ سے مٹی کھودی اسکے بعد اُس مردہ کوّے کو اُس قبر میں داخل اور دفن کیا اسکے بعد اُسے مٹی سے چھپا دیا۔ کیونکہ اُسکو یہ ہنر بالہام خداوندی معلوم ہو چکا تھا یہ دیکھکر قابیل نے کہا کہ تف ہے میری اس عقل پر کیونکہ مجھ سے تو کوّا ہی زیادہ ہنرمند ہے۔

(**ف**) اس مقام پر اس امر پر تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ مولانا نے علم نجوم کو بھی علم الٰہی اور علم ابنیاء قرار دیا ہے۔ اس سے کسی کو دہوکہ نہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ علم نجوم پر اعتماد اور اسکی حقیقت کا اعتقاد جائز ہے کیونکہ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نجوم جو اسوقت مروج ہے یہی بعینہٖ علم الٰہی ہے۔ ممکن ہے کہ جسطرح یہ آسمان سے اترا تھا اُس طرح نہو۔ بلکہ اسمیں تغیر و تبدل ہو گیا ہو اور وہ قواعد صحیحہ اغلاط کے ساتھ مخلوط ہو کر بے اعتبار ہو گئے ہوں اور صرف احتمال ہی نہیں بلکہ واقعہ ہے جسکا مشاہدہ شاہد ہے۔ کیونکہ سیکڑوں خبریں منجمین کی غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر کچھ صحیح بھی ہوتی ہیں تو ان میں صحت اتفاقی کا احتمال ہے اسلئے اسکی صحت قابل اعتماد نہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم کو اُسپر اعتماد کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اسلئے وہ ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

عقل کل را گفت مازاغ البصر
عقل مازاغ ست نور خاصگاں

عقل جزوی می کند ہر سو نظر
عقل زاغ استاد گور مردگاں

جان کہ او دنبالۂ زاغان پرد
ہیں مرو اندر پئے نفس چو زاغ

زاغ او را سوئے گورستان برد
کو بگورستان برد نے سوئے باغ

گر روی رود رپے عنقائے دل — سوئے قاف و مسجد اقصائے دل

نو گیاہی ہر دم از سودائے تو — می دمد در مسجد اقصائے تو

تو سلیمان وار داد او بدہ — پے براز وے پائی رو بروے منہ

زانکہ خاک ایں زمین با ثبات — باز گوید با تو انواع نبات

در زمین گر نیشکر ور خود نے است — ترجمان ہر زمین نبت ویست

پس زمین دل کہ نبتش فکر بود — فکرہا اسرار دلہا را نمود

در سخن کش بینیم اندر انجمن — صد ہزاران گل بروید در چمن

در سخن کش یابم آں دم زن بمزد — می گریزد نکتہا از دل چو دزد

مستمع چوں نیست خاموشی بہ است — نکتہ از نااہل گر پوشی بہ است

جنبش ہر کس بوئے جاذب است — جذب صادق نے چو جذب کاذب است

میروی گہ گمرہ و گہ در رشد — رشتہ پیدا نے وآں کت می کشد

اشترے کوری مہار تو رہیں — تو کشش می بین مہارت را مبیں

گر شدے محسوس جذاب مہار — پس نماندے ایں جہاں دار الفرار

گبر دیدے کو پے سگ میرود — سخرۂ دیو سیہ او مے شود

در پے او کے شدے ہمچوں اسیر — پائے خود را در کشیدے طفل و پیر

در پے او کے شدے مانند حیز — پائے خود را وا کشیدے گبر نیز

گاؤ اگر واقف زقصابان بدے — کے پے ایشان بداں دکان شدے

یا بخوروی از کف ایشان سبوس — یا بدادی شیرشان از چاپلوس

ور بخوردے کے علف ہضمش شدے — گر ز مقصود علف واقف بدے

پس ستون این جہاں خود غفلت است — چیست دولت کاین دوادو بالت است

اولش دودو بآخر لت بخور — جز درین ویرانہ نبود مرگ خر

تو بجد کارے کہ بگرفتے بدست — عیبش این دم بر تو پوشیدہ شدہ است

زاں ہمی تانی بدادن تن بکار — کہ بپوشید از تو عیبش کردگار

ہمچنیں ہر فکر کہ گرمے دراں — عیب آں فکرت شدہ است از تو نہاں

بر تو گر پیدا شدے زان عیب و شین — زاو رمیدے جانت بعد المشرقین

حال کاخر زو پشیماں می شوی — گر شود ایں حالت اول کے دوی

پس بپوشید اول آں بر جان ما — تا کنیم آں کار بر وفق قضا

چوں قضا آورد حکم خود پدید — چشم واگشت و پشیمانی رسید

ویں پشیمانی قضائے دیگر است — ایں پشیمانی بہل حق را پرست

ور کنی عادت پشیماں خور شوی — زیں پشیمانے پشیماں تر شوی

نیم عمرت در پریشانی شود — نیم دیگر در پشیمانی رود

ترک ایں فکر و پشیمانی بگو — حال و یار و کار نیکوتر بجو

ور نداری کار نیکوتر بدست — پس پشیمانیت بر فوت چہ است

گر ہمی دانی رہ نیکو پرست — ورنہ دانی چوں بدانی کان بدست

بدندانی چوں ندانے نیک را ۔۔۔ ضد را از ضد تواں دید اے فتے
چوں ز ترک فکر ایں عاجز شدی ۔۔۔ از گنہ آنگاہ ہم عاجز بدی
چوں بُدی عاجز پشیمانی ز چیست ۔۔۔ عاجزی را باز جو کز جذب کیست
عاجزے بے قادرے اندر جہاں ۔۔۔ کس ندیدست و نباشد ایں بداں
ہمچنیں ہر آرزو کہ مے بری ۔۔۔ تو ز عیب آں حجابے اندری
ور نمودے علت آں آرزو ۔۔۔ خود رمیدے جان تو از جستجو
گر نمودے عیب آں کار او ترا ۔۔۔ کس نبردے کش کشاں آنسو ترا
واں دگر کارے کزاں ہستی نفور ۔۔۔ زاں بود کہ عیبش آمد در ظہور
اے خدائے رازداں خوش سخن ۔۔۔ عیب کار بد ز ما پنہاں مکن
عیب کار نیک را منما بما ۔۔۔ تا نگردیم از روش سرد و ہبا

اوپر چونکہ عقل زاغ یعنی کوے کی عقل کا تذکرہ آیا تھا اس مناسبت سے اب مولانا عقل زاغ یعنی چور بھور حریص اور ادہر ادہر بھٹکنے والی عقل کا بیان کرتے ہیں۔ جو ضد ہے عقل ما زاغ یعنی صرف مقصود پر نظر رکھنے والی عقل و بضدہا تتبین الاشیاء اسلئے عقل ما زاغ کا بیان بھی کرتے ہیں پس مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے عقلِ کامل و عقل معاد کی نسبت فرمایا ہے ما زاغ البصر وما طغیٰ یعنی عقل کل کی نظر صرف مقصود پر ہوتی ہے۔ اور اس مقصود سے تجاوز نہیں کرتی۔ برخلاف اسکے عقل جزوی و عقل ناقص ہر طرف دیکھتی اور ادہر ادہر بھٹکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ عقل ما زاغ کا مصداق تو نور اہل اللہ ہے کہ وہ صرف مطلوب بین ہے اور عقل زاغ وہ ہے جو مردوں کے لئے قبریں کھودنا سکھلاوے یعنی محقر اور دنیاوی امور میں مصروف ہو۔ (چونکہ عقل زاغ دو احتمال رکھتی ہے اول یہ کہ یعنی

عقل زائغ ہو۔ دوسرا یہ کہ بمعنی عقل غراب ہو۔ لہذا مولانا نے معنی اول مراد لیکر اُس کو عقل بازاغ
کا مقابل بنایا۔ اور معنی ثانی کے ایہام کے لحاظ سے استاد گور مردگان استعمال کیا۔ اور مضمون
مابعد بھی اسی ایہام کے لحاظ سے ہی) دیکھو جو شخص کووں کی پیروی کریگا اُسکو کوّے قبرستان
میں لیجائیں گے کیونکہ اُنکا مرجع وہی ہے اسلئے کہ وہاں اُنکو اُنکی غذا ملتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا
تو اب سنو کہ سب سے بڑا کوّا نفس ہے اسکے پیچھے ہرگز نہ جانا کیونکہ یہ لامحالہ تمہیں ہلاکت کی جگہ
لیجاویگا۔ اور راحت کی جگہ کبھی نہ لیجاویگا ہاں اگر تمہیں چلنا ہے تو عنقائے دل کے پیچھے
پیچھے عالم غیب کی طرف چلو۔ جو اس عنقا کا مقام ہونیکی جہت سے مثل کوہ قاف کے ہے۔ اور
اس سلیمان کا مرجع ہونیکے لحاظ سے مثل مسجد اقصٰی کے۔ یاد رکھو کہ جسطرح عالم غیب مسجد اقصٰی
دل ہے یوں ہی دل خود تیرے لئے مسجد اقصٰی ہے اور تیری اس مسجد اقصٰی میں ہر دم تیرا خیال
کا ایک نیا گھاس اُگتا ہے۔ پس تو سلیمان علیہ السلام کی طرح اسکا پورا حق ادا کر۔ اور تحقیق
کر کہ وہ خیال کیا ہے اور اسکی خاصیت کیا ہے اور اس تحقیق پر کاربند ہو۔ اگر برا ہو اسکے ازالہ
کی تدبیر کر۔ اچھا ہو تو اسکو لیلے۔ اور اُسکو پامال اور نظر انداز مت کر ہم نے جو کہا ہے کہ تحقیق کر
اور اُسے نظر انداز مت کر اسکی وجہ یہ ہے کہ اس زمین متعارف کی حالت اُسکے رنگ برنگ کی بوٹیوں
معلوم ہوتی ہے۔ اور اسکے ترجمان اسکے نباتات ہوتے ہیں خواہ وہ گنے ہوں یا بانس یعنی اچھے ہوں
یا برے جب تمہیں یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ اسی طرح دل کے افکار و خیالات جو اس
زمین کیلئے نباتات ہیں اسکے اسرار بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اچھا ہے یا برا پس تم افکار
و خیالات کی تحقیق کرو تاکہ اُسکے ذریعہ سے تمہیں اپنے دل کی حالت معلوم ہو۔ اچھا اب میں اس
بیان کو ختم کرتا ہوں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ میرا قاعدہ ہے کہ اگر مجمع میں کوئی محرک کلام ہوتا ہے جو بات
کو کھینچتا ہے تو میں چمن میں ہزاروں پھول کھلا دیتا ہوں۔ اور نہایت عمدہ اور دلکش باتیں کرتا ہوں
اور اگر محرک و جاذب سخن کوئی نا اہل ہوتا ہے تو میرے دل سے نکتے چور کی طرح بھاگ جاتے ہیں
پس چونکہ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے اسلئے خاموشی ہی بہتر ہے اور نا اہلوں سے دقیق باتوں کا
چھپانا ہی اچھا ہے۔ میں نے جو کہا ہے کہ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ میں
خاموش ہو گیا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جاذب صادق کی طرف ہر شخص کو حرکت ہوتی ہے اور جذب

صادق جذب کاذب کی مثل نہیں ہے۔ جو بدون کھینچے چھوڑ دے۔ پس ثابت ہوا کہ سامعین میں
جذب صادق نہیں اور وہ سننے کے اہل نہیں۔ چونکہ مولانا نے فرمایا ہے کہ جاذب کی طرف
ہر ایک کو حرکت ہوتی ہے اسلئے اب اسکے مناسب مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو
جو کبھی غلط اور کبھی صحیح چال چلتا ہے یہ بھی ایک جاذب کے جذب کا اثر ہے۔ مگر ڈوری
کھینچنے والا محسوس نہیں اسلئے تو اس ڈوری اور جاذب کا منکر ہے یاد رکھ کہ تو ایک اندھا اونٹ
ہے اور تیری مہار دوسرے کے قبضہ میں ہے پس تو مہار کو نہ دیکھ کیونکہ تو اپنے اندھے پن کے سبب اسے
دیکھ نہیں سکتا۔ بلکہ کشش کو دیکھ اور سمجھ کہ ضرور میری ڈوری کسی کے ہاتھ میں ہے۔ اب رہی یہ
بات کہ وہ ڈوری کھینچنے والا دکھائی کیوں نہیں دیتا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ محسوس ہوتا
تو پھر دنیا دہوکا گھر کاہے کو رہتا اور کوئی دہوکا کاہے کو کھاتا۔ اور معنی امتحان کیونکر تحقق ہوتے
مثلاً اگر کافر یہ دیکھتا کہ میری باگ ایک کتے کے قبضہ میں ہے اور میں اسکے پیچھے جارہا ہوں اور
شیطان کا مسخر ہوں تو بھلا وہ قیدیونکی طرح اسکے پیچھے پیچھے کیسے چلتا۔ ایسی حالت میں ہر شخص
بچہ بوڑھا جوان سب کے سب رک جاتے۔ اور کافر بھی رک جاتا اور اسکے پیچھے نامردونکی طرح
کبھی نہ چلتا۔ علی ہذا اگر گائے کو قصائیونکی حالت معلوم ہوتی تو وہ کہیں انکے پیچھے پیچھے انکی
دوکان پر جاتی سیا ان کے ہاتھ سے بھوسی کھاتی یا ان کے چمکارنے سے انہیں دودھ دیتی۔
ہرگز نہیں۔ اور اگر وہ چارہ کھا لیتی تو اگر اسے اس چارہ کا مقصد معلوم ہوتا تو اسے کہیں
یہ چارہ ہضم ہوسکتا تھا کبھی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جہان غفلت ہی سے قائم ہے اگر آج
حقائق منکشف ہوجائیں تو آج ہی سارا کارخانہ درہم برہم ہوجاوے۔ دیکھو اسوقت جو اکثر
لوگ طالب دولت ہیں اگر انکو دولت کی حقیقت معلوم ہوجائے تو پھر کوئی اسکا نام لے ہرگز
نہیں۔ کیونکہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ اسکے ابتدا میں دوڑ دہوپ ہے اور آخر میں لات پس دولت
کا حاصل یہ ہے کہ ابتدا میں دوڑ دہوپ کرو اور آخر میں لات کھاؤ یعنی دنیا میں اسکی تحصیل کیلئے
پریشان ہوں اور آخرت میں اسکا خمیازہ بھگتو۔ ایسی حالت میں اس ویرانہ میں کوئی گدہا ہی
جان دے سکتا ہے یعنی اسکی تحصیل میں کوئی بیوقوف ہی پھنس سکتا ہے۔ جو اسکی حالت سی
واقف نہو ورنہ جاننے والا تو کبھی بھی ایسا نکریگا۔ اور برتقدیر انکشاف حقائق تو کوئی گدہا

اور موقوف ہوتا ہی نہیں اسلئے اسکی تحصیل میں کوئی مرتا کھپتا ہی نہیں۔ پس وہ نتائج جو اسکے اشتغال پر مرتب ہوتے ہیں اسوقت وہ بھی مرتب نہوتے۔ اسی پر اور چیزوں کو قیاس کر لو مثلاً تم نے جس کام کو اسوقت ہاتھ میں لے رکھا ہے اسکا عیب تم سے پوشیدہ ہے اور چونکہ حق سبحانہ نے اس کام کے عیب کو تم سے پوشیدہ کر رکھا ہے اسی وجہ سے تم اپنے کو اس کام کے حوالہ کر سکے ہو۔ یہ تو کام کے متعلق گفتگو تھی اسی پر خیال کو قیاس کر لو اور سمجھ لو کہ جس خیال میں تم منہمک ہو اسکا عیب تم سے مخفی ہے۔ لیکن اگر اسکا عیب اور اسکی برائی تم پر ظاہر ہو جاتی تو تم اس سے کوسوں دور بھاگتے۔ نیز جس حالت سے تم آخر میں پشیمان ہوتے ہو۔ پس اگر یہ حالت تمہاری جواب ہے پہلے ہوتی اور تم ابتدا ہی میں اسکی برائی سے واقف ہو جاتے جیسے کہ اب ہو تو تم اسکے لئے جد وجہد کیسے کرتے۔ اس وجہ سے حق سبحانہ نے اولاً اسکو ہم سے چھپایا۔ تاکہ تقدیر الٰہی کے موافق ہم اس کام کو کر لیں اور جبکہ قضاء الٰہی اپنا کام کر چکی تو اب آنکھ کھلی۔ اور پشیمانی اسپر پہنچی۔ ایک قضا تو یہ تھی کہ تم وہ کام باختیار خود کرو دوسری قضا یہ ہے کہ اب تم باختیار خود پشیمان ہو۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اب یہ پشیمانی جسمیں مشغول ہو کہ اسکی وجہ سے اور اچھے کاموں میں جی نہیں لگاتے۔ فضول ہے۔ اسکو چھوڑو اور حق سبحانہ کی عبادت کرو۔ اور اسمیں مشغول ہو پشیمانی میں مشغول ہونیکا کچھ نتیجہ نہیں۔ بلکہ سراسر مضر ہے۔ کیونکہ اگر تم اسکو عادت بنا لو اور پشیمانی کے عادی ہو جاؤ تو اس پشیمانی سے اور زیادہ پشیمان ہوگے۔ کیونکہ آدھی عمر تو تمھاری پریشانی اور معاصی کیلئے سرگردانی میں ضائع ہوئی۔ اور آدھی پشیمانی میں۔ تو ساری عمر مفت ضائع ہو گئی اور سامان آخرت تمھارے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ پس تم اس فکر و پشیمانی ممتد کو چھوڑ دو اور معصیت سے باقاعدہ توبہ و استغفار کر کے اچھی حالت اچھے یار اور اچھے کام کی طلب میں لگجاؤ۔ اگر تم کہو کہ ہمیں کوئی اچھا کام کرنا ہی نہیں اور ہمیں کسی کام کے اچھا ہونے کا علم ہی نہیں تو پھر پشیمانی تمہیں کس چیز کے ضائع ہونے پر ہے۔ کیونکہ اس پشیمانی کے معنی تو یہ ہیں کہ میں نے برا کام کیا برا کیا۔ اگر اچھا کام کرتا تو اچھا ہوتا۔ پس جبکہ تم کو اچھا کام کرنا ہی نہیں اور تم اسے جانتے ہی نہیں تو اسکے کیا معنی کہ میں نے اسکے بجائے فلاں اچھا کام کیوں نہ کیا۔ پس اگر تم جانتے ہو کہ فلاں رستہ اچھا ہے تو اسمیں لگجاؤ اور اگر تم کسی رستہ

اور کسی بات کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تو اس کام کو جسپر تم پشیماں ہو برا کیسے سمجھتے ہو۔ نیز اگر تم اچھی کو نہیں جانتے تو لازم ہے کہ برے کو بھی نہ جانو۔ کیونکہ برے کو جاننے کی صورت میں اچھے کام کا جاننا ضروری ہی کیونکہ ایک ضد سے دوسری ضد ضرور معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً تم جانتے ہو کہ ظلم بری شئے ہے تو لازم ہی کہ تمہیں اسکا علم ہو۔ کہ عدل اچھی چیز ہے واللازم باطل فالملزوم مثلہ اسیر اگر تم یہ کہو کہ میں ترک پشیمانی پر قادر نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ جس معنی کر تم ترک پشیمانی سے عاجز ہو اسی معنی کر تم گناہ سے بھی عاجز تھے اور جبکہ ترک گناہ سے عاجز تھے تو اب ندامت کیسی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ عجز عارضی منافی اختیار اصلی نہیں۔ اب تمکو چاہئے کہ اس عجز کا مبنی تلاش کرو اور اول اسکا قلع قمع کرو۔ تاکہ یہ عجز عارضی مرتفع ہو۔ خوب سمجھ لو کہ یہ عجز جو ہمارے زیر بحث ہی اور جسکو تم عذر قرار دے رہے ہو نہ بدوں قدرت کے کسی نے دیکھا ہے اور نہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ عجز مجتمع مع القدرۃ و منبی عن الاختیار ہے پس یہ ہرگز عذر نہیں ہو سکتا خیر یہ بحث تو استطرادی تھی اب ہم پھر مضمون سابق کو بیان کرتے ہیں سنو تم جو آرزو کرتے ہو اسکی وجہ یہ ہی کہ تم پر اسکا عیب ظاہر نہیں۔ اور اگر اس تمنی کا نقص تمہیں معلوم ہوتا تو تم خود اسکی طلب سے بھاگتے اور کبھی اسکی طلب کا نام نہ لیتے۔ اور اگر اس کام کا عیب تمہیں معلوم ہوتا تو تم خود تو کیا اس کام کو کرتے کسی کی زبردستی سے بھی نہ کرتے۔ اور جس کام سے تمہیں نفرت ہی اسکی وجہ یہ ہی ہے کہ اسکا عیب ظاہر ہو گیا ہے اس گفتگو کو اس جگہ ختم کرکے مولانا مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عالم اسرار و خوش کلام خدا تو ہمارے کاموں کی برائیوں کو ہم پر ظاہر کردے اور انکو ہم سے مت چھپا تاکہ ہم ان سے مجتنب رہیں اور ہمارے اچھے کاموں کے عیوب ہم پر ظاہر نہ کر تاکہ ہم انکو رد کرکے دل سرد اور محقر نہ بنیں اب مولانا پھر قصہ سلیمان علیہ السلام کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

ہم بر آں عادت سلیماں سنی	رفت در مسجد میان روشنی
قاعدہ ہر روز را می جست شاہ	کہ بہ بیند مسجد اندر نو گیاہ
دل بہ بیند سر بداں چشم صفی	آں حشائش کہ شد از عامہ خفی

قصہ ایک صوفی کا کہ باغ کے اندر مراقبہ میں مشغول تھا تو اس کے دوستوں نے کہا کہ سر اٹھا کر باغ اور خوشبوؤں کی سیر کر کہ قرآن میں آیا ہے انظروا الی آثار رحمۃ اللہ

صوفیے در باغ از بہر کشاد
صوفیانہ روئے بر زانو نہاد

پس فرو رفت او بخود اندر نغول
شد ملول از صورت خوابش فضول

کہ چہ خسپی آخر اندر رز نگر
ایں درختاں بیں و آثار خضر

امر حق بشنو کہ گفت است انظروا
سوئے ایں آثار رحمت آر رو

گفت آثارش دل است ای بوالہوس
آں بروں آثار آثارست و بس

باغہا و سبزہا در عین جاں
بر بروں عکسش چو در آب رواں

آں خیال باغ باشد اندر آب
کہ کند از لطف آب آں اضطراب

باغہا و میوہا اندر دل است
عکس لطف آں بریں آب و گل است

گر نبودے عکس آں سرو سرور
پس نخواندے ایزدش دار الغرور

ایں غرور آنست یعنی آں خیال
ہست از عکس دل و جان رجال

جملہ مغروراں بریں عکس آمدہ
بر گماں کایں بود جنت کدہ

می گریزند از اصول باغہا
بر خیالے میکنند ایں لاغہا

چونکہ خواب غفلت آید شاں بسر
راست بینند و چہ سود ست از نظر

پس بگورستان غریو افتاد و آہ
تا قیامت زیں غلط وا حسرتاہ

اے خنک آنکس کہ پیش از مرگ مُرد	یعنی او از اصل ایں رز بوئے برد

سلیمان علیہ السلام کا مسجد اقصیٰ کے گوشہ میں خروب کے اگنے سے غمگین ہونا جبکہ خروب نے اپنی خاصیت بیان کی

ہمچنیں روزے سلیمان از قضا	شد بعادت مسجد اندر اے فتے
نو گیاہے دید اندر گوشۂ	رستہ بروے دانہ ہمچوں خوشۂ
دید بس نادر گیاہے سبز و تر	می ربود آں سبزیش نور از بصر
پس سلامش کرد در حال آں حشیش	او جوابش گفت و بشگفت از خوشش
گفت نامت چیست برگو بیدہاں	گفت خروبست اے شاہ جہاں
گفت اندر تو چہ خاصیت بود	گفت من رستم مکان ویراں شود
من کہ خروبم خراب منزلم	ہادم بنیاد ایں آب و گلم
پس سلیمان آں زماں دانست زود	کہ اجل آمد سفر خواہم نمود
گفت تا من ہستم ایں مسجد یقیں	در خلل ناید ز آفات زمیں
تا کہ من باشم وجود من بود	مسجد اقصےٰ مخلل کے شود
پس خرابے مسجد ما بیگماں	نبود الا بعد مرگ ما بداں
مسجد ست آں دل کہ جسمش ساجد است	یار بد خروب ہر جا مسجد است
یار بد چوں رست در تو مہر او	ہیں ازو بگریز و کم کن گفتگو
برکن از بیخش کہ گر سر بر زند	مر ترا و مسجدت را بر کند

عاشقا خروب تو آمد کژی / ہمچو طفلاں سوئے کژ چوں می غژی

خویش را نادان و مجرم گو بترس / تا ندزدد از تو آں استاد درس

چوں بگوئی جاہلم تعلیم دہ / اینچنیں انصاف از ناموس بہ

از پدر آموز اے روشن جبیں، / ربنا گفت و ظلمنا پیش ازیں

نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت / نے لوائے مکر و حیلہ بر فراخت

باز آں ابلیس بحث آغاز کرد / کہ بدم من سرخ رو کردیم زرد

رنگ رنگ تست صباغم توئی / اصل جرم و آفت و داغم توئی

ہیں بخواں رب بما اغویتنی / تا نگردی جبری و کژ کم تنی

بر درخت جبر تا کے برجہے / اختیار خویش را یکسو نہے

ہمچو آں ابلیس و ذریات او / با خدا در جنگ اندر گفتگو

چوں بود اکراہ با چندیں خوشی / کہ تو در عصیاں ہمی دامن کشی

آنچناں خوش کس رود در مکرہے / کس چناں رقصاں رود در گمرہے

بیست مردہ جنگ می کردی دراں / چوں ہمی دادند پندت دیگراں

کہ صواب اینست و رہ اینست و بس / کہ زند طعنہ مرا جز ہیچکس،

کے چنیں گوید کسے کو مکرہ است / چوں چنیں جنگد کسے کو بی رہ است

ہر چہ نفست خواست داری اختیار / ہر چہ عقلت خواست آری اضطرار

داند آنکو نیکبخت و محرم است / زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

زیرکی آمد سباحت در بحار / کم رہد غرق است او پایان کار

بل سباحت را رہا کن کبر و کیں ‏ — نیست جیحوں نیست جو دریاست ایں
وانگہاں دریائے ژرف بے پناہ ‏ — در رباید ہفت دریا را چو کاہ
عشق چوں کشتی بود بہر خواص ‏ — کم بود آفت بود اغلب خلاص
زیرکی بفروش و حیرانی بخر ‏ — زیرکی ظن است و حیرانی نظر
عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ ‏ — حسبی اللہ گو کہ اللہ ام کفیٰ
ہمچوں کنعاں سر ز کشتی وا مکش ‏ — کہ غرورش داد نفس زیرکش
کہ برآیم بر سر کوہ مشید ‏ — منت نوحم چرا باید کشید
چوں رہی از منتش اے بے رشد ‏ — کہ خدا ہم منت او مے کشد
چوں نباشد منتش بر جانِ ما ‏ — چونکہ شکر و منتش گوید خدا
تو چہ دانی اے غرارہ پر حسد ‏ — منت او را خدا ہم مے کشد
کاشکے او آشنا ناموختے ‏ — تا طمع در نوح و کشتی دوختے
کاش چوں طفل از حیل جاہل بدے ‏ — تا چو طفلاں چنگ در مادر زدے
یا بعلم نقل کم بودے ملے ‏ — علم وحی دل ربودی از ولے
با چنیں نورے چو پیش آری کتاب ‏ — جانِ وحی آسائے تو آرد عتاب
چوں تیمم با وجود آب داں ‏ — علم نقلے با دم قطب زماں
خویش ابلہ کن تبع می رو سپس ‏ — رستگی زیں ابلہی یابی و بس
اکثر اہل الجنۃ البلہ اے پدر ‏ — بہر ایں گفتست سلطان البشر
زیرکی چوں کبر باد انگیز تست ‏ — ابلہی شو تا بماند دیں درست

ابلہی نے کو بسخرگی دو توست | ابلہی نے کز شقاوت مال جوست
ابلہی کو والہ و حیران ہوست | باشد اندر گردن او طوق دوست
ابلہانند آں زنان دست بر | از کف ابلہ در رخ یوسف نظر
عقل را قربان کن اندر عشق دوست | عقلہا بارے ازان سویست کوست
عقلہا آنسو فرستادہ عقول | ماندہ ایں سو آنکہ گول است و فضول
زیں سر از حیرت گر ایں عقلت رود | ہر سر مویت سر و عقلے شود
نیست آنسو رنج فکرت بر دماغ | کز دماغ و عقل روید دشت و باغ
سوئے دشت از دشت نکتہ بشنوی | سوئے باغ آئی شود نخلت روی
اندریں رہ ترک کن طاق و طرنب | تا قلاوزت بجنبد تو مجنب
ہر کہ او بے سر بجنبد دم بود | جنبشش چون جنبش کژدم بود
کژروست و کور و زشت و زہرناک | پیشۂ او خستن اجسام پاک
سر بکوب آنرا کہ سرش ایں بود | خلق و خوئے مستمرش ایں بود
خود صلاح اوست ایں سر کوفتن | تا رہد جاں ریزہ اش زیں شوم تن
واستاں از دست دیوانہ سلاح | تا ز تو راضی شود عدل و صلاح
چوں سلاحش ہست و عقلش نے ببند | دست او را ورنہ آرد صد گزند

بیان اسکا کہ بدگوہر کو علم و مال و جاہ حاصل ہونا اسکے لئے باعث رسوائی ہے اور ایسا ہے جیسے ڈاکو کے

ہاتھ میں تلوار دیدی جاوے،

بد گہر را علم و فن آموختن | دادن تیغ بدست راہزن
تیغ دادن در کف زنگی مست | بہ کہ آمد علم ناکس را بدست
علم و مال و منصب و جاہ و قراں | فتنہ آمد در کف بدگوہراں
پس غزا زیں فرض شد بر مومناں | تا ستانند از کف مجنوں سناں
جان او مجنوں تنش شمشیر او | واستاں شمشیر را زیں زشت خو
آنچہ منصب میکند با جاہلاں | از فضیحت کے کند صد ارسلاں
عیب او مخفی است چوں آلت بیافت | مارش از سوراخ بر صحرا اشتافت
جملہ صحرا مار و کژدم پر شود | چونکہ جاہل شاہ حکم مر بود
مال و منصب ناکسے کارد بدست | طالب رسوائے خویش او شدہ است
یا کند بخل و عطا ہا کم دہد | یا سخا آرد بنا موضع نہد
شاہ را در خانۂ بیدق نہد | اینچنیں باشد عطا کاحمق دہد
حکم چوں در دست گمراہے فتاد | جاہ پندارید و در چاہے فتاد
رہ نمیداند قلاوزی کند | جان زشت او جہاں سوزی کند
طفل راہ فقر چوں پیری گرفت | پیروانرا غول او بیری گرفت
کہ بیا تا ماہ بنمایم ترا | ماہ را ہرگز ندید آں بے ضیا،
چوں نمائی چوں ندیدستی بعمر | عکس مہ در خواب ہم اے خام غمر

احمقاں سرور شدستند وزبیم	عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم

غرضکہ سلیمان علیہ السلام ایک روز حسب معمول روشنی صبح میں مسجد اقصےٰ میں تشریف لیگئے اور
ہر روز کے قاعدہ سے آپ اسکے متلاشی تھے کہ کوئی نئی بوٹی نظر آئے۔ اب مولانا یہاں سے عارف
کی حالت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جسطرح سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ میں انواع
واقسام کی بوٹیاں مشاہدہ کرتے تھے یوں ہی قلب عارف اپنی برگزیدہ آنکھ سے پوشیدہ طور
پر وہ بوٹیاں مشاہدہ کرتا ہے جو عوام سے مخفی ہیں۔ یعنی احوال باطنیہ وواردات غیبیہ چنانچہ
ایک صوفی نے باغ کے اندر تفریح کیلئے حسب عادت صوفیاں گھٹنوں پر سر رکھ لیا اور اپنی
حالت میں یوں مشغول ہوگیا۔ جیسے کوئی نہایت گہرے گڑہے میں اتر جاتا ہے۔ اس کے
اس سونے کی سی حالت کو دیکھکر ایک بیہودہ شخص دل تنگ ہوا اور کہا کہ میاں سوتے
کیا ہو ذرا انگور ونکو دیکھو اور درخت وغیرہ جو رحمت الٰہیہ یعنی باران رحمت کے سرسبز و
شاداب آثار ہیں انکا مشاہدہ کرو۔ اور حق سبحانہ کے حکم کی تعمیل کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے
انظروا الیٰ آثار رحمۃ اللہ یعنی آثار رحمت خداوندی کی طرف متوجہ ہوکر انکو دیکھو۔
یہ سنکر اس صوفی نے جواب دیا کہ آثار رحمۃ اللہ کا ابتدار وبالذات مصداق دل مع مافیہ ہے
اور یہ آثار جو عالم میں ہیں وہ ان آثار کے آثار اور بواسطہ قلب انکا مصداق ہیں کیونکہ اصلی
باغ اور سبزے تو جان میں ہیں۔ اور عالم میں جو باغ اور سبزے ہیں یہ انکا عکس ہیں۔
جسطرح کہ پانی میں ظاہری باغوں اور سبزوں کا عکس ہوتا ہے۔ دیکھو جو باغات وسبزے
پانی کی لطافت کے سبب اسمیں متحرک ہوتے ہیں وہ اصلی باغ اور سبزے نہیں ہوتے۔ بلکہ
انکا عکس ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا جو باغ اور سبزے دل کے اندر ہوتے ہیں انکی پاکیزگی کا
عکس اس آب وگل پر پڑ گیا ہے۔ اسلئے یہ خوشنما اور دلکش ہیں کیونکہ اگر یہ عالم مثلاً
سرور اہل اللہ کا جو کہ ان کے باغ کیلئے مثل سروکے ہے عکس نہوتا تو حق سبحانہ اسکو
دار الغرور یعنی دہوکہ کا گھر نفرماتے اسلئے کہ وہ دہوکہ جسکی بنا پر اسکو دار الغرور کہا گیا
ہے یہی ہے کہ یہ اشیاء عالم جو درحقیقت بے حقیقت ہیں اہل اللہ کے دل وجان کا
عکس ہیں پس اگر یہ تنہا ہی غلط ہے تو اسکو دار الغرور کہنا ہی صحیح نہیں جب یہ ثابت

ہو گیا کہ یہ عالم دار الغرور ہے اور دار الغرور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس عالم کی اشیاء قلوب اہل اللہ کے احوال کا عکس ہیں مگر دیکھنے میں اشیاء واقعیہ معلوم ہوتے ہیں تو اب سمجھو کہ جتنے لوگ دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ ان عکوس ہی کو اصول سمجھتے ہیں اور اسی کو جنت کدہ سمجھکر اُسے لپٹے ہوئے اور اُسی کو مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں اور جو لوگ ان باغوں کا مبدا ہیں یعنی اہل اللہ ان سے بھاگتے ہیں اور جو چیزیں کہ عکوس ہیں اُن میں فضول مصروف ہیں لیکن جب انکی خواب غفلت ختم ہوگی اُسوقت انکو حقیقت حال معلوم ہوگی مگر اُسوقت یہ معلوم ہونا محض بے سود ہوگا۔ کیونکہ علم سے مقصود عمل ہے اور عمل کا وقت اُسوقت نکل چکا ہوگا۔ اسلئے اس غلطی کے سبب قیامت تک تمام قبرستان میں ایک شور اور واویلا مچی ہوگی۔ جسکا ہم کو سخت افسوس ہے۔ اسے جلیل ہے اسکے لئے جو مرنے سے پہلے ہی مر گیا یعنی جو بات کہ وہ مرنے کے بعد معلوم کرتا وہ زندگی ہی میں معلوم کرلی۔ اور ان انگوروں وغیرہ کی اصل اور حقیقت اُسے معلوم ہو گئی۔ (ف تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ تمام عالم مظہر اسماء وصفات آلٰہیہ ہے اور انسان کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب کسی نہ کسی اسم وصفت کا مظہر ہیں اور انسان تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے اسلئے انسان اکمل ہوگا بہ نسبت تمام عالم کے اور انسانوں میں اہل اللہ مظہر اتم واکمل ہیں اسلئے وہ بہ نسبت اور انسانوں کے اکمل ہوں گے پس جبکہ اہل اللہ سب سے اکمل ہیں اسلئے وہی مقصود ہونگے کیونکہ بناء مقصودیت کمال ہے۔ اور جب وہ مقصود ہونگے تو وہی متبوع ہونگے اور دیگر اشیاء تابع اور جبکہ وہ متبوع ہونگے اور دیگر اشیاء تابع تو وہ مشابہ حقیقت ہوں گے اور دیگر اشیاء شبیہ ظلال وعکوس اس لئے مولانا نے ان کو اصول وحقائق قرار دیا اور دوسروں کو ظلال وعکوس اور ان مختلف عنوانوں سے ظاہر کیا۔ کبھی دل کو اصل کہا کبھی جان کو اور کبھی احوال قلب وغیرہ کو۔ پس مولانا کے ظاہر بیان سے کسی کو شبہ نہونا چاہئے اور اس عالم کو واقع میں خیال اور ایسا عکس نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ درختوں کا سایا پانی میں ہوتا ہے) اب مولانا پھر قصۂ سلیمان علیہ السلام کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جسطرح وہ ہر روز مسجد اقصٰے میں جایا کرتے تھے یوں ہی حسب

معمول ایک روز اُس مسجد میں گئے۔ اور ایک کونہ میں ایک نئی بوٹی اُگی ہوئی دیکھی جس پر خوشۂ انگور کی طرح دانہ لگے ہوئے تھے اور اُنھوں نے ایک عجیب اور سرسبز بوٹی دیکھی جسکی سبزی اپنی عمدگی کے سبب آنکھ سے نور اچکتی تھی پس اس بوٹے نے فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلام کیا اُنھوں نے اسکے سلام کا جواب دیا اور اسکی خوبی کو دیکھکر کھلگئے پھر فرمایا کہ اے بوٹی تو بتا کہ تیرا نام کیا ہے اُس نے عرض کیا کہ میرا نام خروب ہے اسپر اُنھوں نے دریافت فرمایا کہ تجھ میں کیا خاصیت ہے اُس نے عرض کیا کہ جہاں میں پیدا ہوتی ہوں وہ مقام ویران ہوجاتا ہے چونکہ میرا نام خروب ہے اسلئے میں اپنے مقام روئیدگی کی ویرانی کا سبب اور اسکے آب وگل کی بنیاد کو ڈہا دینے والی ہوں۔ یہ سنکر حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ میرے انتقال کا وقت آگیا ہے اور اب میں دار البقار کو رحلت کرنے والا ہوں۔ کیونکہ اُنھوں نے اپنے دل میں کہا کہ اِس مسجد کا ویران ہونا تو یقینی ہے اور جب تک میں ہوں اُسوقت تک یہ یقیناً ویران نہوگی اور آفات ارضیہ سے اسکی عمارت میں کوئی خلل واقع نہوگا۔ اور جب تک میں ہوں اور میرا وجود ہے اسوقت تک مسجد اقصیٰ میں کوئی خرابی نہیں آسکتی اسلئے ضرور ہے کہ میں انتقال کر جاؤں اور مسجد اقصٰے کی ویرانی میرے بعد ہو۔ اب مولانا یہاں سے دوسرے مضمون مناسب کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل ایک مسجد ہے کیونکہ جسم اسکا مطیع ومنقاد ہے اور وہ اسکے لئے بمنزلہ قبلہ کے ہے اور جہاں کہیں یہ مسجد ہو یار بد اسکے لئے بمنزلہ خروب کے ہے جو اسکو ویران کرنے والا ہے۔ پس جب کسی یار بد کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو تمکو اس سے بھاگنا اور احتراز کرنا چاہئے اور کچھ چوں وچرا نہ کرنی چاہئے اور اس خروب کی جڑ اکھیڑ ڈالنا چاہئے کیونکہ جب وہ ظاہر ہوگا تو تمکو اور تمہاری مسجد کو جڑ سے اکھیڑ ڈالیگا یعنی تمکو خسران ابدی میں مبتلا کر دیگا۔ جو بمنزلہ فنا وموت وویرانے کے ہے۔ جب مولانا نے یہ نصیحت فرمائی تو گویا کہ اس شخص کی طرف سے عدم ترک یار بد کیلئے طرح طرح کے عذر وحیلہ پیش ہوئے جیسا کہ ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے جسکی طرف مولانا نے لم کن گفتگو سے اشارہ کیا۔ اسلئے اب مولانا ان اعذار کا قلع قمع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اس یار بد کے عاشق اور اسکو نہ چھوڑنے کیلئے طرح طرح کے حیلہ بہانے کرنے والے یہ تیری کجروی یعنی نصیحت

کو نہ ماننا اور طرح طرح کے حیلہ بہانہ کرنا تیرے لئے دوسرا خروج ہے۔ پس تو کجی کی طرف بچونکی طرح گھٹنوں کے بل کیوں جاتا ہے اسے اپنے کو جاہل بنانے اور اپنے جرم کا اقرار کر اور اس ڈر کہ استاد اور ناصح مشفق تجھ سے سبق نصیحت و تعلیم چھپالے اور تجھے خود تیرے حوالہ کردے۔ جب تم یہ کہوگے کہ میں ناواقف ہوں آپ مجھے تعلیم دیجئے تو یہ انصاف تمہارے اقرار جہل کی عار سے بہتر ہوگا تم اپنے باپ سے سبق حاصل کرو۔ کہ جب اُن سے لغزش ہوگئی تو انھوں نے اپنے جرم کا صاف طور پر اقرار کیا۔ اور کہا کہ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین اور کوئی بہانہ اور کوئی تلبیس نہیں کی اور کوئی فریب کوئی حیلہ نہیں کیا حضرت آدم علیہ السلام نے تو یہ کیا برخلاف اسکے ابلیس نے اپنے جرم پر بحث شروع کردی۔ اور کہا کہ میں تو سرخرو تھا آپ ہی نے مجھے زود رد کیا پس میرا رنگ آپ ہی کا بخشا ہوا ہے اور میرے رنگنے والے آپ ہی ہیں اور میرے جرم کا منشا اور میری اس تکلیف کا سبب آپ ہی ہیں۔ میں ان مضامین کو ابلیس کی طرف اپنی طرف سے منسوب نہیں کرتا بلکہ اسکا یہ بیان خود کلام اللہ میں موجود ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں قال فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطك المستقيم یعنی چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے اسلئے میں یہ کرونگا کہ لوگوں کی رہزنی کیلئے آپکے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤنگا اسمیں اس نے صاف طور پر اپنی گمراہی کا الزام حق سبحانہ پر رکھا ہے۔ پس خبردار تم شیطان کی تقلید کرکے جبری نہ بننا اور کجروی نہ اختیار کرنا۔ دیکھو تم اچھلکر درخت جبر پر کب تک چڑھتے ہوگے اور اختیار کو کب تک چھوڑتے رہوگے بجا لیکہ تم ابلیس اور اسکی ذریات کیطرح خدا سے جنگ اور مباحثہ پر شیفتہ ہو۔ ذرا تم سوچو تو سہی کہ اسقدر خوشی کے ساتھ جس سے تم گناہ پر مستعد ہوتے ہو۔ اکراہ اور جبر کیونکر جمع ہوسکتا ہے۔ اور غور تو کرو کہ جو شخص کسی فعل پر مجبور کیا گیا ہو۔ وہ اسکی طرف کہیں اس خوشی کیساتھ دوڑتا ہے جس خوشی کیساتھ تم دوڑتے ہو۔ اور کوئی گمراہی میں زبردستی سے یوں ذوق وشوق سے بھی جاتا ہے جسطرح تم جاتے ہو جبکہ یہ نہیں تو تم کیسے کہتے ہو۔ کہ ہم مجبور ہیں اور سنو جب تمکو کوئی نصیحت کرتا ہے تو تم ان سے یوں لڑتے ہو جیسے بیس آدمی لڑتے ہوں اور کہتے ہو کہ بیشک وہی ہے اور راہ راست صرف یہی ہے۔ ایسی حالت میں

جو مجھ پر طعنہ کرے وہ نالائق اور نااہل ہے۔ کیا اب بھی تم یہی کہوگے کہ میں مجبور ہوں۔ مکرہ ہوں اور بجبر و زبردستی اس کام کو کرتا ہوں۔ بھلا کہیں وہ شخص بھی ایسی باتیں کرتا ہے۔ جو فی الحقیقت مکرہ ہو۔ اور جو اپنی دانست میں غلط رستہ پر چل رہا ہو۔ وہ کیسے یوں کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ تم مکرہ نہیں ہو۔ اور نہ اپنی روش کو غلط سمجھتے ہو اصل بات یہ ہے کہ جس چیز کو تمھارا نفس چاہے۔ اسمیں تو تم بالکل مختار ہو۔ اور اسوقت تمہیں کوئی عذر وحیلہ نہیں سوجھتا اور عدم قدرت کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ اسلئے جھٹ پٹ اس کام کو کر لیتے ہو اور جس بات کا تمھاری عقل حکم کرے اسی میں تم اضطرار و جبر کا عذر لا کھڑا کرتے ہو۔ یہ کونسی انصاف کی بات ہے۔ دیکھو جو شخص سعادتمند اور عارف حق سبحانہ ہے وہ جانتا ہے اور اگر تم بھی ایسے ہو تو تم بھی جانو کہ ذکاوت محض صفت ابلیس ہے اور عشق صفت آدم کیونکہ شیطان نے خدا کے سامنے اپنی عقل سے کام لیا اور مناظرہ شروع کر دیا۔ اور آدم علیہ السلام نے کچھ بھی چوں وچرا نہ کی اور اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ اور یاد رکھو کہ محض عقل سے کام لینا سمندروں میں تیرنا ہے۔ اور سمندروں میں تیرنے والا آخر میں ضرور ڈوبتا ہے۔ پس تم اس پیراکی اور عقل محض غیر مشوب بعشق حق سے کام لینے کو چھوڑ دو اور تکبر اور مخالفت محققین کو خیرباد کہو۔ کیونکہ معرفت وطاعت حق سبحانہ کوئی جیحون یا معمولی ندی نہیں ہے۔ جسے تم تیر کر پار کر جاؤ۔ بلکہ یہ ایک سمندر ہے۔ اور سمندر بھی ایسا ویسا نہیں بلکہ اتنا گہرا اور ایسا بے پایاں کہ ساتوں سمندروں کو تنکے کی طرح اڑا لیجائے۔ پس اس سمندر میں عقل سے تیرنے والے کے ہاتھ پاؤں لامحالہ تھک جائیں گے اور وہ ڈوب جاویگا۔ اس دریا کے پار کرنے کا آلہ تو عشق ہے اسمیں ہلاکت نادر اور اغلب نجات ہے پس تم ذکاوت کو دے ڈالو اور اسکے بجائے حیرت عشق لیلو۔ کیونکہ زیرکی تو ایک ظن ہے جسمیں صحت وغلطی دونوں کا احتمال ہے۔ پس اگر ظن صحیح ہو گیا تو خیر اور اگر غلط ہو گیا تو مر گئے۔ برخلاف حیرت عشق کے کہ وہ بمنزلہ مشاہدہ کے ہے جسمیں غلطی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسمیں تو اطاعت محض اور تسلیم صرف ہوتی ہے۔ پھر غلطی کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی برگزیدہ ومقبول حق کے سامنے اپنی عقل کو قربان کر دے۔ اور اسے بالکل چھوڑ دے اور

کہدے کہ مجھے تیری ضرورت نہیں بلکہ مجھے صرف خدا کافی ہے بس تو وہی کرونگا اور وہی مانونگا
جو وہ کہیگا اور تیری طاعت نہ کرونگا۔ اور یاد رکھ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور انکے
جانشینوں کی اطاعت تیرے لئے بمنزلہ کشتی کے ہے جو تجھے اس بحر ناپیدا کنار سے پار کر کے
حق سبحانہ تک پہونچا ئیگی۔ پس تو اس کنعان کی طرح اس کشتی سے سرتابی نکرنا۔ جسکو اسکے
نفس زیرک نے دہوکھا دیا تھا۔ اور اس نے کہا تھا کہ میں اس مضبوط پہاڑ پر چڑھکر طوفان
سے بچ سکتا ہوں۔ پھر میں نوح کا احسان کیوں لوں۔ اس سے کوئی کہے کہ احمق تو ان کے
احسان سے کیوں بچتا ہے جنکے کارناموں کی حق سبحانہ بھی قدر کرتے ہیں۔ پس جبکہ حق سبحانہ
سے بے نیاز ان کے افعال کی قدر کرتے ہیں اور انکی وقعت کرتے ہیں تو ہم انکا احسان کیوں
نہ لیں۔ اور دہوکے میں پڑے ہوے حاسد تجھے انکا رتبہ کیا معلوم وہ تو وہ ہیں جنکے افعال
کو حق سبحانہ بھی وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ساری وجہ اس غرور اور گھمنڈ کی یہ تھی کہ وہ
تیرنا جانتا تھا۔ پس اے کاش وہ تیرنا نہ جانتا تاکہ وہ نوح اور انکی کشتی کا خواہاں ہوتا۔ اور
اس ذریعہ ہلاکت سے نجات پاتا۔ اور جسطرح کہ کنعان کو اپنے تیرنے پر ناز تھا یوں ہی اس
مزاحم اہل اللہ کو اپنی زیرکی اور چالاکی اور علم رسمی پر ناز ہے پس اے کاش وہ بچہ کی طرح تدابیر
سے ناواقف ہوتا اور جسطرح بچہ اپنے بچنے کیلئے کوئی تدبیر نہیں کرتا بلکہ ماں کو لپٹتا ہے یوں ہی
یہ بھی اہل اللہ کو پکڑتا۔ یا وہ علم رسمی سے پر نہوتا بلکہ علم الہامی اہل اللہ سے حاصل کرتا۔ اس سے
کوئی کہے کہ ارے احمق تو جو ایسے نور وحی والہام کے مقابلہ میں کتب عقلیہ کو پیش کرتا ہے اور
ان سے اسکو رد کرتا ہے اس سے تیری روح جو وحی سے مانوس ہے غصہ اور ناخوش ہوتی ہے گو
تجھے اسکا احساس نہیں ہوتا۔ یا ہوتا ہے مگر تو اسکی پرواہ نہیں کرتا تجھے یاد رکھنا چاہیئے کہ علوم
ومقالات اہل اللہ کے سامنے علوم نقلی ایسے ہیں جیسے پانی کے سامنے تیمم کہ ہرگز نہیں ٹھہرسکتے
اور کچھ بھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔ پس تو اپنے کو بیوقوف اور انجان بنالے۔ اور شیخ کے پیچھے پیچھے چلا
چل تیری نجات کا ذریعہ یہی ہے۔ اور تو اس سے نجات پا سکتا ہے۔ اور کسی چیز سے نہیں۔ اسلئے
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اہل جنت میں زیادہ لوگ وہ ہونگے جو بےعقل
ہونگے۔ دیکھو چونکہ یہ ذکاوت تمھارے بھلانے والے تکبر کا سبب ہے اسلئے تم اسے چھوڑو اور بیعقل

بنجاؤ تاکہ تمہارا دین بنا رہے بے عقل سے ہماری مراد وہ بے عقل نہیں جو مسخرہ پن پر جھکا ہوا
اور مائل ہوا اور نہ وہ بے عقل مراد ہے جو اپنی بدبختی سے طالب زر ہو بلکہ وہ بیعقل مراد ہے جسکی
عقل پر عشق الٰہی غالب آگیا ہو اور اسلئے وہ حیرت عشق میں مبتلا ہو۔ اور اُسکی گردن میں محبت
حق سبحانہ کا طوق پڑا ہوا ہو۔ کہ وہ جو کام کرتا ہو رضائے محبوب کیلئے کرتا ہو۔ اور ایسا بیعقل
مراد ہے جیسے زنان مصر تھیں کہ ہاتھ سے بیخبر تھیں۔ مگر یوسف کے چہرہ پر نظر تھی اور اس سے
بیخبر نہ تھیں۔ پس جسطرح زنان مصر نے یوسف کے عشق میں اپنی عقل کھو دی تھی یوں ہی تم حق
سبحانہ کے عشق میں اپنی عقل کو قربان کر دو۔ آخر تم کو دریغ کیوں ہے عقل کچھ تمہاری بنائی ہوئی
نہیں تمہاری ملک نہیں بلکہ جہاں حق سبحانہ ہیں وہیں سے تمہارے پاس آئی ہے۔ پھر اسکے
لئے اسکو قربان کر دینے میں تامل کیوں ہے۔ جو لوگ سراپا عقل تھے وہ تو اپنی عقلوں کو اوہر بھیج
چکے اور انکو حق سبحانہ پر قربان کر چکے یعنی انکو حق سبحانہ کے تابع کر چکے۔ اور جو بیوقوف اور احمق
تھے وہ یوں ہی رہگئے۔ شاید تم کو اپنی عقل کے قربان کرنے میں اس لئے تکلف ہو کہ ہمکو نقصان
ہوگا اور ہم بیوقوف اور بے عقل رہجائیں گے سو تمہارا یہ خیال ہی غلط ہے۔ کیونکہ اگر حیرت عشق
کے سبب تمہارے سر سے یہ عقل جاتی رہے گی تو اسکے عوض تمہارا بال بال سراور عقل بنجائیگا یعنی
تم عقل کل و عقل کامل بنجاؤ گے۔ اور یہ عقل ایسی ہوگی کہ اسکے قبول کے بعد دماغ کو سوچ اور فکر کا
تعب برداشت نکرنا پڑیگا۔ کیونکہ اسوقت جنگل اور باغ وغیرہ جنکے متعلق تم اب دماغ سوزی کرتے ہو
دماغ اور عقل سے خود بخود پیدا ہوں گے یعنی اسوقت انکا علم وہبی ہوگا۔ جو کہ بدون اعمال فکر
خود بخود تمکو حاصل ہوگا۔ برخلاف موجودہ حالت کے کہ اسوقت انکا علم کسبی ہے جسکے لئے دماغ
سوزی کی ضرورت ہے۔ بلکہ اگر اسوقت تم جنگل میں جاؤ گے تو خود جنگل تمسے حقائق و معارف بیان
کریگا۔ اور اگر باغ میں جاؤ گے تو وہاں بھی تمہاری روح کا نخل چشمہائے معارف سے سیراب ہوگا
پس تم اس راہ میں شان و شوکت چھوڑ دو۔ اور جب تک تمہارا رہنما و مرشد حرکت نکرے اسوقت
تک تم حرکت نکرو۔ اور بالکل اسکے تابع ہو جاؤ۔ دیکھو شیخ بمنزلہ سر کے ہے اور جو شخص بدون سر کے
حرکت کرتا ہے وہ نامعقول ہوتا ہے اور اسکی حرکت ایسی ہوتی ہے جیسے بچھو کی حرکت چنانچہ
وہ کجرو اور اندھا اور برا اور زہر سے پر ہوتا ہے اور اسکا کام مقدس لوگوں کا زخمی کرنا ہوتا ہے

پس ایسے شخص کا جسکی اندرونی حالت اور اسکی دائمی خو وخصلت یہ ہو سرکچل ڈالنا چاہئے کیونکہ اسکی بہتری اس سر کچلنے ہی میں ہو۔ تاکہ اسکی یہ ضعیف جان اس بدبخت جسم سے رہائی پائے اور جو کچھ ایمان کا حصہ اسمیں موجود ہے وہ محفوظ رہے۔ ورنہ اسکے بقا میں اسکے زوال کا خطرہ ہے۔ وہ ایک دیوانہ ہے اور اسکا جسم اسکے ہاتھ میں ہتیار ہے پس تم کو دیوانہ کے ہاتھ سے ہتیار لے لینا چاہئے تاکہ عدل وصلاح تم سے خوش ہو۔ اور جب کہ اسکے پاس ہتیار ہے اور عقل اسکو ہے نہیں تو اسکو مقید کر دینا چاہئے۔ ورنہ سیکڑوں کو نقصان پہونچا دیگا۔ علی ہذا علم وفن ایک تلوار ہے اور بدطینت شخص رہزن۔ پس بدطینت آدمی کو علم وہنر سکھلانا گویا ڈکیت کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ زنگی مست کے ہاتھ میں تلوار دینا اچھا ہے بہ نسبت اسکے کہ کسی نالائق اور نااہل کے ہاتھ میں آجاوے (اسکی دو وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ زنگی مست کا ضرر حیات جسمانی تک محدود رہیگا۔ اور حیات روحانی پر اسکا کچھ اثر نہوگا۔ برخلاف نااہل عالم کے کہ اسکا زہریلا اثر حیات روحانی پر پڑیگا۔ اور حیات روحانی کو جو صدمہ پہونچیگا وہ زیادہ برا ہے بہ نسبت اس صدمہ کے جو حیات جسمانی کو پہونچے۔ دوم زنگی مست تو دو چار ہی کو نقصان پہونچا دیگا۔ اور یہ شخص ہزاروں بلکہ لاکھوں کو) اور یہ بات کچھ علم ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ علم اور جاہ ومنصب ومال اور طالع مندی سب کے سب بدطینت لوگوں کے ہاتھ میں آکر موجب فتنہ ہو جاتے ہیں۔ جہاد جو مسلمانوں پر فرض ہوا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ جہاد کر کے دیوانوں سے نیزہ وغیرہ چھینیں۔ کیونکہ انکی جان دیوانہ ہے۔ اور جسم تلوار۔ پس ان بدخصلت دیوانوں سے اس تلوار کا چھیننا ضروری ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے کو تو نقصان پہونچایا ہی ہے ایسا نہو کہ دوسروں کو بھی ضرر پہونچائیں۔ یاد رکھو کہ جو گت جاہ ومنصب جاہلوں اور نااہلوں کی بناتا ہے اور جو ضرر وہ انہیں پہونچاتا ہے۔ سو شیر بھی وہ گت نہیں بنا سکتے۔ اور وہ نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ اسلئے کہ انکا عیب بے سروسامانی کی حالت میں مخفی ہوتا ہے پس جبکہ انکو سامان ملجاتا ہے تو انکا سانپ (نفس) جو سوراخ میں گھسا ہوا تھا نکل پڑتا ہے اور جنگل میں دوڑ جاتا ہے جہاں انکو ضرر رسانی کا خوب موقع ملتا ہے۔ یعنی پہلے تو بے سروسامانی اسکے لئے مانع تھی اب سامان حاصل ہونے کے بعد اسکو ایذا رسانی کا خوب موقع ملتا ہے اور جبکہ جاہل اور نااہل

حکم قطعی کا مالک ہو جاتا ہے تو تمام جنگل سانپوں اور بچھوؤں سے بھر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بحکم الناس علی دین ملوکہم تمام رعایا کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہی۔ پس جو شخص نا اہل ہو کر مال اور منصب حاصل کرنا چاہے وہ حقیقۃً اپنی رسوائی چاہتا اور اپنی تباہی کا خواستگار ہے۔ کیونکہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یا تو بخل کریگا۔ اور عطیہ نہ دیگا۔ یا سخاوت بے موقع کریگا۔ اور بادشاہ کو پیادہ کے خانہ میں رکھیگا۔ یعنی مراتب کا لحاظ نہ رکھیگا اسلئے کہ وہ احمق ہے اور احمقوں کی بخششیں اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ اور جب وہ ایسا کریگا تو اسکے لئے فضیحت و رسوائی لازم ہے۔ یاد رکھو کہ جب حکومت کسی غلط رو کے ہاتھ لگجاتی ہے تو وہ اسکے لئے سراسر مرض ہوتی ہے وہ تو اسے جاہ سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ میں صاحب جاہ ہو گیا۔ مگر حقیقت میں وہ کنوئیں میں گر جاتا ہے یہ شخص ایسا ہوتا ہے جیسے کہ کوئی رستہ نہ جانتا ہو اور رہبری کرتا ہو اور اسکی بری جان بجائے اصلاح عالم کے جانسوز اور مفسد عالم ہوتی ہے۔ علی ہذا جو شخص راہ سلوک میں ہنوز طفل مکتب ہو اور پیر بن بیٹھے تو سمجھ لو کہ اسکے مریدوں کو بدبختی کے بھوت نے پکڑ لیا۔ وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ آؤ تمہیں چاند دکھلاؤں۔ حالانکہ اس بے نور نے خود بھی کہیں چاند نہیں دیکھا اس سے کوئی کہے کہ ارے احمق جب تونے خود اپنی تمام عمر میں پانی میں بھی چاند کا عکس نہیں دیکھا تو تو دوسروں کو کیا چاند دکھائیگا۔ خلاصہ یہ کہ وہ مدعی ایصال الی الحق ہے حالانکہ وہ خود واصل نہیں اسلئے یہ دعوی غلط ہے۔ ایسے لوگوں کی سرداری و پیشوائی کی اور مضرتیں تو تھیں ہی مگر بڑا نقصان یہ ہوا کہ جب یہ احمق لوگ سردار اور مقتدا و پیشوا بن بیٹھے تو ایسی حالتمیں عقلاء کو دعوی سرداری و پیشوائی کرتے ہوئے شرم آئی اور وہ ناچار ہو کر چادر میں منہ لپیٹ کر پڑ رہے۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد اقصےٰ میں اسکے پورا ہونیکے بعد عبادت اور عابدین و معتکفین کو وعظ سنانے کیلئے آنا

اور مسجد میں عقاقیر کا اُگنا اور آنحضرت علیہ السلام سے باتیں کرنا

چوں سلیمان نبی شاہ انام ساخت مسجد را و فارغ شد تمام

یعنی جب سلیمان علیہ السلام نے جو مخلوق کے بادشاہ تھے مسجد کو بنا لیا اور بالکل فارغ ہو گئے۔

ہر صباح او را وظیفہ این بدے کاندر مسجد اقصےٰ شدے

یعنی روزانہ انکی یہ عادت تھی کہ آکر مسجد اقصےٰ میں تشریف لیجاتے۔

ہر گیاہے رستہ دیدے اندرو پس بگفتے نام و نفعے خود بگو

یعنی جو گھاس کہ اسمیں اُگا ہوا دیکھتے تو (اس سے) فرماتے کہ اپنا نام اور نفع بیان کر۔

تو چہ داروئی چہ نامت چہ آست تو زیاں بر کہ و نفعت بر کہ است

یعنی تو کیا دوا ہے اور تو کیا ہے اور تیرا نام کیا ہے تو کسکے لئے نقصان ہے اور تیرا نفع کسکے لئے ہے۔

پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام کہ من آنرا جانم و این را حمام

یعنی پس ہر گھاس اپنا اثر اور نام بتا دیتا کہ میں فلاں کیلئے تو باعث زندگی ہوں اور اسکے لئے موت ہوں۔

من مرایں را زہرم و آنرا شکر نام من این است بر لوح قدر

یعنی میں اسکے لئے تو زہر ہوں اور اسکے لئے شکر ہوں ۔ اور میرا نام قضا و قدر میں یہ ہے،
یعنی وہ گھاس اپنا نام اور نفع و ضرر سب اُن سے بیان کر دیا کرتا تھا۔

پس سلیماں با حکیماں زاں گیا شرح کردے نفع و ضرش زاں گیا

یعنی پس سلیمان علیہ السلام حکیموں سے اس گھاس کے نفع و ضرر کو مشرح بیان فرما دیتے،

پس طبیباں از سلیماں زاں گیا عالم و دانا شدند و مقتدا

یعنی پس طبیب سلیمان علیہ السلام کی وجہ سے اُس گھاس (کے نفع و ضرر) سے عالم و دانا و مقتدا ہو جاتے یعنی اُن سے سیکھ کر بڑے بڑے حکیم و دانا بنجایا کرتے تھے۔

تا کتبہائے طبیبے ساختند جسم را از رنج می پرداختند

یعنی یہاں تک کہ انھوں نے طب کی کتابیں بنائیں اور جسم کو تکالیف سے خالی کرنے لگے

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این نجوم و طب وحی انبیاست
عقل و حس را سوئے بی سو رہ کجاست

یعنی یہ نجوم اور طب انبیا کی وحی ہیں عقل اور حس کو لامکان کی طرف راہ کب ہے مطلب یہ کہ اور نجوم دونوں انبیا کو وحی کے ذریعہ سے بتائے گئے ہیں طب کیلئے تو ابھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا بتانا بیان ہوا اور ممکن ہے کہ نجوم بھی کسی نبی پر نازل ہوئی ہو ورنہ عقل کی رسائی عالم بالا میں اس طرح کس طرح ہو سکتی ہے۔ کہ وہاں کے حالات پر مطلع ہو۔ جب اسکو اسقدر قدرت نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور یہ ادھر ہی سے بتلائی گئی ہے۔ اور کچھ بعید بھی نہیں اسلئے کہ یہ دونوں علوم مستقل ہیں مگر ہاں طب کے اصول تو ابھی مدون ہیں اسلئے اسکا اعتبار کرنا تو جائز ہے مگر چونکہ نجوم کے اصول مدون نہیں رہے اور مدون نہ رہنے کی دلیل اسمیں خلاف اصول شرع کے ہونا ہے۔ کیونکہ جب کسی نبی پر نازل ہوئی ہوگی تو اصول ہیں تو سب انبیا متفق ہی ہیں لہذا اسمیں بھی اصول شرع کے موافق اصول کا ہونا ضروری تھا اور جب اسمیں اسکے خلاف امور ہیں تو ضرور اسکے اصول مدون نہیں ہے لہذا اسکے اوپر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے بھی مولانا ان دونوں چیزوں کا وحی سے معلوم ہونا بیان فرماتے ہیں کہ۔

عقل جزوی عقل استخراج نیست
جز پذیرائے فن و محتاج نیست

یعنی عقل ناقص عقل استخراج نہیں ہے سوائے فن کے قبول کر لینے کے اور محتاج کے نہیں ہے۔

قابل تعلیم و فہم ست این خرد
لیک صاحب وحی تعلیمش دہد

یعنی یہ خرد تعلیم و فہم کے تو قابل ہے لیکن صاحب وحی اسکو تعلیم دیتا ہے مطلب یہ کہ عقل حیوانی جو کہ عقل ناقص ہے اسمیں اسکی تو قابلیت ہے کہ اسکو تعلیم کیا وے تو یہ تعلیم کو قبول کر لے اور سمجھ لے۔ مگر یہ خود عالم بالا کے امور کو استخراج نہیں کر سکتی۔ ہاں جو انبیا سمجھاتے ہیں اور بتاتے ہیں اسکو سمجھ ضرور لیتی ہے جب یہ بات ہے تو یہ دونوں علوم مذکورہ بھی اس نے خود استخراج نہیں کئے بلکہ صاحب وحی نے بتا دئے۔ اور اس نے سمجھ لئے اور انہیں پر کیا خاص ہے بلکہ

جملہ حرفتہا یقین از وحی بود
اول او لیک عقل آنرا فزود

یعنی تمام پیشے کا شروع وحی سے تھا۔ لیکن عقل نے اسکو بڑھا لیا۔ مطلب یہ کہ اول تو ہر پیشہ کی تعلیم

یعنی اُسکے اصول تو اول وحی سے معلوم ہوئے۔ مگر اس عقل نے اسمیں ترقی دی لی اصول کو آپنے خود معلوم نہیں کیا۔ آگے مولانا اسکی ایک دلیل بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہیچ حرفت را ببیں کایں عقل ما تا نداد آموختن بے اوستا

یعنی کسی پیشہ کو دیکھ لو کہ یہ ہماری عقل کیا بے اوستاد کے سیکھ سکتی ہے۔

گرچہ اندر مکر موا شگاف بُد ہیچ پیشہ رام بے اُستا نشد

یعنی اگرچہ مکر میں بال کی کھال نکالنے والا ہو (مگر) کوئی پیشہ بے استاد کے رام نہیں ہوا۔

دانش پیشہ ازیں عقل ار بدے پیشہ بے اوستا حاصل شدے

یعنی پیشہ کا جاننا اس عقل سے اگر ہوتا تو کوئی پیشہ تو بے اُستاد کے حاصل ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ کسی پیشہ کو دیکھ لو کہ یہ ہماری عقل بے اُستاد کے اسکو سیکھ نہیں سکتی۔ اگرچہ ویسے کتنا ہی سمجھ دار اور چالاک ہو۔ مگر بے استاد کے کبھی بھی نہیں سیکھ سکتی۔ تو اگر یہ عقل ایجاد حرفت میں کافی ہوتی تو بے اُستاد کے خود کوئی پیشہ تو سیکھ سکتی۔ جب اس ظاہری استاد کی حاجت فروع کے سیکھنے میں ہوتی ہے تو اصول کے سیکھنے کیلئے تو بدرجۂ اولیٰ استاد کی ضرورت ہی۔ پس معلوم ہوا کہ ضروریہ علوم ثابت بالوحی ہی ہیں۔ آگے قابیل کا ہابیل کو قتل کر کے گورکنی کا پیشہ ایک کوّے سے سیکھنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ایک لاش کو کہیں چھپا دینا کوئی بڑا باریک کام نہ تھا مگر قابیل اس عقل سے اسکو بھی نہ سمجھ سکا تو بھلا علوم عالیہ تو اس عقل سے کس طرح بے بتائے معلوم ہو سکتے ہیں خوب سمجھ لو۔ اب حکایت سنو۔

قابیل کا کوّے سے گورکنی کے پیشہ کو سیکھنا قبل اس کے کہ دنیا میں گورکنی کا پیشہ تھا۔

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود کے ز فکر و حیلہ و اندیشہ بود

یعنی ایک قبر کھودنا جو کہ بہت ہی کم درجہ کا پیشہ تھا کب حیلہ و اندیشہ کی فکر سے تھا۔

گر بُدے ایں فہم مر قابیل را کے نہادے بر سر او ہابیل را

یعنی اگر قابیل کو یہ سمجھ ہوتی تو ہابیل کو سر پر کب رکھتا (اور یہ کیوں سوچتا پھرتا کہ)

کہ کجا غائب کنم این کشتہ را ٭ این بخون و خاک در آغشتہ را

یعنی اس مقتول اور خاک و خون میں لتھڑے ہوئے کو کہاں چھپاؤں۔ مطلب یہ کہ دیکھو قبر کھودنا ایک بہت ہی ذلیل اور آسان کام تھا مگر قابیل اپنی اس عقل جزوی سے اُسکو نہ جان سکا اور ہابیل کی لاش کو سر پر رکھے پھرتا تھا کہ اسے کہاں چھپاؤں۔

دید زاغے زاغ مردہ در دہاں ٭ برگرفتہ تیز مے آمد بر آں

یعنی ایک کوے کو دیکھا کہ ایک مردہ کوا منہ میں پکڑے ہوئے تیزی سے اُڑتا ہوا چلا آرہا ہے

از ہوا زیر آمد و شد او بفن ٭ از پئے تعلیم او را گور کن

یعنی وہ کوا ہوا سے نیچے آیا اور فن سے وہ قابیل کی تعلیم کیلئے قبر کھودنے لگا۔

پس بچنگال از زمین انگیخت گرد ٭ زود زاغ مردہ را در گور کرد

یعنی پس اُس نے پنجہ سے زمین کی گرد اُٹھائی اور جلدی سے مردہ کوے کو قبر میں کیا۔

دفن کردش پس بپوشیدش بخاک ٭ زاغ از الہام حق بد علمناک

یعنی اُسکو دفن کیا اور پھر اُسکو خاک سے چھپا دیا کوا الہام حق کی وجہ سے علم والا تھا مطلب یہ کہ جب وہ ہابیل کی لاش کو کندھے پر رکھے ہوئے پھر رہا تھا تو حق تعالیٰ نے اُسکی تعلیم کیلئے ایک کوے کو بھیجا۔ کہ وہ ایک مردہ کوے کو لایا اور پنجہ سے زمین کھود کر اس مردہ کوے کو دبا دیا اب کوئی کہے کہ بھلا کوے کو کہاں سے خبر ہوئی تو فرماتے ہیں کہ کوے کے قلب میں حق تعالیٰ نے ڈال دیا تھا اور وہ اُس الہام حق سے عالم گورکنی تھا۔

گفت قابیل آہ شد بر عقل من ٭ کہ بود زاغے ز من افزوں بفن

یعنی قابیل نے کہا کہ افسوس میری عقل پر تف ہے کہ ایک کوا علم میں مجھ سے زیادہ ہو غرضکہ ایک ادنیٰ کام کیلئے بھی اسی کی ضرورت ہوئی کہ کوئی عالم غیب ہی سے آکر بتادے تو یہ ثابت ہوگیا کہ اصول تمام حرفت کے وحی سے ہی معلوم ہوئے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ

عقل کل را گفت ما زاغ البصر ٭ عقل جزوی میکند ہر سو نظر

یعنی عقل کل کو تو ما زاغ البصر فرمایا ہے۔ اور عقل جزوی ہر طرف نظر کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو

عقل کل کی نسبت تو فرمایا گیا ہے کہ مازاغ البصر وما طغیٰ اور عقل جزوی تو ہر طرف نظر کرتی ہے اور اسکو ہر گھڑی ایک نئی طرف نگاہ ہوتی ہے اور اسی طرح گمراہ رہتی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

عقل مازاغ ست نور خاصگان عقل زاغ اوستاد گور مردگان

یعنی مازاغ والی عقل تو خواص کا نور ہے اور عقل زاغ مردوں کے گور کی استاد ہے۔ مطلب یہ کہ جس عقل کی نسبت مازاغ البصر وما طغیٰ آیا ہے وہ تو نور خواص ہے کہ یہ آیت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہے تو مازاغ والی عقل تو خواص کی عقل ہے جسکو غیب سے امداد ہوتی ہے۔ اور ہماری عقل زاغ کی طرح ہے کہ جسطرح اس زاغ نے قابیل کو گورکنی سکھائی تھی اسیطرح یہ ہماری عقل ہمکو معاش کے ذرائع بہت سکھاتی ہے۔ اور حقیقت کی طرف خود اس بیچاری ہی کی رسائی نہیں ہے تو دوسروں کو یہ کیا سکھا سکے گی آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان کہ او دنبالۂ زاغان پرد زاغ اورا سوئے گورستان برد

یعنی جو جان کہ وہ کووں کے پیچھے اڑے تو کوا تو اسکو گورستان میں لیجاویگا۔

ہین مرو اندر پئے نفس چو زاغ کو بگورستان برد نے سوئے باغ

یعنی ہاں کوے جیسے نفس کے پیچھے مت جاؤ۔ کہ وہ تم کو گورستان میں لیجاویگا۔ نہ کہ باغ میں مطلب یہ کہ جو روح کہ نفس کی تابع ہوجاوے وہ حقیقت شناس ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ دیکھو قابیل کو کوے نے بجز گورکنی کے اور کیا سکھایا۔ اسی طرح یہ نفس بجز معاش کے اور کیا سکھا سکتا ہے یہ باغ غیب کی طرف ہرگز نہ لیجاویگا۔ لہذا اسکے تابع ہوکر مت جاؤ بلکہ

گر روی رو در پئے عنقائے دل سوئے قاف و مسجد اقصائے دل

یعنی اگر چلتے ہو تو عنقائے دل کے پیچھے چلو قاف کی طرف اور مسجد اقصائے دل کی طرف مطلب یہ کہ اگر چلنا ہی ہے تو زاغ نفس کو ترک کرو۔ اور عنقائے دل کے تابع ہو تو وہ عنقا تمکو قاف عالم غیب کی طرف لیجاویگا اور اسوقت تم دل کی مسجد اقصے میں پہونچ جاؤگے اور دل کے باغ و بہار تک تمہاری رسائی ہوجاویگی اور پھر یہ ہوگا کہ۔

نو گیاہے ہر دم از سودائے تو می دمد در مسجد اقصائے تو

یعنی ہر دم ایک نیا گھاس تمہارے فکر سے تمہارے مسجد اقصا میں اگےگا۔

تو سلیمان وار داد او بدہ　　　پے برازوی پائے بر روی منہ

یعنی تو سلیمان علیہ السلام کی طرح اُسکی داد دے اور اسکے تابع ہو جا رد کا پاؤں اُسپر مت رکھ مطلب یہ کہ اگر تم دل کے تابع ہوگے جو کہ مسجد اقصےٰ کی طرح پاک و صاف ہے تو اُسمیں تمھاری خیالات کا ایک باغ و بہار لگیگا نئے نئے پودے روز پیدا ہوا کریں گے اب تمکو چاہیئے کہ جسطرح سلیمان علیہ السلام ہر ہر پودے سے اُسکے خواص وغیرہ دریافت کرتے تھے اور پھر دوسرے لوگوں کو بتاتے تھے۔ تو جو مضر ہوتا تھا اُس سے بچتے تھے اور مفید کو حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح تم بھی دل کے افکار میں غور کرو۔ اور جو مضر ہو اُسکو ترک کرکے مفید کو حاصل کرو اور اُسکا اتباع کرو۔ اور اُنکو پائمال مت کیئے دو کہ اُنکی طرف التفات ہی نکرو اور وہ پیدا ہوکر یوں ہی ختم ہو جایا کریں کیونکہ۔

زانکہ خاک این زمین با ثبات　　　باز گویدبا توز انواع نبات

یعنی اسلیئے کہ خاک اس زمین باثبات کی تجھسے انواع نباتات کو بیان کرتی ہے۔

در زمین گر نیشکر ور خود نے است　　　ترجمان ہر زمین نبت وی است

یعنی زمین میں اگر نیشکر ہے اور اگر خود نے ہی تو ہر زمین کا ترجمان اُسی کا گھاس ہے۔

پس زمین دل کہ نبتش فکر بود　　　فکر ہا اسرار دلہا را نمود

یعنی پس زمین دل کی کہ اُسکا گھاس فکر تھا افکار قلوب کے اسرار کو دکھاتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو زمین میں جو پودے اوگتے ہیں تو اُنکے اوگنے سے اُس زمین کی حالت معلوم ہوتی ہے کہ اس زمین میں کس قسم کی قابلیت ہو اگر اُسمیں نیشکر اوگی ہے تو وہ زمین قابل ہو اور اگر بانس اوگے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ ناقص القابلیت ہے۔ تو اسی طرح دل جو زمین کی طرح ہے اور اسکے پودے ہیں افکار تو اگر افکار اچھے ہیں تو قلب بھی اچھا ہے ورنہ وہ بھی بُرا ہے۔ لہذا ان افکار میں غور کرکے اُنکی حالت کو معلوم کرو۔ اور اُنکو اس طرح ضائع مت ہونے دو خوب سمجھ لو۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

گر سخن کش یابم اندر انجمن　　　صد ہزاران گل بروید چون چمن

یعنی اگر میں مجلس میں سُننے والے کو دیکھ لوں تو میں چمن میں لاکھوں پھول اُگاؤں۔

ور سخن کش یابم آندم زن بجز د · می گریزد نکتہا از دل چو دزد

یعنی اور اگر سننے والا اُسوقت کوئی پھڑوا ہو تو نکات دِل سے چور کی طرح بھاگتے ہیں

مستمع چوں نیست خاموشی بہ است · نکتہ از نااہل گر پوشی بہ است

یعنی سننے والا جب نہیں ہو تو خاموشی بہتر ہے اور نکات کو اگر نااہل سے تو چھپائے تو بہتر ہے مطلب یہ کہ چونکہ سننے والے نااہل ہیں تو اب نکات بیان نہیں ہوتے۔ ورنہ اگر کوئی اہل سننے والا ہوتا تو لاکھوں نکات بیان کرتا۔ مگر ابتو اُن نکات سے خاموشی بہتر ہے کیونکہ

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی · بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

چونکہ یہاں مستمعین کی دو حالتیں بیان کی ہیں ایک اہل ہیں ایک نااہل ہیں تو آگے اس مضمون کو بیان فرمانے لگتے ہیں کہ۔

جنبش ہر کس بسوئے جاذب است · جذب صادق نے چو جذب کاذب است

یعنی ہر شخص کی جنبش ایک جاذب کی طرف ہے تو جذب صادق جذب کاذب کی طرح نہیں ہے مطلب یہ کہ ہر شخص ایک جاذب کی طرف منجذب ہوتا ہے مگر جذب صادق اور جذب کاذب میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور فرماتے ہیں کہ۔

می روی کہ گمرہ و گہ در رشد · رشتہ پیدا نی و آں کت میکشد

یعنی تو کبھی تو گمراہ چل رہا ہے اور کبھی ہدایت میں تو تاگا ظاہر نہیں ہے اور نہ وہ جو کہ تجھے کھینچ رہا ہے

اشترے کوری مہار تو رہیں · تو کشش می بین مہارت را مبیں

یعنی تو ایک اندھا اونٹ ہے اور تیری مہار (کسی کے ہاتھ میں) گروی ہے تو تو کشش کو دیکھ اپنی مہار کو مت دیکھ مطلب یہ کہ تم کبھی تو مہتدی ہوتے ہو اور کبھی گمراہ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تمکو ایک جذاب جذب کر رہا ہے اور تم

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست · می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کا مصداق ہو رہے ہو مگر ظاہر میں نہ وہ جذاب نظر آتا ہے اور نہ وہ رشتہ کیونکہ تم ابھی ایک اندھے اونٹ کی طرح ہو جسکی مہار کسی کے ہاتھ میں ہو۔ لہذا تم کو چاہئے کہ اُس ساربان کی معرفت حاصل کرو کہ کون ہے پھر اگر وہ جذاب شر ہے تو اُس سے بچو اور اگر جذاب نیک ہے تو اسکے

پیچھے پیچھے راہ پر لگے ہوئے چلے جاؤ۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ اگر وہ جذاب نظر آجایا کرتا تو سب لوگ ہدایت پر ہوجایا کرتے اس پوشیدہ رہنے میں کیا مصلحت ہے آگے اس پوشیدگی کی مصلحت بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر شدے محسوس جذاب مہار · پس نماندے این جہاں دار الغرار

یعنی اگر مہار کا کھینچنے والا محسوس ہوتا تو یہ جہان دار الامتحان نہ رہتا۔

گبر دیدے کو پئے سگ میرود · سخرۂ دیو ستنبہ می شود

یعنی کافر دیکھ لیتا کہ وہ ایک کتے کے پیچھے چل رہا ہے اور ایک دیو خبیث کا مسخرہ بن رہا ہے

در پئے او کے شدے ہمچوں اسیر · پائے خود را واکشیدے طفل و پیر

یعنی اسکے پیچھے قیدی کی طرح کب ہوتا۔ اپنے پاؤں کو ہر بچہ اور بڈھا کھینچتا۔

در پئے او کے شدے مانند حیز · پائے خود را واکشیدے گبر نیز

یعنی اسکے پیچھے نامرد کی طرح کب رہتا کافر بھی اپنا پاؤں کھینچ لیتا مطلب یہ کہ اگر جذاب ظاہر ہوا کرتا اور جذاب خیر و شر معلوم ہوجایا کرتا تو کفار کفار نہ رہتے۔ بلکہ سارے مسلمان ہوجاتے۔ اور

ے در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست · آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

لہذا اس دنیا میں کافر کا وجود ضروری ہوا اسلئے جذاب کی پوشیدگی ہی ضروری ہے ورنہ تمام عالم کا کارخانہ درہم برہم ہوجاوے کارخانۂ عالم کا قیام ہی اس پوشیدگی سے ہے آگے اسکی اور نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

گاؤ اگر واقف ز قصابان بدے · کے پئے ایشان بدان دکان شدے

یعنی گائے اگر قصائیوں سے واقف ہوتی تو اُن کے پیچھے دکان میں کب جاتی۔

یا بخوردے از کف ایشان سبوس · یا بدادے شیرشان از چاپلوس

یعنی یا اُنکے ہاتھ سے بھوسا کھاتی یا اُنکو چاپلوسی کی وجہ سے دودھ دیتی۔

ور بخوردے کے علف ہضمش شدے · گر ز مقصود علف واقف شدے

یعنی اور اگر گھاس کھا بھی لیتی تو اُسکو ہضم کب ہوتا۔ اگر گھاس کے مقصود سے واقف ہوتی مطلب یہ ہے کہ دیکھو گائے کو اگر خبر ہوتی کہ قصائی مجھے ذبح کیلئے لیجا رہا ہے اور یہ گھاس وغیرہ سب مٹانے

کیلئے کھلا رہا ہے تو نہ تو وہ اسکی ہمراہ جاتی اور نہ اسکے ہاتھ سے گھاس وغیرہ کھاتی۔ اور اگر کھا بھی لیتی تو وہ کھایا ہوا اسکو ہضم نہوتا۔ اور وہ اسی فکر میں رہتی اور گھل گھل کر تباہ ہوجاتی۔

پس ستون این جہان خود غفلت است — چیست دولت کاین دوادو با لت است

یعنی پس اس جہان کا ستون خود غفلت ہی دولت کیا ہی بھاگ دوڑ مع لات کے مطلب یہ کہ غفلت ہی کی وجہ سے اس جہان کا قیام ہے ورنہ سب کارخانہ درہم برہم ہوجاوے اسلئے کہ دیکھو لوگ مال و دولت پر مرے جاتے ہیں اور اصل اس دولت کی یہ ہے کہ اسمیں ایک تو دوڑ یعنی بھاگنے کی ہے اور ایک ہی لت یعنی لات کے تو مطلب یہ ہے کہ جسکی پاس دولت ہی وہ بھاگ دوڑ کرتا ہے اور مصیبت بھرتا ہے اور آخر میں لات کھاتا ہے یعنی محروم اس جہان سے چلا جاتا ہے تو بھلا ایسی شے کو کون قبول کرتا اور کون اسکی رغبت کرتا اگر اس جہان میں غفلت نہوتی یہ ساری خواہش اس ہی کی وجہ سے تو ہے اور اسی سے نظام عالم قائم ہے آگے دولت کے معنی خوب واضح طور پر فرماتے ہیں کہ

اولش دودو بآخر لت بخور — جز درین ویرانہ نبود مرگ خر

یعنی اسکے اول میں بھاگ بھاگ اور آخر میں لات کھا۔ اس ویرانہ میں سوائے مرگ خر کے اور کچھ نہیں ہی۔ مطلب یہ کہ بس اس ویرانہ دنیا میں بجز مصیبت کی اور کچھ حاصل نہیں ہی۔ مگر غفلت کی وجہ سے سب اسی میں لگے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔

تو بجد کارے کہ بگرفتی بدست — عیبش این دم بر تو پوشیدہ شدست

یعنی تونے جو ایک کام کوشش سے حاصل کیا ہی تو اسکا عیب اسوقت تجھپر پوشیدہ ہوگیا ہی۔

زاں ہمی تانی بدادن تن بکار — کہ بپوشید از تو عیبش کردگار

یعنی تو کام میں اسلئے تن دے سکتا ہے کہ اسکے عیب کو حق تعالیٰ نے تجھسے چھپا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ تم جس دنیا کے کام میں لگ رہے ہو اور اسمیں کوشش کر رہے ہو اسکی وجہ یہی ہے کہ تم کو اس کام کے عیوب پر نظر نہیں ہے۔ ورنہ اگر عیوب پر نظر ہوجاوے تو تم دنیا کے کوئی کام نکر سکو یہ سارا غفلت ہی کا ظہور ہے۔

ہمچنیں ہر فکر کہ گرمی دراں — عیب آں فکرت شدست از تو نہاں

یعنی اسی طرح جو فکر کہ تو اسمیں سرگرم ہے اسکی فکر کا عیب تجھسے پوشیدہ ہو رہا ہے۔

ور تو گر پیدا شدے زان عیب شین ۔ زو رمیدے جانِ بعد المشرقین

یعنی اگر تجھ پر اسکا عیب اور برائی ظاہر ہو جاتی تو تیری جان اُس سے بمقدار بعد مشرق و مغرب کے دور بھاگتی۔

حال کاخر زو پشیماں می شوی ۔ گر شود ایں حالت اول کے دوی

یعنی جو حال کہ اُس سے تو پشیمان ہو رہا ہے اگر تیرا یہ حال اول ہوتا تو تو دوڑتا ہی کیوں۔

پس بپوشید اول آں بر جان ما ۔ تا کنیم آں کار بر وفق قضا

یعنی پس حق تعالیٰ نے اول اسکو ہماری جان پر پوشیدہ کر دیا۔ تاکہ ہم اُس کام کو قضا کیموافق کرلیں

چوں قضا آورد حکم خود پدید ۔ چشم وا گشت و پشیمانی رسید

یعنی جب قضا اپنا حکم ظاہر لائی تو آنکھ کھلگئی اور پشیمانی پہونچ گئی۔ مطلب یہ کہ تم دنیا کا جو کام کرتے ہو اسکے عیوب سب تمپر اول پوشیدہ ہوتے ہیں اور تم کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ کہ اسمیں کیا کیا خرابی ہے۔ کیونکہ تمھاری تقدیر میں تو یہ تھا کہ تم یہ کام کروگے اور اگر اسکی برائیوں کا تم کو علم ہو جاتا تو تم اُس کام سے کوسوں دور بھاگتے لہذا تمپر اُسکے عیوب کو پوشیدہ کر دیا تو اول وہ کام تم کر لیتے ہو اسکے بعد جب وہ مضر ہوتا ہے تو پشیمان ہوتے ہو اور اسوقت آنکھ کھلتی ہے اور چونکہ تمام کاموں میں منافع اور مضار دونوں ہیں لہذا سارے دنیا کے کام ایسے ہی ہیں کہ اگر اُن کے انجام کی خبر ہو جاوے تو سب انکو چھوڑ بیٹھیں لہذا قضا و قدر نے اُن سب عیوب کو پوشیدہ ہی رکھا ہے۔ آگے ایک مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

ایں پشیمانی قضائے دیگر است ۔ ایں پشیمانی بہل حق را پرست

یعنی یہ پشیمانی (بھی) ایک دوسری قضا ہے تو اس پشیمانی کو چھوڑ اور حق کی پرستش کر۔

ور کنی عادت پشیمان خور شوی ۔ زاں پشیمانی پشیمان تر شوی

یعنی اور اگر تم عادت کر لوگے اور پشیمانی خور ہو جاؤگے تو اس پشیمانی سے اور زیادہ پشیمان ہوگے۔

نیم عمرت در پریشانی رود ۔ نیم دیگر در پشیمانی رود

یعنی تمھاری آدھی عمر تو پریشانی میں گئی اور باقی ماندہ آدھی پشیمانی میں گئی۔

ترک ایں فکر و پشیمانی بگو　　حال و یار و کار نیکو تر بجو

یعنی اس فکر اور پشیمانی کو ترک کرو اور اچھا حال اور اچھا یار اور اچھا کام تلاش کرو۔

ور نداری کار نیکو تر بدست　　پس پشیمانیت بر فوت چہ است

یعنی اور اگر اچھا کام تمھارے پاس نہیں ہے تو تمھاری پشیمانی کس چیز کی فوت پر ہے۔

گر ہمی دانی رہ نیکو پرست　　ور نہ دانی چوں بدانی کایں بدست

یعنی اگر تم راہ نیک کو جانتے ہو تو اتباع کرو اور اگر نہیں جانتے تو یہ کس طرح جانتے ہو کہ یہ بُرا ہی

بد ندانی چوں ندانی نیک را　　ضد را از ضد توان دید اے فتی

یعنی تو بد کو نہ جانے گا جبکہ تو نیک کو نہ جانے گا اے جوان ضد کو ضد سے دیکھ سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میاں تم جو اب بُرے کام پر پچھتا رہے ہو اور افسوس کر رہے ان افسوس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ کچھ عمر تو بُرے کاموں میں گذری اور کچھ اب اُن پر افسوس میں گذار رہے ہو تو بھلا بتاؤ تو کام کا وقت کونسا آویگا۔ لہذا تم کو چاہئے کہ بس بُرے کام سے توبہ و استغفار کرکے کام میں لگجاؤ تاکہ منزل تک پہونچو ورنہ ساری عمر جہاں تھے وہیں رہوگے بُرے کام کو چھوڑا ہے تو بعد توبہ کے اب اسکی پشیمانی کو بھی ترک کرو اور نیک کام یعنی یاد حق میں مشغول ہو اور اگر تم کہو کہ ہم نیک کام جانتے ہی نہیں تو کس طرح کریں جواب یہ ہے کہ تم کس بات پر پچھتا رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ یہی پچھتاتا ہے کہ فلاں کام ہم نے بُرا کیا اگر یہ نہ کرتے فلاں کام اچھا کرتے تو اچھا ہوتا تو بھلا تم کو پشیمان ہونے کیلئے تو پچھلے کام کا علم ہو گیا مگر اسکی بجا آوری کیلئے اُسکا علم نہیں ہے تعجب کی بات ہے۔ لہذا تمکو چاہئے کہ بد کو چھوڑ کر نیک کام میں لگو اسلئے کہ جب بُرے کو جان لیا تو پھر نیک کا علم نہ ہونا تو ایک عجیب بات ہے۔ اسلئے کہ الاشیاء تعرف باضدادہا ایک چیز یعنی کار بد تو معلوم اور دوسری شئے یعنی کار نیک کا علم نہ ہو ہو نہیں سکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ کار نیک کو بھی جانتے ہو۔ لہذا اُسمیں لگ جاؤ اور اس کار بد اور پشیمانی بد کو ترک کرو اب اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم تو اس پشیمانی کے خیال کے ترک سے عاجز ہیں اور ہم سے یہ چھوٹتا ہی نہیں تو آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

چوں ز ترک فکر ایں عاجز شدی　　از گناہ آگاہ ہم عاجز بدی

یعنی جب اس فعل کی ترک سے عاجز ہو تو پھر تو گناہ سے بھی تم عاجز تھے۔

چوں بدی عاجز پشیمانی ز چیست — عاجزی را باز جو کز جذب کیست

یعنی جب تم عاجز تھے تو پشیمانی کس چیز کی وجہ سے ہے تو عاجزی کو تلاش کرو کہ کسکے جذب کی وجہ سے ہے مطلب یہ ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ ہمکو تو پشیمانی ہوتی ہے اور اس خیال کے دفع پر ہم قادر نہیں ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ اچھا گناہ جب تم نے کیا تھا اسوقت بھی تو اس کے ترک پر تم قادر نہ تھے بلکہ اسکے فعل پر عاجز تھے جب یہ بات ہے تو پھر اسپر اب پچھتاتے کیوں ہو معلوم ہوا کہ نہیں تمکو قدرت حاصل ہے مگر خود ہی نہیں چھوڑتے تھے تو اسی طرح یہاں بھی قدرت تو ہے مگر اغواء شیطانی کی وجہ سے تم اسمیں لگ رہے ہو۔ کیونکہ۔

عاجزی بے قادری اندر جہاں — کس ندیدست و نباشد این بداں

یعنی عاجزی بے قادری کے جہاں میں کسی نے نہیں دیکھی اور نہ ہوتی ہے اسکو جان لو۔ مطلب یہ کہ جب تم کہتے ہو کہ ہم فلاں کام سے عاجز ہیں اس کہنے کے معنی یہی ہیں کہ کسی درجہ میں ہم کو قدرت بھی ہے ورنہ اگر تمکو قدرت بالکل نہو تو تمپر عاجز کا اطلاق نہوگا جیسے کہ اگر رات نہو تو دن دن نہ رہے دن جو دن ہے بہ سبب رات ہی کے ہے۔ لہذا جب عجز ہے تو ضرور ہے کہ قدرت بھی ہے۔ اور جب قدرت ہے تو بس پشیمانی کو ترک کر کے کام میں لگو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنیں ہر آرزو کہ مے بری — تو ز عیب آں حجابے اندری

یعنی اسی طرح جو آرزو تو کرے تو اس کے عیب سے تو ایک حجاب میں ہے۔

ور نمودی علت آں آرزو — خود رمیدی جان تو از جستجو

یعنی اور اگر اس آرزو کا عیب دکھائی دیتا تب تو تیری جان خود جستجو سے بھاگتی۔

گر نمودے عیب آں کار او ترا — کس نبردے کش کشاں آنسو ترا

یعنی اگر اس کام کا عیب حق تعالی تجھے دکھلا دیتے۔ تو تجھے کوئی کشاں کشاں اسطرف نہ لیجاتا

واں دگر کارے کزاں ہستی نفور — زاں بود کہ عیبش آمد در ظہور

یعنی اور جس کام سے تم متنفر ہو رہے ہو یہ اسلئے ہے کہ اسکا عیب ظاہر ہو گیا ہے مطلب یہ ہے

کہ غرض جس فکر اور آرزو میں اور دنیا کے جس کام میں تم لگے ہوئے ہو اسکی وجہ یہی ہے کہ اس کے
عیب کی تمکو اطلاع نہیں ہے اگر عیب کی اطلاع ہو جاوے تو اس سے کوسوں دور بھاگنے لگو
اور دیکھو جس کام کے عیوب تمکو معلوم ہو جاتے ہیں اس سے تم خود نفرت کرنے لگتے ہو۔ تو بس دنیا
کے کام میں لگنا اور برے کام کو اختیار کرنا غفلت ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر غفلت نہ رہے اور حق تعالیٰ
چشم بصیرت عطا فرماوے تو پھر یہ بات نہو۔ لہذا آگے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ

اے خدائے رازداں خوش سخن عیب کار بد زما پنہاں مکن

یعنی اے خدائے رازداں خوش سخن برے کام کا عیب ہمپر پوشیدہ مت فرمائیے۔

عیب کار نیک را منما بما تا نگردیم از روش سرد و ہبا

یعنی نیک کام کے عیوب ہمکو دکھائیے مت تاکہ ہم اسکے رد کی وجہ سے سرد اور فضول ہو جاویں
مطلب یہ کہ اے اللہ برے کاموں کے عیوب تو ہمکو دکھلادے کہ ہم ان سے بچیں اور نیک کاموں
کے عیوب جو ہمارا نفس تراشتا ہے مثلاً سود نہ لینا جو نیک کام ہے اسمیں نفس عدم ترقی کا عیب
بتلاتا ہے ان عیوب کو ہم سے چھپائے رکھئے تاکہ ہم ان کاموں میں رغبت کریں یہانتک یہ مضمون
کہ ہر کام کے اصول وحی سے معلوم ہوئے ہیں مع اپنے متعلقات کے ثابت ہو گیا تو اب پھر اسی
قصۂ سلیمان کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ وہ ان نباتات سے خاصیت دریافت کر کے اطبار
کو بتلا دیا کرتے تھے۔

ہم براں عادت سلیمان سنی رفت در مسجد میان روشنی،

یعنی اسی عادت کے موافق حضرت سلیمان بزرگ (صبح کے وقت) روشنی میں تشریف لے گئے۔

قاعدہ ہر روز را می جست شاہ کہ ببیند مسجد اندر نو گیاہ

یعنی ہر روز کے قاعدہ کے موافق شاہ (دین) تلاش کرتے تھے کہ مسجد میں کوئی نیا گھاس
دیکھیں۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ میں نیا گھاس
اور نئی بوٹی تلاش کرتے تھے اسی طرح عارفین کاملین قلب میں نئے نئے واردات غیبیہ کا مشاہدہ
فرماتے ہیں اور وہ اسمیں لگے رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔

دل ببیند سر بداں چشم صفی آں حشایش کہ شد از عامہ خفی

یعنی دل پوشیدہ طور پر اس چشم برگزیدہ سے ان اشیوں کو دیکھتا ہے جو عوام سے پوشیدہ ہیں (اور وہ علوم و معارف واردات ہیں) کہ وہ ظاہر میں تو ایک ویرانہ ہیں ہے مگر باطن میں وہ ایک باغ کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اس ظاہری باغ و بہار سے اسکو کوئی غرض نہیں ہوتی۔ آگے اس پر ایک حکایت لاتے ہیں۔

قصّہ ایک صوفی کا کہ باغ کے اندر مراقبہ میں مشغول تھا تو اسکے دوستوں نے کہا کہ سر اُٹھا کر باغ اور خوشبوؤں کی سیر کر کہ قرآن میں آیا ہے انظروا الیٰ اثار رحمتہ اللہ

صوفئے در باغ از بہر کشاد　　صوفیانہ روئے بر زانو نہاد

یعنی ایک صوفی نے باغ میں تفریح کے لئے صوفیوں کی طرح مُنہ گھٹنے پر رکھا۔

پس فرو رفت او بخود اندر نغول　　شد ملول از صورت خوابش فضول

یعنی پس وہ اپنے اندر ایک گہرے گڑھے میں چلا گیا تو اسکی نیند جیسی صورت سے بیکار شخص پریشان ہوا۔ (اور بولا کہ)

کہ چہ خسپی آخر اندر رز نگر　　ایں درختاں بین و آثار خضر

یعنی سو کیا رہا ہے ذرا انگور میں دیکھ ان درختوں کو دیکھ اور سبزی کے آثار کو دیکھ۔

امر حق بشنو کہ گفت است انظروا　　سوئے ایں آثار رحمت آر رو

یعنی حکم حق کو سن کہ فرمایا کہ دیکھو اور ان رحمت (بارش) کے آثار کی طرف توجہ کر۔ مطلب یہ کہ ایک صوفی باغ میں جا کر سر جھکا کر مراقب ہو گیا تو اسکے ساتھیوں نے کہا کہ میاں کیا سر جھکا کر بیٹھے ہو ذرا سر اٹھاؤ اور انگور درخت پھول پھلواری دیکھو کیونکہ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انظروا الیٰ اثار رحمتہ اللہ تو رحمت سے مراد بارش ہے۔ یہ درخت جو بارش کے آثار ہیں انہیں غور کرو اور اُن کے حسن کو دیکھو اور فرحت حاصل کرو اسکو سُنکر وہ صوفی صاحب جواب دیتے ہیں کہ۔

گفت آثارش دل است اے بوالہوس　　آں بروں آثار آثار است و بس

یعنی صوفی نے کہا کہ اے بوالہوس اس (کی رحمت) کے آثار تو دل (مع مافیہ) ہے اور وہ باہر صرف آثار کے آثار ہیں۔

باغہا و سبزہا در عین جاں — بر بروں عکسش چو در آب رواں

یعنی باغات اور سبزے جان میں ہیں اور باہر انکا عکس ہے جیسے کہ چلتے ہوئے پانی میں (باغات وغیرہ کا عکس ہوا کرتا ہے)۔

آں خیال باغ باشد اندر آب — کہ کند از لطف آب آں اضطراب

یعنی پانی میں وہ باغ کا خیال ہوتا ہے جو کہ پانی کی لطافت کی وجہ سے اضطراب کرتا ہے +

باغہا و میوہا اندر دل است — عکس لطف او بریں آب و گل است

یعنی میوے اور باغات تو دل میں ہیں اور اس (دل) کی لطافت کا عکس آب و گل پر ہے۔ مطلب یہ کہ ان صوفی صاحب نے جواب دیا کہ میاں تم کو خبر تو ہے نہیں اصل باغ و بہار اور میوے تو قلب مومن میں ہیں اور اصل ہیں وہی آثار رحمۃ اللہ ہیں اور جو میوے وغیرہ ظاہر میں نظر آتے ہیں یہ تو دل کے ثمرات کے جو کہ آثار اصلی ہیں رحمت کے آثار ہیں۔ انکی ایسی مثال ہے کہ جیسے باغات کا عکس پانی میں پڑا کرتا ہے پانی کی لطافت کی وجہ سے وہ درخت وغیرہ متحرک اور سرسبز و شاداب معلوم ہوتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ وہ اصل درخت اور میوے نہیں ہیں بلکہ وہ ان اصلی میوونکا عکس ہیں۔ جو باغ میں لگ رہے ہیں تو اگر کوئی اس پانی والے باغ کا گرویدہ ہو جاوے اور اس اصل باغ کو چھوڑ دے۔ تو ظاہر ہے کہ محرومی کے سوا اسکے ہاتھ کیا آویگا تو اسی طرح باغ و بہار اصل تو دل میں ہے اور یہ ظاہری باغ و بہار دل کے باغ و بہار کی ایسے ہی عکوس ہیں جیسے اس ظاہری باغ و بہار کا عکس پانی میں پڑ رہا تھا آگے وہ صوفی صاحب اسکی دلیل بیان کرتے ہیں کہ۔

گر نبودی عکس آں سرو سرور — پس نخواندے ایزدش دار الغرور

یعنی اگر (یہ جہاں) اس سرور کے سرو کا عکس نہوتا تو حق تعالیٰ اسکو دہوکہ کا گھر نہ فرماتے۔ حاصل دلیل کا یہ ہے کہ اگر قلوب اہل اللہ کا جسمیں بہت سے درخت اور میوے لگ رہے ہیں مثلاً ان کے قلوب کا سرور جو کہ ان کے باغ قلب کیلئے بمنزلہ سرو کے ہے یہ جہاں عکس نہوتا تو اسکو حق تعالیٰ دہوکہ کا گھر نہ فرماتے اور یہ دہوکہ کا گھر نہوتا کیونکہ دہوکہ تو یہی ہے کہ ایک غیر حقیقی شے کو حقیقی سمجھا جاوے۔ تو چونکہ

لوگوں نے ان عکوس کو اصل سمجھ لیا تھا اسلئے حق تعالیٰ نے اسکو دار الغرور کہا کہ جو باغ و بہار اور جو آثار اصل ہیں انکو چھوڑ کر لوگ دہوکہ میں پڑگئے ہیں اور غیر اصل باغ و بہار کو اصل سمجھ لیا ہے جب دار الغرور ہوا تو بس ان اشیاء کا عکس ہونا ہی ثابت ہوگیا آگے خود بھی فرماتے ہیں کہ۔

ایں غرور آنست یعنی آں خیال ہست از عکس دل و جان رجال

یعنی یہ دہوکہ وہ ہے یعنی کہ وہ خیال مردان حق کی دل و جان کا عکس ہے۔ مطلب یہ کہ دہوکہ یہی ہے کہ لوگوں کو جو ان اشیاء کا خیال ہے اور انکو جو اشیاء واقعیہ سمجھتے ہیں یہ حقیقت میں عکوس ہیں اور اصل اشیاء وہ ہیں جو قلب مومن میں ہیں لہذا سراسر دہوکہ ہونا ثابت ہوگیا جب اس عالم کا دہوکہ کا گھر ہونا ثابت ہوگیا تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

جملہ مغروراں بریں عکس آمدہ بر گمانے کایں بود جنت کدہ

یعنی تمام لوگ اسی عکس پر دہوکہ میں آگئے ہیں ایک گمان پر کہ یہ جنت ہے۔

می گریزند از اصول باغہا بر خیالے می کنند ایں لاغہا

یعنی یہ باغات اصلیہ سے بھاگے ہیں اور ایک خیال پر یہ کھیل کر رہے ہیں۔

چونکہ خواب غفلت آید شاں بسر راست بینند و چہ سود ست از نظر

یعنی جب انکی خواب غفلت ختم ہوگی تو ٹھیک چیز کو دیکھ لیں گے اور (اب) دیکھنے سے کیا فائدہ

پس بگورستان غریو افتاد و آہ تا قیامت زیں غلط واحسرتاہ

یعنی پھر گورستان میں شور اٹھتا ہے اور افسوس اور قیامت تک اس غلطی کی وجہ سے حسرت (ہوتی ہے)

اے خنک آنکس کہ پیش از مرگ مرد یعنی او از اصل ایں رز بوئے برد

یعنی کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جو کہ مرنے سے پہلے مر گیا یعنی وہ اس انگور کی حقیقت سے بو لے گیا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جتنے آدمی اس عالم کی باغ و بہار پر جان دئے ہوئے ہیں اور اسمیں لگے ہوئے ہیں یہ سارے کے سارے دہوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان ہی کو اصل باغ و بہار سمجھ کر حقیقی باغ و بہار سے دور بھاگے جارہے ہیں اور اسکو حاصل نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب زندگی جو کہ خواب غفلت کی مانند ہے ایک روز ختم ہوگی جب انکی آنکھیں کھلیں گی مگر جب آنکھ کھلنے ہی سے کیا فائدہ اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ غرضکہ پھر اسی حسرت و افسوس میں

قیامت تک رہیں گے اور اس سے کوئی فائدہ نہو گا۔ بس سب سے اچھا وہ ہے کہ جس نے اس جہاں کی
تمام اشیاء کو ہیچ سمجھا۔ اور ان سب سے قطع تعلق کر کے الگ ہو گیا۔ اور جو دوسروں نے مرنے کے بعد
دیکھا اُسکو اُس نے ابھی سمجھ لیا۔ اور اسپر کاربند ہو گیا۔ اور ان چیزوں میں دل نہ لگایا۔ مقصود مولانا
کا اس سے یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ تمام عالم صفات حق کا مظہر ہے اور انسان مظہر اتم ہے اور یہی ایجاد
سے مقصود ہے اور پھر انسان کامل اکمل ہے مقصودیت میں یہی اکمل ہے لہذا یہ مقصود ہوئے
اور عالم کی تمام اشیاء تابع ہوئیں۔ جنکو مولانا نے عکس سے تعبیر فرمایا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ انسان
کامل جسکی وجہ سے انسان کامل ہوا ہے تمکو وہ باتیں حاصل کرنا چاہئیں اور ان ظلال و عکوس کو ترک
کرنا چاہئے اور دل نہ لگانا چاہئے اب آگے پھر مولانا سلیمان علیہ السلام کے قصہ کیطرف رجوع فرماتے ہیں

سلیمان علیہ السلام کا مسجد اقصٰے کے گوشہ میں خروب کے اُگنے سے غمگین ہونا جبکہ خروب نے اپنی خاصیت بیان کی

ہمچنیں روزی سلیمان از قضا	شد بعادت مسجد اندر ای فتےٰ

یعنی اُسی طرح حسب عادت سلیمان علیہ السلام قضا کی وجہ سے مسجد میں تشریف لیگئے ای جوان۔

نوگیاہے دید اندر گوشہ	رستہ بروے دانہ ہمچوں خوشہ

یعنی ایک گوشہ میں ایک نیا گھاس دیکھا جسپر خوشہ کی طرح دانے لگ رہے تھے۔

دید بس نادر گیاہے سبز و تر	می ربود آں سبزیش نور از بصر

یعنی ایک عجیب گھاس سبز اور تر و تازہ دیکھا کہ اُسکی سبزی آنکھ سے نور کو اچک لیتی تھی یعنی بہت
ہی سر سبز تھا۔

پس سلامش کرد در حال آں حشیش	او جوابش گفت و بشگفت از خوشیش

یعنی اُس گھاس نے سلیمان علیہ السلام کو فوراً سلام کیا تو سلیمان علیہ السلام نے اُسکا جواب دیا اور
اُسکی ترو تازگی کی وجہ سے خوش ہوئے۔

گفت نامت چیست برگو بیدہاں	گفت خروبست اے شاہ جہاں

یعنی آپ نے فرمایا کہ ہاں تیرا نام کیا ہے بتا تو اس نے کہا کہ اے شاہِ جہاں (میرا نام) خروب ہے۔

گفت اندر تو چہ خاصیت بود　　گفت من رستم مکاں ویراں شود

یعنی آپ نے فرمایا کہ تیری خاصیت کیا ہے تو اس نے کہا کہ میں اگا اور مکان ویران ہوا۔

من کہ خروبم خراب منزلم　　ہادم بنیاد ایں آب و گلم

یعنی کہ میں خروب ہوں (باعث) گھر کی ویرانی کا ہوں اور اس آب وگل کی بنیاد کا گرانیوالا ہوں

پس سلیماں آں زماں دانست زود　　کہ اجل آمد سفر خواہد نمود

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے فوراً جان لیا کہ موت آگئی (اب) میں (اس جہان سے) سفر کرونگا (کیونکہ)

گفت تا من ہستم ایں مسجد یقیں　　در خلل ناید ز آفات زمیں

یعنی (دل میں) کہا کہ جب تک میں ہوں یہ مسجد یقیناً آفات زمین سے خلل پذیر نہ ہوگی۔

تا کہ من باشم وجود من بود　　مسجد اقصے مخلل کے شود

یعنی جب تک میں ہوں اور میرا وجود ہے مسجد اقصے خلل پذیر کب ہوگی۔

پس خراب مسجد ما بے گماں　　نبود الا بعد مرگ ما بداں

یعنی پس ہماری مسجد کی خرابی بے شک ہماری موت کے بعد کے علاوہ نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ جب خروب نے اپنی خاصیت ویرانی منزل بتائی اور اگا تھا مسجد اقصے میں تو معلوم ہوا کہ یہ مسجد ویران ہونے والی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بھی جانتے تھے کہ میری زندگی میں یہ خراب ہوگی نہیں۔ بلکہ میرے بعد ہی اجڑے گی لہذا اسکے اجڑنے کا وقت آنا میری موت کا آنا ہے لہذا اسی سے انھوں نے سمجھا کہ اب سفر آخرت قریب آگیا ہے۔ آگے مولانا اس مضمون سے انتقال فرماکر فرماتے ہیں کہ

مسجد است ایں دل کہ جسمش ساجد است　　یار بد خروب ہر جا مسجد است

یعنی یہ دل مسجد ہے کہ جسم اسکا ساجد (مطیع) ہے اور جہاں کہیں مسجد ہے یار بد خروب ہے +

یار بد چوں است در تو مہر او　　ہیں ازو بگریز کم کن گفتگو

یعنی جب یار بد کی محبت تیرے دل میں اگی تو اس سے بھاگ اور گفتگو کو کم کر۔ (یعنی حیلہ بہانے بہت سے مت کرو بلکہ جو کہتے ہیں مان لو)۔

برکن از بیخش کہ گر سر بر زند　　مر ترا و مسجدت را برکند

یعنی اسکو جڑ سے اکھاڑ ڈال کہ اگر بڑھ گیا تو تجھے اور تیری مسجد کو (دونوں کو) برباد کر دیگا۔ مطلب یہ ہی کہ جسطرح وہاں مسجد اقصےٰ تھی اسکے بمنزلہ تمھارا دل ہے۔ اور تمھارا بدن جو دل کا مطیع ہے بجائے ساجد فی المسجد کے ہے اور جسطرح وہاں خروب جما تھا اسی طرح تمھارے قلب میں یاران بد کی محبت جمتی ہے سو اگر خیریت چاہتے ہو تو اس خروب یعنی یار بد کی محبت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو کہ ابھی تو ذرا سی ہے اسقدر مضر نہیں ہے لیکن اگر کہیں ترقی کر گئی اور تمھارے اندر جڑ پکڑ گئی تو یہ یاد رکھنا کہ تمھارے دل کو جو بجائے مسجد کے ہے اور تمھارے بدن کو جو بمنزلہ ساجد کے ہے برباد و تباہ کر کے چھوڑیگی کیونکہ یاراں بد سے جسمانی و روحانی دونوں طرح کے نقصان پہونچتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ اب یہاں مولانا نے جو نصیحت کی تو مخاطب کی طرف سے مولانا کو انکار کا شبہ ہوا جیسا کہ اوپر کے شعر "یار چوں است در تو" "ہیں کم کن گفتگو" سے اسطرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ میاں بہت بہانے مت کرو جو کہتے ہیں سن لو۔ مگر اسکے مانتے ہیں اسکی طرف سے جو حیلے ہوے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ناصح مشفق کی بات کو سنکر اکثر لوگ حیلے تراشا کرتے ہیں اسلئے مولانا آگے اسکو مخاطب فرما کر فرماتے ہیں کہ۔

عاشقا خروب تو آمد کژی ہمچو طفلاں سوئے کژ چوں می غژی

یعنی اے عاشق (یار بد) تیرا (دوسرا) خروب کجی ہے تو بچوں کی طرح کجی کیطرف کس طرح جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اے یار بد کے عاشق تیرے لئے ایک تو وہ یار بد خود خروب کی طرح ہے اور دوسرا خروب تیری یہ کجی ہے کہ تو ناصح مشفق کی نصیحت کو نہیں سنتا اور حیلے و بہانے کرتا ہے ان حیلوں اور بہانوں کو ترک کر تجھے تو یہ چاہئے کہ۔

خویش را نادان و مجرم گو بترس تا نه دزد از تو آں استاد درس

یعنی اپنے نادان اور مجرم ہونیکا اقرار کرلے اور ڈرتا رہ کہ کہیں وہ استاد تجھسے درس کو لے نہ لے۔

چوں بگوئی جاہلم تعلیم دہ ایں چنیں انصاف از ناموس بہ

یعنی جب تو کہیگا کہ میں جاہل ہوں تعلیم دیجئے تو ایسا انصاف ہمارے سے بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ میاں ان حیلوں کو تو ترک کرو اور اپنے جہل کا اور مجرم ہونیکا اعتراف کر کے اُس سے تعلیم کی اور نصیحت کی درخواست کرو۔ ورنہ اگر ایسا نہ کیا تو خوف ہے کہ کہیں وہ ناصح تمکو نصیحت کرنا چھوڑ نہ دے اور

پھر تم مدت العمر بھٹکتے ہی پھرو۔ تمکو جو اعتراف جرم اور جہل سے عار آتی ہے اس عار سے وہ اقرار بدرجہا اولیٰ اور بہتر ہے۔

از پدر آموز اے روشن جبیں　　ربنا گفت و ظلمنا پیش ازیں

یعنی اے روشن پیشانی والے باپ سے سیکھ کہ انھوں نے اس سے پہلے ہی ربنا ظلمنا انفسنا الخ کہا تھا

نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت　　نے لوائے مکر و حیلت بر فراخت

یعنی نہ بہانہ کیا اور نہ دہوکا کیا نہ مکر اور حیلہ کا جھنڈا بلند کیا۔ مطلب یہ کہ میاں اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی روش پر چلو کہ دیکھو جب اُن سے لغزش ہوگئی تو کوئی تاویل وغیرہ انھیں نہیں کی بلکہ فوراً اعتراف کر لیا۔ اور ربنا ظلمنا انفسنا الخ عرض کر دیا پھر جو اُسپر نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے کہ اُن کے مراتب عالی ہوئے۔ اور وہ جیسے مقبول حق تھے ویسے ہی رہے اور مدارج عالی ہوگئے۔

باز آں ابلیس بحث آغاز کرد　　کہ بدم من سرخرو کردیم زرد

یعنی پھر اُس ابلیس نے بحث شروع کی کہ (اے اللہ) میں تو سرخرو تھا آپنے ہی تو مجھے زرد (رو) کیا

رنگ رنگ تست صبّاغم توئی　　اصل جرم و آفت داغم توئی

یعنی (یہ) رنگ آپ ہی کا رنگ ہے اور میرے رنگنے والے تو آپ ہی ہیں میرے جرم کا منشا اور میرے داغ کی آفت تو آپ ہی ہیں۔

ہیں بخواں رب بما اغویتنی　　تا نگردی جبری و کژ کم تنی

یعنی ہاں رب بما اغویتنی کو پڑھ تاکہ تو جبری نہو جاوے۔ اور کجی کو کم تنے۔ مطلب یہ کہ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کے اعتراف کا اثر بلندی مدارج ہوا اور شیطان نے جو بحث شروع کر دی اور حق تعالیٰ ہی پر الزام لگانے لگا کہ میں کیا کروں میری اسمیں کیا خطا ہے آپ ہی نے مجھے گمراہ کیا ورنہ میں ہرگز گمراہ ” اور میری جو حالت ہے یہ آپ ہی نے کی ہے ورنہ میں تو اچھا خاصہ تھا تو اُسکا نتیجہ دیکھ لو کہ مردودیت ابدی ہوا کہ ابدالآباد کیلئے ملعون ہوگیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں یہ باتیں شیطان کی اپنی طرف سے بیان نہیں کرتا بلکہ قرآن شریف سے بیان کرتا ہوں تم آیت قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم الخ کو پڑھلو تمکو خود معلوم ہو جاویگا کہ آیا اُس نے یہ باتیں کیں یا نہیں اسکو پڑھکر اور اسکی حالت اور آدم علیہ السلام کی حالت کو دیکھکر اب تمکو چاہیئے کہ جبری نہ بنو

اور سمجھ لو کہ یار بد سے بچنا تمھارے اختیار میں ہے اور جسقدر تم عذر پیش کرتے ہو یہ سارے تمھارے حیلے ہیں اور سب مکر ہیں انکو چھوڑو اور اعتراف جرم کر کے ناصح مشفق کی نصیحت کو سنو اور یاران بد سے اجتناب کرو آگے فرماتے ہیں کہ۔

بر در خست جبر تا کے بر جہی — اختیار خویش را یکسو نہی

یعنی درخت جبر پر کب تک کودتے رہو گے اور اپنے اختیار کو (کب تک) ایک طرف رکھتے رہوگے

ہمچو آں ابلیس و ذریات او — باخدا در جنگ و اندر گفتگو

یعنی اُس ابلیس اور اسکے ذریات کی طرح خدا سے جنگ میں اور گفتگو میں (کب تک رہو گے) مطلب یہ کہ جبر کے قائل ہوکر کب تک اپنا تبریہ اور انکار خطا کرتے رہوگے اور کب تک یہ حیلے بہانے شیطان کی طرح کروگے اب تو اعتراف کر کے رجوع بحق ہونا چاہیے۔ کیونکہ ثابت ہوگیا کہ جبر محض نہیں ہے۔ بلکہ اختیار بھی ہے آگے بھی اسی کو ثابت فرماتے ہیں کہ۔

چوں بود اکراہ با چندیں خوشی — کہ تو در عصیاں ہمی دامن کشی

یعنی باوجود اسقدر خوشی کے کہ تو عصیان میں دامن کھینچتا ہے اکراہ کس طرح ہوسکتا ہے۔

آنچناں خوش کس رود در مکر ہی — کس چناں رقصاں رود در گمرہی

یعنی اس طرح خوش کوئی زبردستی میں دوڑتا ہے اور کوئی اس طرح گمراہی میں جھیلتا کودتا جاتا ہے

بیست مردہ جنگ میکردی دراں — کت ہمی دادند پند آں دیگراں

یعنی بیس آدمیوں کی برابر تو جنگ کرتا ہے اسمیں کہ وہ دوسرے تجھے نصیحت کرتے ہیں (اور کہتا ہے کہ)

کہ صواب ایں است و راہ این است و بس — کہ زند طعنہ مرا جز ہیچکس

یعنی کہ ٹھیک یہی ہے اور راہ (درست) یہی ہے اور بس اور سوائے ذلیل لوگوں کے مجھے کون طعنہ دیگا مطلب یہ کہ تم جو گناہ کرتے ہو تو دیکھو کیسے اپنی خوشی سے کرتے ہو اور کیسے ناچتے کودتے ہو بھلا جس شخص سے زبردستی کام لیا جاتا ہے وہ بھی کہیں اس طرح خوش خوش اُس کام کو کیا کرتا ہے اگر اکراہ ہوتا تو تم تو بہت ہی پژمردہ ہوتے اور اس گناہ کے وقت پریشان ہوتے۔ اور اگر ذرا سا سہارا اُسکے ترک کا ملتا تو اسکو غنیمت جانتے بخلاف اسکے تمھاری تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی تمکو نصیحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسکو ترک کردو یہ بری بات ہے تو تم اُس سے لڑنے کو موجود ہو جاتے ہو اور ثابت کرنے لگتے ہو کہ نہیں یہی

درست ہے اور ثابت بھی ایسے ویسے نہیں بلکہ اسقدر زور شور سے ثابت کرتے ہو کہ جیسے وہ ناصح ایک ہے اور اُسکے مقابلہ میں بیس آدمی رد کیلئے ہوں اور کہتے ہو کہ میاں جو احمق ہیں وہ اسکو بُرا بتاتے ہیں ورنہ اصل میں راہ صواب یہی ہے تو بھلا کوئی مکرہ بھی اس طرح کیا کرتا ہے تمھاری اس حالت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم اُس گناہ کو خود اپنے اختیار سے کرتے ہو۔ اور نیک کاموں میں جبری بنجاتے ہو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کے چنیں گوید کسے کو مکرہ است   کے چنیں جنگد کسے کو گمرہ است

یعنی بھلا جسپر زبردستی کیگئی ہو وہ اس طرح کب کہتا ہے اور جو (اپنے کو) گمراہ (سمجھتا) ہو وہ کہیں اس طرح لڑا بھی کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس سے زبردستی کام لیا جاتا ہے بھلا وہ اُس کام پر اس طرح اڑتا بھی ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اپنی جان چھڑا کر بھاگنا چاہتا ہے اور خلاصی کے بہانے تلاش کیا کرتا ہے تو تمھارے اس کہنے سے اور جھگڑنے سے صاف معلوم ہو گیا کہ تم پر کوئی زبردستی نہیں بلکہ تم اپنی خوشی سے سارے کام کرتے ہو۔ بس بات ہے تو یہ ہے کہ۔

ہرچہ نفست خواست داری اختیار   ہرچہ عقلت خواست آری اضطرار

یعنی جس بات کو تیرا نفس چاہتا ہے اُسمیں تو تم اختیار رکھتے ہو اور جسکو تمھاری عقل چاہتی ہے اُسمیں تم اضطرار کو لاتے ہو یعنی مقتضیات نفس میں تو سارے کام اختیار سے کرتے ہو اور اگر کوئی نیک کام کو کہتا ہے جو مقتضا ہے عقل کا تو اُسمیں یہ کہدیتے ہو کہ ہم کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ خدا کو منظور نہیں ہے اور اُسکی مشیت کے خلاف ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ لہذا یہ نیک کام کرنا ہمارے اختیار سے خارج ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

داند آنکو نیکبخت و محرم است   زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

یعنی جو شخص کہ دانا اور محرم (اسرار) ہے وہ جانتا ہے کہ چالاکی کرنا تو ابلیس کا کام ہے اور عشق آدم علیہ السّلام کا کام ہے۔ مطلب یہ کہ زیرکی جسمیں اپنی عقل اور سمجھ کو درمیان میں لانا اور حق تعالےٰ سے معارضہ کرنا اور نعوذ باللہ اپنے گناہوں کا الزام حق تعالیٰ پر رکھنا اور اعتراف نکرنا اور جبر کے قائل ہونا یہ سب داخل ہیں یہ تو کام شیطان کا ہے کہ وہی اسطرح کہا کرتا تھا اور عشق جسمیں اطاعت محضہ ہوتی ہے آدم علیہ السّلام کا کام ہے بس اب تم خود فیصلہ کر لو کہ کونسا قابل حصول ہے اور کون

قابل ترک خدا کے لئے اس زیرکی کو ترک کرو اور اطاعت اور اعتراف ذنوب اختیار کرلو اور جبر کو چھوڑو۔ آگے زیرکی کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

زیرکی آمد سباحت در بحار　　کم رہد غرق است او پایان کار

یعنی زیرکی سمندر میں تیرنا ہے تو (سمندر میں تیرنے والا) کم چھوٹتا ہے وہ آخر کار غرق (ہی ہوتا ہے)

ہل سباحت را رہا کن کبر و کیں　　نیست جیحون نیست جو دریاست ایں

یعنی تیراکی کو چھوڑ اور کبر و کینہ کو ترک کر یہ کوئی ندی نالہ نہیں ہے سمندر ہے۔

وانگہاں دریائے ژرف و بے پناہ　　در رباید ہفت دریا را چو کاہ

یعنی اور وہ بھی ایک دریائے عمیق بے پناہ کہ سات دریا کو تنکے کی طرح بہا لیجاوے۔

عشق چوں کشتی بود بہر خواص　　کم بود آفت بود اغلب خلاص

یعنی خواص کیلئے عشق کشتی کی طرح ہے تو آفت کم ہوتی ہے اکثر خلاص ہی ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ احکام حق کے سامنے زیرکی سے کام لینا ایسا ہے جیسا کہ سمندر میں تیرنا اور سمندر بھی ایسا ویسا ندی نالہ جیسا نہیں بلکہ اسقدر بڑا کہ اگر سات سمندر بھی اُسکے اندر آجاویں تو کہیں پتہ نہ چلے تو ظاہر ہے کہ ایسے دریا کا تیرنے والا کنارہ کو نہیں لگ سکتا آخر ایکروز اسی میں غرق ہوکر ہلاک ہوگا۔ اسی طرح اس زیرکی کو اختیار کرنے والا ایکدن ہلاک ہوگا اور روسیاہ ہوکر دربار حق سے نکالا جاویگا (اللہم احفظنا) لہذا تم کو چاہیئے کہ اسکو ترک کرکے عشق و طاعت کو اختیار کرو جسکی مثال کشتی جیسی ہے۔ آمین تم بآرام اس سمندر کو عبور کرسکو گے۔ اپنی عقل کو بالائے طاق رکھو اور بس اطاعت محضہ اختیار کرو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

زیرکی بفروش و حیرانی بخر　　زیرکی ظن است و حیرانی نظر

یعنی زیرکی کو فروخت کرکے حیرانی کو خرید کے زیرکی تو ظن ہے اور حیرانی حقیقت ہے۔

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ　　حسبی اللہ گو کہ اللہم کفےٰ

یعنی عقل کو مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے قربان کردے اور حسبی اللہ کہدے اور (کہدے) کہ اللہ مجھے کافی ہے مطلب یہ کہ اپنی عقل کو جو صرف اکل کے کام کی ہے اور اس زیرکی کو الگ کرکے حیرانی اور عشق کو خرید لے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جانشینوں کے سامنے

سر اطاعت خم کر کے اپنی رائے اور عقل وغیرہ سب کو فنا کر دے اور خدا پر بھروسہ کر کے اُن حضرات کا اتباع کرو بس یہ ہے طریق اسی سے منزل تک رسائی ہوگی ورنہ عمر بھر بھٹکو گے اور راہ کا کہیں پتہ نہ ملے گا۔

ہمچو کنعان سر زکشتی وا کش — کہ غرورش داد نفس زیرکش

یعنی کنعان (پسر نوح علیہ السلام) کی طرح کشتی سے علیحدگی مت اختیار کر کہ اُسکو تو اُسکے نفس زیرک نے دہوکا دیا تھا۔

کہ بر آیم بر سر کوہ مشید — منت نوحم چرا باید کشید

یعنی کہ میں کسی بلند پہاڑ پر چڑہ جاؤنگا میں نوحؑ کا احسان کیوں کھینچوں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جسطرح کہ کنعان پسر نوح علیہ السلام نے کشتی نوح سے علیحدگی اختیار کی تہی اور اُسکے نفس نے اُسکو اسطرح بہکایا تھا کہ میاں کیوں اُنکا احسان لیا یہ پانی بھلا کہانتک بڑہے گا میں کسی بلند پہاڑ پر چڑھکر بچ جاؤنگا۔ جب اُس نے اپنی زیرکی اور عقل سے کام لیا اور اُسپر عمل کیا تو آخر جو نتیجہ ہوا اسکو معلوم ہے اسی طرح تم بہی اس کشتی عشق سے الگ ہوکر ناصحان مشفق اور جانشینان رسول کا ابتاع کرتے ہوئے عار سمجھتے ہو اور اُن کے احسان سے بچتے ہو تو آخر اس طوفان بلا میں تمھارا بہی وہی حشر ہوگا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چون رہی از منتش اے بی رشد — کہ خدا ہم منت او می کشد

یعنی اے گمراہ تو بھلا اُن کے احسان سے کس طرح چھوٹ سکتا ہے جبکہ حق تعالیٰ بہی اُنکے احسان مند (قدرداں) ہیں۔

چون نباشد منتش بر جان ما — چونکہ شکر و منتش گوید خدا

یعنی ہماری جان پر اُنکا احسان کس طرح نہیں ہے جبکہ اُنکا شکر اور احسان حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تو چہ دانی اے غرارہ پر حسد — منت او را خدا ہم می کشد

یعنی اے مغرور حاسد تو کیا جانے کہ اُنکی قدر حق تعالیٰ بہی فرماتے ہیں مطلب یہ کہ مولانا اُس کنعاں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میاں تم تو کیا ہو جو اُن کے احسان سے بچتے ہو اور اُن سے عار کرتے ہو اُنکی تو وہ شان ہے کہ حق تعالیٰ بہی اُنکی قدر و منزلت کرتے ہیں جیسا کہ انبیا علیہم السلام

کی بابت ہزارہا جگہ خود قرآن شریف میں موجود ہے تو بھلا تم تو کس کھیت کے بتھوے ہو تمہاری تو وہاں پوچھ بھی نہیں۔ تو اسی طرح اے مخاطب تو جو اولیاء اللہ جانشینان انبیا سے عار کرتا ہے اور انکا بار احسان سر پر لینا نہیں چاہتا اس سے کیا ہوتا ہے حق تعالیٰ ان کے قدر دان ہیں اور انکی قدر وہ فرماتے ہیں لہذا تیرا احسان نہ ماننے سے انکا کوئی ضرر نہیں ہے سراسر تیرا ہی ضرر ہے کہ تو ہلاک ہوگا اور خسران ابدی میں جا پڑیگا۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

کاشکے او آشنا ناموختے تا طمع در نوح و کشتی دوختے

یعنی کاش وہ تیرنا نہ سیکھتا تاکہ نوح اور کشتی میں حرص کرتا۔

کاش چوں طفل از حیل جاہل بدے تا چو طفلاں چنگ در مادر زدے

یعنی کاش وہ بچوں کی طرح حیلوں سے جاہل ہوتا تاکہ بچوں کی طرح ماں میں چنگل مارتا۔

یا بعلم نقل کم بودے ملی علم وحی دل ربودے از ولی

یعنی یا علم نقل سے کم تونگر ہوتا کسی ولی سے وحی دل کا علم اڑا لیتا۔

چوں تیمم با وجود آب داں علم نقلی با دم قطب زماں

یعنی قطب زمان کے ہوتے ہوئے علم نقلی کو (ایسا سمجھو جیسے کہ) پانی کے ہوتے ہوئے تیمم مطلب یہ کہ کاش اگر کنعان شناوری نہ سیکھتا اور اس سے جاہل ہی رہتا تو اچھا تھا کہ اس حیل سے بچ تو جاتا اب تو اس تیرنے ہی کے گھمنڈ پر اس نے یہ جرات کی کہ کشتی میں نہ بیٹھا۔ اور کاش تمام علموں سے بچوں کی طرح جاہل ہوتا تو جسطرح بچہ ماں کو لپٹا کرتا ہے اسی طرح وہ کشتی کی طرف توجہ کرتا اور اس جہل اور بے دست و پائی سے بچ جاتا اور خیر اگر علم ہی ہوتا تو یہ علم نقلی تو نہ ہوتا بلکہ علم وحی ہوتا کہ کسی کا اتباع کرتا اور ہلاکت سے بچتا اسی طرح اے مخاطب اگر تو جاہل ہوتا اور تجھے یہ سارے حیلے حوالے نہ آتے اور تو مجبور ہوتا تو اس علم سے اچھا تھا کہ پھر اپنے اوپر گھمنڈ تو نہ ہوتا کہ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں اسوقت تجھکو کسی کا اتباع کرتے ہوئے عار نہ ہوتی۔ آج جو یہ عار آرہی ہے یہ اسی علم کی بدولت تو ہے کہ تو اپنے کو مولوی اور علامہ سمجھے ہوئے ہے اور دوسروں کو جاہل اور حقیر جانتا ہے جو کہ طریق کا سب سے بڑا راہزن ہے علم وحی کے سامنے اس علم کی مثال ایسی ہے جیسے وضو اور تیمم اگر کوئی شخص پانی ہوتے ہوئے تیمم کرکے نماز ادا کرے تو ظاہر ہے کہ اسکی نماز ادا نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اس

علم وحی کے ہوتے ہوئے اس علم سے کام لوگے تو آخر سوائے ہلاکت کے مقصود تک ہرگز نہیں پہونچ سکتے ہاں اگر علم وحی نہوتا تو اسوقت بیشک یہی علم کام دیتا مگر علم وحی کے موجود ہوتے ہوئے تو یہ بالکل بیکار محض ہے لہذا اس علم کو اور اپنے دعوے ولایت وغیرہ کو چھوڑ کر یہ کرو کہ۔

خویش ابلہ کن تبع می رو سپس — رستگی زیں ابلہی یابی وبس

یعنی اپنے کو بیوقوف بنالے اور تابع ہو کر پیچھے چلا چل تصرف اس ابلہی ہی کی وجہ سے چھٹکارا پاویگا مطلب یہ کہ اپنے اس دعوے کو چھوڑ دو اور اپنی رائے کو فنا کر کے مرشد کامل اور جانشین نبی کا اتباع کر کے راہ چلتے رہو کہ اس ترک علم ہی سے اور اس بیوقوفی ہی سے تمکو منزل مقصود تک رسائی ہوگی اور آفتوں سے چھٹکارا ملیگا۔

با چنیں نورے چو پیش آری کتاب — جان وحی آسای تو آرد عتاب

یعنی جب تو باوجود ایسے نور کے کتاب کو سامنے لاتا ہے تو تیری جان وحی سے آرام پانے والی عتاب لاتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب نور علم وحی کے ہوتے ہوئے تم کتب عقلیہ پر عمل کرنا چاہتے ہو تو تمھاری جان جو علم وحی سے مانوس ہے پریشان ہوتی ہے اور گھبراتی ہے۔ لیکن بعض مرتبہ تو احساس ہوتا ہے مگر تم پرواہ نہیں کرتے۔ اور اسکی طرف التفات نہیں کرتے۔ اسلئے آخر ایک روز پریشانی بھی مضمحل ہو جاتی ہے اور پھر غفلت کا پردہ اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ پھر اسکا احساس بھی نہیں رہتا اور پھر آخر ہلاکت ہوتی ہے۔ لہذا اپنی اس زیرکی کو آگ دو اور اسکے مقابلہ میں جو ابلہی ہے اسکو اختیار کرو کیونکہ۔

اکثر اہل الجنۃ البلہ اے پدر — بہر ایں گفت است سلطان بشر

یعنی اے باوا اسی واسطے سلطان بشر نے اکثر اہل جنۃ کو بلہ فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو حدیث میں بھی تو ہے۔ اہل الجنۃ بلہٗ تو اگر تم نے اس ابلہی کو اختیار کر لیا تب تو تم بھی اہل جنت ایں سے ہو جاؤگے اور اگر تم نے اسکو اختیار نہ کیا بلکہ اپنی زیرکی ہی میں رہے تو پھر جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے۔

زیرکی چوں کبر باد انگیز تست — ابلہے شو تا بماند دین درست

یعنی زیرکی تکبر کی طرح تمھاری پھیلانے والی ہے تو تو ابلہ ہو جا تاکہ دین درست رہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو کبر تو تمکو بھی معلوم ہے کہ راہزن طریق ہے۔ اور یہ تمھاری زیرکی بھی کبر ہی کی طرح ہے۔ لہذا اس سے بھی بچو تاکہ دین درست رہے ورنہ دین کی خیر نہیں ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ بھلا

عقل جیسی شئے بھی کہیں برباد کرنیکے قابل اور کھو دینے کے قابل شئے ہے اور ابلہی بھی کہیں قابل حصول ہے تو سن لو کہ تم جسکو ابلہی سمجھے ہو ہماری مراد وہ نہیں ہے ہماری مراد ابلہی سے وہ ہے کہ جسکے حاصل ہونے سے تم صاحب اسرار اور عاقل کامل ہو جاؤ گے اور عقل کے کھونے سے مراد اس عقل ناقص کا کھونا ہے کہ اسکو کھو کر کامل کو حاصل کرو اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ابلہی نے کو بمسخر گی دو تو رست ابلہی نے کز شقاوت مال جوست

یعنی وہ ابلہی نہیں جو کہ مسخرہ پن کے ساتھ ہو اور وہ ابلہی نہیں جو کہ شقاوت کی وجہ سے طالب مال ہو بلکہ

ابلہی کو والہ و حیران ہوست باشد اندر گردن او طوق دوست

یعنی وہ ابلہی جو کہ حق تعالیٰ کی شیدا اور حیران ہو اور اسکی گردن میں دوست کا طوق پڑا ہوا ہو۔

ابلہانند آں زنان دست بر از کف ابلہ در رخ یوسف نظر

یعنی وہ ہاتھ کاٹنے والی عورتیں بیوقوف ہی تھیں کہ ہاتھ سے تو بیخبر تھیں اور رخ یوسف میں نظر تھی۔ مطلب یہ کہ ابلہ سے ہماری مراد وہ ابلہ نہیں جو مسخرا پن کرتے پھرتے ہیں اور باولے ہوتے ہیں۔ بلکہ ابلہ اور بے عقل سے وہ مراد ہے جسکی عقل پر عشق حق غالب ہو گیا ہو اور وہ اسکے عشق میں حیراں اور سرگرداں ہو گیا ہو اور ایسی بیوقوفی مراد ہے جیسی کہ زنان مصر کو مشاہدہ جمال یوسفی کے وقت ہوئی تھی کہ انکو اپنے ہاتھ کی تو خبر رہی نہیں صرف مشاہدۂ جمال یوسف میں غرق ہو گئیں۔ اسی طرح ابلہ سے وہ مراد ہے کہ اپنی تو خبر نہ رہے اور مشاہدۂ جمال حق میں مصروف ہو جاوے۔ جب معلوم ہو گیا کہ بے عقل و ابلہ سے یہ مراد ہے تو اب بے عقل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ۔

عقل را قربان کن اندر عشق دوست عقلہا باری ازاں سوئیست کوست

یعنی عشق دوست میں عقل کو قربان کر دے۔ (کیونکہ) عقلیں تو آخر اسی طرف سے ہیں جس طرف سے وہ ہے۔ مطلب یہ کہ عشق حق میں اس عقل ناقص کو قربان کر دو۔ اور اسپر عشق حق کو غالب کر لو۔ کیونکہ آخر یہ عقل بھی تو حق تعالیٰ ہی کے پاس سے آئی ہے اور اسی نے تو دی ہے پھر مالک کے عشق میں اسکو قربان کرتے ہوئے تمکو دریغ کیوں آتا ہے۔ تم کوئی مالک نہیں ہو۔ کچھ نہیں میاں جہاں سے آئی تھی وہیں تو جا رہی ہے پھر مرے کیوں جلتے ہو۔

عقلہا آنسو فرستادہ عقول ماندہ ایں سو کہ نہ گول ست و فضول

یعنی عاقلوں نے تو عقلوں کو اُس طرف بھیج دیا ہے اور جو بیوقوف اور فضول ہے وہ اسی طرف رہ گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جو عاقل تھے اُنھوں نے اپنی عقلوں کو عشق میں قربان کر دیا ہے اور جدھر سے آئی تھیں اُدھر ہی کو روانہ کر دیا ہے اور جو بیوقوف تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہ گئے کیونکہ وہاں تو یہ حالت ہے کہ

زیں سر از حیرت گر ایں عقلت رود　　ہر سر مویت سر و عقلے شود

یعنی اس سر سے حیرت (عشق) کی وجہ سے اگر تیری عقل جاتی رہے تو تیرا ہر سر مو ایک سر اور عقل ہو جاوے مطلب یہ کہ اگر اُس عشق کی وجہ سے تمھاری یہ عقل جاتی رہے اور عشق غالب ہو جاوے تب تو تمھارا ہر ہر بال ایک مستقل عقل ہو جاوے اور اس ناقص کے فنا ہونے سے عقل کامل تمکو ملجاوے۔ اسی لئے جو سمجھدار تھے اُنھوں نے اس ناقص کو فنا کر کے کامل کو لے لیا۔ اور جو ناسمجھ تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے اور وہاں کی تو یہ شان ہے کہ

نیست آنسو رنج و فکرت بر دماغ　　کز دماغ و عقل روید دشت و باغ

یعنی اُس طرف دماغ پر فکر اور تکلیف نہیں ہے کیونکہ دماغ اور عقل سے تو دشت و باغ اُگتے ہیں۔

سوئے دشت از دشت نکتہ بشنوی　　سوئے باغ آئی شود نخلت روی

یعنی جنگل کی طرف (جاوے تو) جنگل سے تو نکات سنے اور باغ کی طرف آوے تو تیرا نخل سرسبز ہو جاوے مطلب یہ کہ وہ عقل کامل میسر ہو جاویگی تو پھر دماغ پر افکار کا بار نہ رہیگا۔ کہ اب اس عقل کے ہوتے ہوئے تو علوم وغیرہ کو سوچتے ہو اور محنت کرتے ہو تب حاصل ہوتے ہیں اور پھر سب علوم وہبی ہونگے کسی سوچ بچار کی ضرورت ہی نہو گی۔ اور اب تو دشت و باغ میں جا کر بہار کا مشاہدہ کرتے ہو اور ان میں غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے اور جب وہ عقل کامل میسر ہو جاویگی تو پھر تو خود دشت و باغ تم سے اسرار کو بیان کرنے لگیں گے۔ اور خود تمھاری عقل و دماغ میں دشت و باغ ہوں گے کہ اُن ہی کا مشاہدہ کرتے رہو گے پس جب یہ حالت ہے تو تم کو چاہئے کہ۔

اندریں رہ ترک کن طاق و طرنب　　تا قلاووزت نجنبد تو مجنب

یعنی اس راہ میں ترک بھڑک کو چھوڑ دو اور جب تک تیرا رہبر نہ ملے تو مت ہل۔

ہر کہ او بے سر بجنبد دم بود　　جنبشش چون جنبش کژدم بود

یعنی جو بے سر کے ہے وہ دم ہوتی ہے اور اُسکی جنبش مثل جنبش کژدم کے ہوتی ہے۔ کہ وہ

کژ رو ست و کور زشت و زہرناک　　پیشۂ او خستن جانہائے پاک

یعنی کجرو ہے اور اندہا برا اور زہر کا بھرا ہوا ہے اُسکی عادت پاک جانوں کو زخمی کرنا ہے۔

سر بکوب آنرا که سرش این بود　　خلق و خوی مستمرش این بود

یعنی اُسکا سر کوٹ دے کہ اُسکا سر اسی لائق ہے۔ اُس کا خلق و خو ہمیشہ یہی ہے۔

خود صلاح اوست این سر کوفتن　　تا رہد جاں ریزہ اش زیں شوم تن

یعنی خود اُسکی بھلائی یہ سر کوٹنا ہی ہے تا کہ اُسکی باقی ماندہ جاں اس منحوس تن سے چھوٹ جاوے مطلب یہ ہے کہ راہ حق میں اپنے دعووں کو اور عزت و ناموس کو جسکی وجہ سے اتباع سے عار آتی ہے چھوڑ دو اور شیخ کامل کا ایسا اتباع کرو کہ بے اُسکی حرکت کے تمکو حرکت بھی نہو۔ کیونکہ تمھارے لئے وہ بجائے سر کے ہے سو اگر سر نہو صرف دُم ہی دُم ہو تو ظاہر ہے کہ بیکار ہے اسی طرح اگر شیخ نہو اور اُسکا اتباع نہو تو دُم کی طرح بیکار اور نالائق ہو گے اور جسطرح بچھو کجرو اور اندہا اور برا ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ اچھے لوگو نکو ستاتا ہے اسی طرح بے اتباع مرشد کے تم بھی کجرو اور اندھے ہو گے اور تم سے بھی مقبولان الٰہی کو تکلیف ہو نگی پھر اُس بچھو کو اگر مار ڈالو تو اُسکے لئے یہی اچھا ہے کہ وہ اس نیش زنی سے چھوٹ جاویگا۔ اسی طرح اگر تم اپنے اندر سے اُن دعووں اور خصلتوں کو نکال ڈالو گے جو بچھو کی طرح ہیں اور اُنکا سر کچل دو گے تو خیر جو کچھ ایمان باقی رہگیا ہے وہ تو بچ جاویگا۔ اور تم مقبولان الٰہی کو ستانے سے تو باز رہو گے لہذا اں باتوں کیلئے بہتر یہی ہے کہ انکو ترک کیا جاوے اور فنا کر دیا جاوے تاکہ ایمان کی سلامتی ہو خوب سمجھ لو۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

واستان از دست دیوانه سلاح　　تا ز تو راضی شود عدل و صلاح

یعنی دیوانہ کے ہاتھ سے ہتیار لیلو۔ تاکہ تم سے انصاف اور بھلائی راضی ہو۔

چوں سلاحش ہست عقلش نے بہ بند　　دست او را ورنہ آرد صد گزند

یعنی جب اُس کے پاس ہتیار تو ہیں اور عقل ہے نہیں تو اُسکے ہاتھ باندھ دو ورنہ سیکڑوں گزند پہونچاویگا۔ مطلب یہ کہ تمھارے نفس کے پاس یہ علم وغیرہ جسکا وہ دعویٰ کر رہا ہے ایسے ہیں جیسے کسی دیوانہ کے ہاتھ میں ہتیار ہوں تو جب اُسکو عقل تو ہے نہیں اور ہتیار ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ نکرے کم ہے لہذا اُسکے ہاتھ سے ہتیار لیلو۔ اسی طرح اس نفس سرکش کے دعوے علم وغیرہ کو

برباد کردو اور مثادو اس طرح کہ اسکو ذلیل کر کے کسی محقق کا اتباع کرو کہ اس سے کام بنجاوے گا غرضکہ اپنی رائے کو آگ لگا دو اور اتباع شیخ کامل شروع کرو بس راستہ صاف ہے۔ ورنہ اگر اپنی رائے سے کام لیا تو پھر ایسے قعر میں کرو گے کہ کہیں پتہ بھی نہ چلیگا حضرت حافظ رح اسی کو فرماتے ہیں

شعر عقل خود درائی خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی وخود رائی

بس اس راہ میں جو ہوتا ہے اتباع سے ہوتا ہے۔ ورنہ ساری عمر بھٹکتے پھرو کچھ ہاتھ پلے نہیں پڑتا اسی کو فرماتے ہیں کہ شعر بے قلاؤز اندریں صحرا مرو + چونکہ یہاں فرمایا تھا کہ دیوانہ کے ہاتھ سے ہتیار لیلو ورنہ وہ خود ہی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کریگا۔ تو آگے اسی مناسبت سے بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح بدگوہر کو علم و مال وجاہ کا حاصل ہونا ایسا ہے جیسا کہ راہزن کے ہاتھ میں تلوار دیدینا۔

بیان اس کا کہ بدگوہر کو علم و مال وجاہ حاصل ہونا اس کے لئے باعث رسوائی ہے اور ایسا ہے جیسے کہ ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دیدی جاوے

بدگہر را علم وفن آموختن دادن تیغے بدست راہزن

یعنی نالائق کو علم وفن سکھانا راہزن کے ہاتھ میں ایک تلوار دیدینا ہے۔

تیغ دادن درکف زنگی مست بہ کہ آید علم ناکس را بدست

یعنی زنگی مست کے ہاتھ میں تلوار دیدینا بہتر ہے اس سے کہ نا اہل کو علم حاصل ہو جاوے۔ (کیونکہ وہ تلوار کو لیکر تن ہی کو زخمی کریگا اور یہ علم سیکھ کر تو روح اور ایمان کی خبر لیگا (اللھم احفظنا)

علم وجاہ و منصب ومال و قران فتنہ آمد درکف بدگوہراں

یعنی علم اور جاہ اور منصب اور مال اور شوکت بدگوہروں کے ہاتھ میں فتنہ ہے (قران کہتے ہیں ستاروں کے جمع ہونیکو اور چونکہ نجومی کواکب سعد کے اجتماع سے انکی شوکت وجاہ پر استدلال کرتے ہیں اسلئے مجازاً قران کا اطلاق شوکت وجاہ پر کردیا گیا) مطلب یہ کہ مال وجاہ وغیرہ کا حصول نا اہل

کیلئے فتنہ ہے۔

پس غزا زیں فرض شد بر مؤمناں تا ستانند از کف مجنوں سناں

یعنی پس اسی لئے مومنین پر لڑائی فرض ہوئی تاکہ مجنون کے ہاتھ سے بھالا لے لیں۔ (آگے خود اس کی شرح فرماتے ہیں کہ)

جان او مجنون تنش شمشیر او وا ستان شمشیر را زیں زشت خو

یعنی اُسکی جان تو مجنون ہے اور اُسکا تن تلوار ہے تو اس زشت خو سے تلوار کو لیلے مطلب یہ کہ مومنین پر جو جہاد فرض ہوا ہے اُسکی وجہ یہی ہے تاکہ ان کے بدنوں کو اُنکی جانوں سے خالی کردیں کیونکہ اُنکی جانوں کی مثال تو مجنون جیسی ہے اور تن شمشیر کی طرح ہے سو اگر شمشیر نہ رہیگی تو یہ خود بھی ضرر سے بچ جاویگا۔ اور دوسرے بھی اسکے ضرر سے بچ جاویں گے۔

انچہ منصب میکند با جاہلاں از فضیحت کے کند صد ارسلاں

یعنی منصب جتنا جاہل کو رسوا کرسکتا ہے سو شیر بھی نہیں کرسکتے۔ مطلب یہ کہ جب جاہل کو کوئی منصب اور جاہ نصیب ہوجاتا ہے تو وہ اُسکے عیوب کو اس طرح ظاہر کردیتا ہے کہ اگر بڑے سے بڑا کوئی زبردست ہو وہ بھی اُسکو اسطرح رسوا اور ذلیل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ

عیب او مخفی ست چوں آلت بیافت مارش از سوراخ بر صحرا شتافت

یعنی اُسکا عیب پوشیدہ ہے اور جب آلہ پالیا اور اسکا سانپ سوراخ سے جنگل میں دوڑا۔

جملہ صحرا مار و کژدم پُر شود چونکہ جاہل شاہ حکم مر شود

یعنی تمام جنگل سانپ بچھوؤں سے پُر ہوجاتا ہے جبکہ جاہل حکم قطعی کا مالک ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جاہل کا عیب اول تو پوشیدہ تھا کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ ضرر رساں ہے یا نفع رساں جب اُسکو قوت اور شوکت میسر ہوگئی اور اُس نے ضرر رسانی شروع کی تب سب کو اُسکا عیب معلوم ہوجاتا ہے اور سب لوگ اُسکی حالت کو جان لیتے ہیں اور پھر جو خصلت کہ دبی پڑی تھی اور جسکا ظہور ضرر رسانی نہیں ہوتا تھا آج منصب ملنے سے اُسکا خوب ظہور ہورہا ہے۔ اور تمام عالم اُسکی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے جیسے سارے جہان میں مار و کژدم بھرگئے ہیں جسطرح وہ سب ضرر رساں ہونگے اسی طرح یہ حضرت بھی اس منصب و جاہ کی بدولت ضرر رساں ہورہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

چوں قلم در دست غداری بود   لاجرم منصور بر دارے بود

یعنی جب قلم کسی غدار کے ہاتھ میں ہو تو ضرور منصور دار پر ہوگا۔ مطلب یہ کہ جب نا اہلوں کے ہاتھ حکومت ہوگی تو ایسے ہی ایسے واقعات ہونگے۔ جیسے کہ حضرت منصور دار پر کھینچ دئے گئے اگر کوئی اہل ہوتا تو اُن کی حالت کو عذر سمجھ کر چھوڑ دیتا بلکہ اور تعظیم و تکریم کرتا مگر نا اہلوں کی وجہ سے اُن پر یہ گذری آگے فرماتے ہیں کہ۔

مال و منصب ناکسے کار د بدست   طالب رسوائی خویش او شدہ است

یعنی مال و منصب جو کوئی نا اہل ہاتھ میں لاوے وہ اپنی رسوائی کا خود طالب ہوا ہے (کیونکہ)

یا کند بخل و عطا ہا کم دہد   یا سخا آرد بنا موضع نہد

یعنی یا تو بخل کریگا اور عطائیں کم دیگا اور یا سخا کریگا تو بے جگہ رکھے گا۔

شاہ را در خانۂ بیذق نہد   ایچنیں باشد عطا کاحمق دہد

یعنی شاہ کو پیادہ کے خانہ میں رکھدیگا اور جو عطا کہ احمق کرتا ہے وہ تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی جاہل اور نا اہل مال و منصب کے حصول کی کوشش میں ہو تو سمجھ لو کہ یہ خود ہی اپنی رسوائی کے درپے ہے اسلئے کہ جب مال و منصب ہاتھ لگجاویگا تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو بخل کریگا یا سخاوت اگر بخل کیا تب تو بدنامی اور رسوائی ظاہر ہے۔ اور اگر سخاوت کی تب بھی رسوائی ہی ہوگی اسلئے کہ جب خود نا اہل ہے اسکو اہل و نا اہل میں بھی تمیز نہوگی تو نا اہلوں کو بھر دیگا اور جو عطا کے اہل ہونگے وہ محروم رہجاویں گے۔ اور ایسی مثال ہوجاویگی جیسے شطرنج میں کوئی پیادہ کے خانہ میں شاہ اور بالعکس رکھدے۔ بس اسی طرح وہ نا اہل عطائیں اُلٹی اُلٹی کریگا

حکم چوں در دست گمراہی فتاد   جاہ پنداریدو در چاہے فتاد

یعنی حکم جب کسی گمراہ کے ہاتھ میں پڑگیا تو تم تو جاہ سمجھے ہو اور وہ چاہ (کنوئیں) میں گرگیا۔ مطلب یہ کہ نا اہل کو جب حکومت ملی تو تمکو تو خیال ہے کہ اسکو جاہ و منصب حاصل ہوا مگر سچ پوچھو تو وہ بجائے جاہ کے چاہ ذلت میں گر پڑا۔ اور اسکی ایسی مثال ہے کہ۔

رہ نمی داند قلاوزی کند   جان زشت او جہاں سوزی کند

یعنی راہ تو جانتا نہیں اور رہبری کرتا ہے تو اسکی جان زشت جہانسوزی کر رہی ہے۔ مطلب کہ

جب کوئی خود راستہ نہ جانے اور دوسروں کی رہبری کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ وہ قصداصلاح کرتا ہے کہ لوگوں کو راستہ دکھا رہا ہے مگر اصل میں وہ اور فساد برپا کر رہا ہے اور ایک عالم کو اس نے آتش ضلالت سے جلا رکھا ہے یہ تو اُسکا بیان تھا جو نااہل صاحب جاہ و منصب ظاہری ہو آگے نااہلوں کے رہبر باطنی ہونے کی خرابیاں فرماتے ہیں۔

طفل راہ فقر چوں پیری گرفت — پیرو انرا غول ادبیری گرفت

یعنی راہ فقر کا طفل جب پیری کرنے لگے تو اُسکا بھوت معتقدین کو آچمٹے۔ مطلب یہ کہ جب راہ سلوک کا طفل مکتب اور ناداں پیر اور مقتدا بن بیٹھے تو بس سمجھ لو کہ جو اسکے معتقدین ہیں آنکا تو ستیاناس ہو گیا گویا کہ اُنکو تو بھوت نے آ دبوچا۔ اور وہ پیر تو یہ کہہ رہا ہے کہ۔

کہ بیا تا ماہ بنمایم ترا — ماہ را ہرگز ندید آں بے ضیا

یعنی کہ آ میں تجھے چاند دکھلاؤں اور چاند کو اُس بے نور نے خود بھی نہیں دیکھا مطلب یہ کہ وہ معتقدین کو پکار رہا ہے کہ آؤ میں تمکو ماہ ہدایت دکھلا دوں مگر اُس اندھے نے خود تو کبھی چاند کو دیکھا ہی نہیں اور اوروں کو تو کیا دکھاویگا بجز اسکے کہ اور گمراہ کریگا اور نہ معلوم کسکو چاند بتادیگا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چوں نمائی چوں ندیدستی بعمر — عکس مہ در آب ہم اے خام عمر

یعنی ارے لونڈے تو کیا دکھاویگا جبکہ تو نے خود عمر بھر چاند کے عکس کو پانی میں بھی نہیں دیکھا مطلب یہ کہ میاں اس راہ میں دودوں کے صاحبزادے ہو۔ بھلا جب تم نے اُس چاند کا کوئی اثر تک نہیں دیکھا تو اوروں کو چاند تو کیا دکھا سکتے۔ حاصل یہ کہ۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ لہذا ایسے لوگوں سے بچنا ضروری ہے۔ اور شیخ کامل کی تلاش (جسکی علامتیں بارہا بتادیگئی ہیں) کرنی چاہیے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

احمقاں سرور شدستند و زبیم — عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم

یعنی احمق لوگ تو سردار ہو گئے تو عاقلوں نے خوف کی وجہ سے سر اُنکو کمبل میں کر لیا مطلب یہ کہ جب نااہل سردار ہو گئے تو اہل اللہ نے اپنے کو چھپا لیا۔ اور منہ چھپا کر بیٹھ گئے کہ اب چونکہ دنیا نااہلوں سے بھر گئی ہے اسلئے اپنے کمالات کو ظاہر کرتے ہوئے اُنکو غیرت آتی ہے کہ نااہلوں کے آگے کیا اظہار

کمال کیا جاوے۔ آگے اسپر مولانا سورۂ مزمل کے ایک معنی بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور کو مزمل کیوں فرمایا۔ ایک معنی تو وہی ہیں جو اسکا شان نزول ہے مگر مولانا یہاں دوسرے معنی بیان فرماتے ہیں جو کہ قواعد شرعیہ کے بھی خلاف نہیں۔ اور اس تفسیر کے مخالف بھی نہیں۔ بلکہ مطلب مولانا کا یہ ہے کہ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں جس سے تفسیر بالرائے کا شبہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ مولانا کو ان معنی کا انکار نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسطرح قاعدہ ہے کہ نااہلوں کے سردار ہو جانے کے وقت اہل اللہ منہ چھپا لیتے ہیں اور اپنے کمالات کو ظاہر نہیں کرتے اسی طرح حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اسوقت کمبل اوڑھ لیا تھا اور منہ چھپا کر لیٹ رہے تھے اسمیں اسطرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ کفار کا غلبہ تھا اسلئے حضور نے منہ لپیٹ لیا لہذا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے کمبل والے اٹھو الیٰ آخرہ۔ اب اشعار سے سمجھو۔

شرح حبیبی

آیت شریف یاایھا المزمل کی تفسیر کا بیان

خواند مزمل نبی را زین سبب
که برون آ از گلیم اے بوالهرب

سر مکش اندر گلیم و رو مپوش
که جہان جسمیست سرگردان تو ہوش

ہین مشو پنہان ز ننگ مدعی
که تو داری شمع وحی شعشعی

ہین قم اللیل که شمعی اے ہمام
شمع دائم شب بود اندر قیام

بے فروغت روز روشن ہم شب است
بے پناہت شیر اسیر ارنب است

باش کشتیبان دریں بحر صفا
که تو نوح ثانئ اے مصطفےٰ

رہ شناسے می بباید با لباب
ہر رہے را خاصہ اندر راہ آب

خیز و بنگر کارواں رہ زدہ
ہر طرف غول است کشتیباں شدہ

خضر وقتے غوث ہر کشتی توئی ہمچو روح اللہ مکن تنہا روی

پیش ایں جمعے چو شمع آسماں انقطاع و خلوت آری را بماں

وقت خلوت نیست اندر جمع آ اے ہدی چوں کوہ قاف و تو ہما

بدر بر صدر فلک شد شب رواں سیر را نگذارد از بانگ سگاں

طاعناں ہمچوں سگاں بر بدر تو بانگ مے دارند سوئے صدر تو

ایں سگاں کراند ز امر انصتوا از سفہ وع وع کناں بر بدر تو

ہیں بمگذار اے شفا رنجور را تو ز خشم کر عصائے کور را

نے تو گفتی قاعد اعمے براہ صد ثواب و اجر یابد از آلہ

ہر کہ او چل گام کورے را کشد گشت آمرزیدہ و یابد رشد

پس بکش تو زیں جہاں بیقرار جوق کوراں را قطار اندر قطار

کار ہادی ایں بود تو ہادئے ماتم آخر زماں را شادئے

ہیں رواں کن اے امام المتقیں ویں خیال اندیشگاں را تا یقیں

ہر کہ در مکر تو دارد دل گرو گردنش را من زنم تو شاد رو

بر سر کوریش کوریہا نہم او شکر پندارد و زہرش دہم

عقلہا از نور من افروختند مکرہا از مکر من آموختند

چیست خود آلاچق آں ترکماں پیش پائے نرہ پیلاں جہاں

آں چراغ او بہ پیش صرصرم خود چہ باشد اے مہین پیغمبرم

خیز در دم تو بصور سہمناک تا ہزاراں مردہ بر روید ز خاک

چونتو اسرافیل وقتے راست خیز — رستخیزے ساز پیش از رستخیز

ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم — خویش بنما کہ قیامت نک منم

درنگر اے سائل محنت زدہ — زیں قیامت صد جہاں قائم شدہ

ورنہ باشد اہل دین ذکر و قنوت — پس جواب الاحمق اے سلطان سکوت

ز آسمان حق سکوت آید جواب — چوں بود جانا دعا نامستجاب

اے دریغا وقت خرمنگاہ شد — لیک روز از بخت ما بیگاہ شد

وقت تنگ است و فضائے ایں کلام — تنگ می آید برو عمر دوام

نیزہ بازی اندریں کوہائے تنگ — نیزہ بازاں راہمی آرد بہ تنگ

وقت تنگ و خاطر و فہم عوام — تنگ تر صد رہ زوقت است ای غلام

چوں جواب احمق آمد خاموشی — ایں درازی در سخن چوں می کشی

از کمال رحمت و موج کرم — می دہد ہر شورہ را باران و نم

چونکہ احمقوں کا ظہور اور انکی گرم بازاری عقلا کے اختفا اور ان کی چادر میں منہ لپیٹ لینے کا سبب ہوتا ہے اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے احمقوں کی ترقی دیکھکر چادر میں منہ لپیٹ لیا تھا اسی بنا پر حق سبحانہ نے آپکو مزمل کہکر خطاب فرمایا۔ اور کہا کہ آپ کمبل میں سے باہر نکلئے اور کمبل میں منہ نہ لپیٹئے۔ اور اپنا منہ نہ چھپائیے کیونکہ تمام جہاں ایک گشتہ جسم ہے اور آپ اسکے لئے بمنزلہ ہوش کے۔ ایسی حالتمیں آپکا چھپنا مناسب نہیں دیکھئے آپ مدعیان باطل کی شرم سے مخفی نہ ہوجیئے کیونکہ آپ کے پاس وحی روشن کی شمع ہے۔ جو ظلمت جہل کو دور کرکے ان مدعیوں کی قلعی کھولدے گی اور انکی گرم بازاری کو کساد بازاری سے بدلدیگی۔ اچھا تو اب توقف نہ کیجئے اور اس ضلالت کی شب دیجور میں اٹھئے کیونکہ آپ خود بھی ایک شمع ہدایت ہیں۔ اور شمع کا قاعدہ ہے کہ وہ رات بھر کھڑی رہتی ہے۔ جب تک آپ تخت ہدایت پر جلوہ افروز نہوں گے اسوقت تک نہ عالم

روشنی مل سکتی ہے اور صالح الاستعداد لوگ جو کہ بمنزلہ شیر کے ہیں گمراہوں کے پنجہ سے چھوٹیں گے جو کہ بمنزلہ خرگوش کے ہیں کیونکہ بدون آپکی روشنی کے ظلمت جہل کی وجہ سے جسکو لوگ دن کہتے ہیں وہ بھی رات ہی ہے اور بدون آپکی پناہ کے شیر یعنی صالح الاستعداد لوگ خرگوشوں یعنی گمراہوں اور مدعیوں کے پنجہ سے نہیں چھوٹ سکتے اور اے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ آپ نوح ثانی ہیں اسلئے آپ بحر معرفت کے جو کہ صاف ہے کشتیبان ہوجئے اور لوگوں کو انہیں ڈوبنے سے بچائیے کیونکہ یہ لوگ بدون آپکے نہیں بچ سکتے۔ اسلئے کہ اول تو ہر رستہ کے طے کرنے کیلئے ایک عاقل واقف راہ کی ضرورت ہے پھر بالخصوص جو راستہ پانی کا ہو وہاں تو اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ خشکی میں تو کچھ نشانات وامتیازات ہوتے بھی ہیں اور سمندر تو بالکل یکساں ہوتا ہے اسلئے وہاں نہایت ماہر کشتیبان کی ضرورت ہے اچھا اب آپ اٹھئے اور دیکھئے کہ ایک قافلہ عظیم بھٹکا ہوا ہے اور ہر طرف غول دریائے کشتیباں بنے ہوئے ہیں جو اُن کو ڈبونا چاہتے ہیں پس آپ انکی دستگیری فرمائیے۔ اور انہیں ورطۂ ہلاکت سے بچائیے۔ دیکھئے آپ اپنے وقت کے خضر اور ہر کشتی کے کشتیبان ہیں۔ پس آپ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خلق سے تعلق منقطع نہ کیجئے۔ بلکہ ان میں ملئے اور انکی دستگیری کیجئے اور اس جماعت کے سامنے دوسری شمع آسمانی یعنی آفتاب کی طرح بے تعلقی اور خلوت گزینی کو چھوڑیئے۔ اور ان کو اپنے نور سے ہدایت کیجئے اور اے وہ ذات جسکے لئے ہدایت بمنزلہ کوہ قاف کے ہے اور جو خود بمنزلہ ہما کے یہ وقت خلوت کا نہیں ہے اسلئے خلوت کو چھوڑیئے۔ اور انجمن میں تشریف لائیے۔ اور ملامت ملامتگراں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے۔ دیکھئے چودھویں رات کا چاند آسمان پر چلتا ہے اور کتے بھونکتے ہیں مگر وہ انکی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا اور انکی وجہ سے اپنی چال نہیں چھوڑتا۔ پس آپ پر جو کہ ہدایت میں چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں طعن کرنے والے لوگ بھی کتوں کی مانند ہیں اور آپ کے رتبۂ عالی پر بھونکتے ہیں اور چونکہ یہ کتے حکم انصتوا کو نہیں سنتے اسلئے آپ پر جو کہ مثل بدر ہیں بھوں بھوں کرتے ہیں پس آپ بھی اُن کے بھونکنے سے اپنی روش نہ چھوڑیئے اور اے شفائے مریض القلوب آپ ان طاعنوں کی ناخوشی کے خیال سے اندھوں کی لاٹھی یعنی اعانت نہ چھوڑیئے جو حکم انصتوا سے بہرے ہیں دیکھئے خود آپکا ارشاد ہے کہ جو اندھے کی رہبری کرے اُسکو حق سبحانہ بہت سا ثواب دیں گے اور جو اندھے کو پکڑ کر چالیس قدم تک لیجائے

حق سبحانہ اسے ہدایت عطا فرماویں گے۔ اور بخشدیں گے۔ پس خود آپ ان دل کے اندھوں کی اعانت ترک نہ کیجئے۔ کیونکہ یہ بہ نسبت ظاہری اندھوں کے زیادہ اعانت کے مستحق ہیں۔ اور اندھوں کی بے انتہا جماعت کو اس جہان ناپائیدار سے نکالئے۔ اور عالم غیب تک پہونچایئے۔ کیونکہ آپ ہادی کامل ہیں اور ہادی کا کام ہی یہ ہے۔ نیز آپ اس آخر زمانہ کے ماتم کیلئے بمنزلہ خوشی کے ہیں۔ پس اس ماتم کو زائل کیجئے اور یہ لوگ جو مبتلائے خیال باطل ہیں انکو حد یقین تک پہونچایئے ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں۔ کہ جو کوئی آپ سے چال کرنے کی فکر میں دل کو پھنسائیگا۔ خود ہم اُسکی گردن ماردیں گے اور آپ پر اُسکی مدافعت کا بوجھ نہ ڈالیں گے آپ خوش خوش اپنا کام کئے جایئے ہم یہ کریں گے کہ کچھ تو وہ اندھا پہلے ہی سے ہے۔ اب ہم اُسے اور اندھا کردیں گے اور جس کام کو وہ اپنے لئے مفید سمجھے گا اُسے ہم اُسکے لئے مضر بنا دینگے۔ کیونکہ یہ عقلیں جو لوگوں کو حاصل ہیں جن سے وہ منفعت اور مضرت میں تمیز کرتے ہیں وہ ہمارے ہی روشن کرتے سے تو روشن ہیں۔ اور جو تدبیریں کہ وہ جانتے ہیں وہ ہمیں نے تو سکھائی ہیں ایسی حالتمیں کوئی بڑی بات نہیں کہ ہم اُنکی عقلوں کو نور سے معرا کردیں۔ اور اُنکی مفید تدبیروں کو اُنکے لئے مضر بنا دیں۔ انکی عقل و تدبیر کی ہمارے علم و تدبیر کے سامنے ایسی مثال ہے جیسے ترکمانوں کے کمبل کے خیموں کی ہاتھی کے پاؤں کے سامنے۔ پس جسطرح ہاتھی کے پاؤں کے سامنے ان خیموں کی کوئی حقیقت نہیں۔ یوں ہی ہمارے علم و تدبیر کے سامنے اُنکی عقلوں اور تدبیروں کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ نیز اُنکی عقل و تدبیر ہمارے علم و تدبیر کے سامنے ایسی ہے جیسے چراغ آندھی کے سامنے۔ پس جسطرح چراغ کی آندھی کے سامنے کوئی وقعت نہیں یونہی ان کی عقلیں اور تدبیریں ہمارے علم و تدبیر کے سامنے بے وقعت ہیں۔ اچھا تو اب اُٹھئے اور توحید کا ایک خوفناک صور پھونکئے تاکہ ہزاروں روحانی مردہ زندۂ جاوید ہو جائیں چونکہ آپ اسرافیل وقت ہیں لہذا اُٹھئے اور قیامت معروف کے علاوہ ایک روحانی قیامت قائم کیجئے۔ اور جو شخص کہے کہ قیامت کیا چیز ہے اُس سے کہدیجئے کہ دیکھ قیامت میں ہوں۔ اور اے مصیبت زدہ سائل تو دیکھ لے کہ اس قیامت سے سیکڑوں روحانی عالم موجود ہو گئے ہیں پس جبکہ قیامت کی ایک نظیر موجود ہے تو تجھے دوسری نظیر سے کیوں انکار ہے اور اگر وہ اس وعظ کا اہل اور قابل اطاعت نہو تو اس کا جواب یہی ہے کہ سکوت اختیار کیا جاوے۔ کیونکہ احمقوں کا جواب سکوت ہی ہے واقعی بات ہے

کہ احمقوں کا جواب سکوت ہے کیونکہ جب دعا غیر مقبول ہوتی ہے تو اُسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ داعی احمق ہوتا ہے کہ خلاف حکمت حق سبحانہ دعا مانگتا ہے اسلئے اُدہر سے سکوت جواب ہوتا ہے اب کھلیاں کا وقت آیا ہے یعنی اسکا وقت آیا ہے کہ یہ بیان کیا جاوے کہ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں کیا کارنامے کئے اور ان کے کیا کیا نتائج برآمد ہوئے مگر افسوس کہ وقت نہیں رہا۔ جسقدر وقت باقی ہے وہ نہایت تنگ ہے اور وسعت کلام اتنی بڑہی ہوئی ہے کہ عمر دوام بھی اسکے لئے کم ہے۔ اسلئے اسکے بیان سے معذوری ہے۔ قاعدہ ہے کہ تنگ خندقوں میں نیزہ بازی نیزہ بازوں کو مجبور کر دیتی ہے پس میں اس قلیل وقت کی خندق میں اپنی جوانمردی کے کیا جوہر دکھا سکتا ہوں۔ خیر وقت تو تنگ تھا ہی اس سے بڑہکر مصیبت یہ ہے کہ عوام کی طبیعت اور اُنکی فہم وقت سے بھی سو گونہ زیادہ تنگ ہے ایسی حالت میں اور بھی مجبوری ہے۔ اب مولانا اپنی تقریر پر سوال قائم کر کے اسکا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ جب آپکو تسلیم ہے کہ احمق کا جواب سکوت ہے تو یہ اتنی طویل مثنوی آپ کیوں کہہ رہے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ امر حق سبحانہ ہے اور انکا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے کمال رحمت اور موج کرم کے سبب ہر شورہ زمین پر بارش برساتے اور اُسے تر کرتے ہیں خواہ خود اُسکی ناقابلیت کی وجہ سے اُسمیں سبزہ نہ پیدا ہو۔ مگر وہ اپنی طرف سے محروم نہیں کرتے اب جواب الاحمق سکوت کی تائید میں ایک قصہ نقل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

شرح شبیری

آیت شریفہ یا ایہا المزمل کی تفسیر کا بیان،

خواند مزمل نبی را زیں سبب　　　　کہ بروں آ از گلیم اے بوالہرب

یعنی حق تعالیٰ نے نبی کو مزمل اس سبب سے فرمایا کہ اے بوالہرب کمبل سے باہر آؤ۔ (بوالہرب کے لغوی معنی بھاگنے کا باپ یعنی بھاگنے والا اور یہاں مراد بے تعلق) مطلب یہ کہ اے وہ کہ آپ لوگوں سے الگ ہو کر کمبل میں پوشیدہ ہو گئے ہیں اور اپنے کو چھپا لیا ہے باہر تشریف لائیے۔

سر مکش اندر گلیم و رو مپوش　　　　کہ جہاں جسمی است سرگرداں تو ہوش

یعنی کمبل میں تو سر مت کھینچ اور منہ کو مت چھپا کہ جہاں ایک جسم سرگرداں ہے اور آپ ہوش ہیں۔ مطلب یہ کہ سارا جہاں ایک بھٹکے ہوئے جسم کی طرح ہے اور آپ اسکے لئے مثل ہوش اور عقل کے ہیں تو اگر آپ ان سے الگ ہو جاویں گے تو یہ تو تباہ و برباد ہو جاویں گے لہذا ان سے الگ مت ہوجئے۔

ہیں مشو پنہاں زننگ مدعی — کہ تو داری شمع وحی شعشعی

یعنی آپ مدعی کے شرم سے ہرگز پوشیدہ نہ ہوجئے کیونکہ آپ تو وحی کی ایک شمع روشن رکھتے ہیں

ہیں قم اللیل کہ شمعی اے ہمام — شمع دائم شب بود اندر قیام

یعنی ہاں رات کو کھڑے ہوا کیجئے اے بزرگ کیونکہ شمع تو تمام رات کھڑی ہی رہتی ہے مطلب یہ کہ ان مدعیان کفر و ضلال کی وجہ سے آپ اپنا منہ نہ چھپایئے اور الگ نہو جئے اسلئے کہ آپ کے پاس تو وحی کی شمع روشن ہے۔ اور شمع کا قاعدہ ہے کہ رات بھر کھڑی ہو کر محفل میں سب کے سامنے سب پر نور افگنی کرتی ہے پھر آپ کیوں چھپتے ہیں آپ بھی اٹھئے اور لوگوں پر نور ہدایت ڈالئے۔ اور آپ کی تو وہ شان ہے کہ۔

بے فروغت روز روشن ہم شب است — بے پناہت شیر اسیر ارنب است

یعنی بے آپ کے نور کے روز روشن بھی رات ہے۔ اور بے آپکی پناہ کے شیر خرگوش کا قیدی ہے مطلب یہ کہ آپ کی تو وہ شان ہے کہ اگر دن میں جو بظاہر روشن ہے آپکا نور نہو تو وہ اصل میں رات کی طرح ہے کیونکہ رات میں تو صرف ظاہری تاریکی ہوتی ہے اور اس دن میں تو تاریکی باطنی ہے۔ لہذا آپ اپنا نور لوگوں پر ڈالئے تاکہ اس شب مظلم سے نکلیں۔ اسلئے آپکو شمع سے اوپر تشبیہ دی ہے کہ یہ جو ضلالت کی شب ہے اسمیں آپ نور افگنی کیجئے اور یہ کفار خواہ کیسے ہی زبردست ہیں مگر جو آپ کی پناہ میں نہیں ہے وہ ہر وقت خطرہ میں ہے۔ اور بہت ذرا سی بات سے وہ تباہ و برباد ہو سکتا ہے اور شیطان انکی راہ ایک ادنی بہانہ سے مار سکتا ہے۔ لہذا ان کیلئے پناہ ہوجئے اور انکو شمع ہدایت دکھایئے۔

باش کشتیباں دریں بحر صفا — کہ تو نوح ثانئے اے مصطفٰے

یعنی بحر صفا میں آپ کشتیباں ہو جایئے کیونکہ اے مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم آپ تو نوح ثانی ہیں۔

رہ شناسے می بباید باللباب — ہر رہے را خاصہ اندر راہ آب

یعنی (اول تو) ہر راستہ کیلئے ایک رہ شناس عاقل کی ضرورت ہے۔ اور خاصکر راہ آب میں۔

(تو بہت ہی ضروری ہے) مطلب یہ کہ اس دریا میں کشتیبان ہوکر لوگونکو کشتی ہدایت میں بٹھاکر نکال لیجائیے کیونکہ آپ تو نوح ہیں اسلئے آپکا کام لوگونکو ہلاکت سے بچانا ہونا چاہیئے۔ اور دیکھئے اول تو ہر راہ میں رہبر کی ضرورت ہوتی ہے مگر خیر راہ خشک میں تو انسان علامات وغیرہ سے بے راہبر کے بھی کچھ چل سکتا ہے لیکن دریا میں تو بے ماہر کشتیبان کے چل ہی نہیں سکتا۔ لہذا۔

خیز وبنگر کاروان رہ زدہ ہرطرف غول است کشتیبان شدہ

یعنی اٹھئیے اور بھٹکے ہوئے قافلہ کو دیکھئے کہ ہر طرف بھوت کشتیبان ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ اٹھکر دیکھئے تو سہی ایک قافلہ بھٹکا ہوا پھر رہا ہے اور تمام شیاطین کشتیباں ہو رہے ہیں اور اس قافلہ کو اور زیادہ بہکا رہے ہیں آپ اسکی مدد فرمائیے اور اسکو ان شیاطین کے ہاتھ سے بچائیے اس لئے کہ۔

خضر وقتی غوث ہر کشتی توئی ہمچو روح اللہ مکن تنہا روی

یعنی آپ خضر وقت ہیں اور ہر کشتی کے مددگار آپ ہی ہیں تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح تنہا روی ترک کیجئے۔ مطلب یہ کہ جسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب لوگوں سے قطع تعلق کئے ہوئے رہتے تھے اور الگ رہتے تھے اس طرح آپ نہ رہئے۔ اسلئے کہ ہر کشتی کیلئے مددگار اور رہنما تو آپ ہی ہیں پھر اگر آپ ہی الگ رہیں گے تو کشتی کی خیریت تو معلوم۔

پیش ایں جمعے چو شمع آسماں انقطاع وخلوت آری را بماں

یعنی اس جماعت کے سامنے شمع آسمان کی طرح انقطاع اور خلوت آری کو ترک کر دیجئے۔ مطلب یہ کہ جس طرح آفتاب الگ الگ رہتا ہے اسطرح آپ الگ نہ رہیئے بلکہ سب میں مل جلکر انکو چاہ ضلالت سے نکالکر نور ہدایت تک پہونچائیے۔

وقت خلوت نیست اندر جمع آ اے ہدی چوں کوہ قاف و تو ہما

یعنی خلوت کا وقت نہیں ہے۔ مجمع میں آئیے اے وہ ذات کہ ہدایت مثل کوہ قاف کے ہے اور آپ ہما ہیں۔ مطلب یہ کہ جسطرح ہما کوہ قاف میں رہتا ہے اور اسکا نشیمن وہی ہے اسی طرح آپ صاحب ہدایت ہیں اور آپ کی جگہ ہدایت ہی ہے لہذا آپ اگر چھپ جاویں گے تو ہدایت بھی تو آپ کیساتھ ہی چھپ جاویگی پھر یہ لوگ مہتدی کسطرح ہو سکتے ہیں۔

بدر بر صدر فلک شد شب رواں　　سیر انگذار د از بانگ سگاں

یعنی چاند آسمان کی بلندی پر رات کو چلتا ہے اور کتوں کی آواز سے چلنے کو چھوڑتا نہیں۔

طاعناں ہمچوں سگاں بر بدر تو　　بانگ می دارند سوئے صدر تو

یعنی طاعن لوگ کتوں کی طرح ہیں آپ کے بدر پر اور آپ کے مرتبہ کی طرف آواز کر رہے ہیں۔

ہیں سگاں کرندز امر الصتوا　　از سفہ وعوع کناں بر بدر تو

یعنی یہ کتے امر الصتوا (چپ رہو) سے بہرے ہیں اور بیوقوفی کی وجہ سے آپکے بدر پر بھوں بھوں کر رہے ہیں۔

ہیں بمگذار اے شفا رنجور را　　تو زخشم کر عصائے کور را

یعنی ہاں اے وہ ذات کہ مریض کیلئے آپ شفا ہیں۔ بہرے پر غصہ کی وجہ سے اندھے کی لاٹھی کو مت چھوڑیئے۔ مطلب یہ کہ دیکھئے چاند رات کو نکلتا ہے اور کتے اسکی طرف منہ کر کر کے بھونکتے ہیں گویا کہ اسپر خفگی کا اظہار کر رہے ہیں مگر وہ انکی اس بیہودہ حرکت سے اپنی چال کو بند نہیں کرتا۔ بلکہ برابر نور افگنی کرتا رہتا ہے پس یہ طاعن تو کتوں کی طرح ہیں اور آپ بدر ہیں اور انکے طعن کتوں کی بھوں بھوں کی طرح ہیں اور انکو اسکی خبر نہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کے سامنے رہتے ہوئے الصتوا کا حکم فرمایا ہے۔ جو کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی سے صاف ظاہر ہے۔ یہ اس حکم سے بہرے ہیں لہذا آپ ان بہروں کی وجہ سے اندھوں کی دستگیری سے تو دست بردار نہ ہو جیئے۔ اس بیچارہ نے کیا خطا کی ہے۔ آپ اسکو سنبھالئے۔ اور چاہ ضلالت میں گرنے سے بچایئے۔

نے تو گفتی قائد اعمیٰ براہ　　صد ثواب و اجر یابد از الٰہ

یعنی کیا آپنے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اندھے کا راستہ بتانیوالا حق تعالیٰ سے سیکڑوں اجر پاوے گا (اور فرمایا ہے کہ)

ہر کہ او چل گام کورے را کشد　　گشت آمرزیدہ و یابد رشد

یعنی جو شخص کہ کسی اندھے کو چالیس قدم تک کھینچے تو وہ بخشا گیا اور ہدایت پاوے گا۔

پس بکش تو زیں جہاں بے قرار　　جوق کوراں را قطار اندر قطار

یعنی پس آپ اس جہان بے ثبات سے اندھوں کے گروہوں کو قطار در قطار کھینچیے۔ مطلب یہ کہ

دیکھئے آپنے خود فرمایا ہے کہ جو شخص ایک اندھے کو چالیس قدم تک لیجاوے اُسکو بیحد ثواب ملتا ہے اور حق تعالیٰ اُسکی مغفرت فرماویں گے تو اب آپ بھی ان کوران باطن کو جوق جوق ہیں لیجلیے اور راہ پر لگا دیجئے پھر دیکھئے آپ کے بھی درجے کیسے بلند ہونگے۔

کار ہادی ایں بود تو ہادئی، ماتم آخر زماں را شادئی

یعنی ہادی کا کام تو یہی ہوتا ہے اور آپ ہادی ہیں اور آخر زمانہ کے ماتم کیلئے آپ شادی ہیں مطلب یہ کہ آپ ہادی ہیں اور ہادی کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ راستہ دکھا دے لہذا آپ بھی اُٹھئے اور سبکو راہ حق دکھا دیجئے آپکی تو وہ شان ہے کہ جب آخر زمانہ میں فتن اور ماتم ہونگے اُسوقت کیلئے خوشی اور راہ حق آپ ہی کی راہ پر چلنا ہے۔ لہذا۔

ہیں رواں کن ای امام المتقیں، ایں خیال اندیشگاں را تا یقیں

یعنی ہاں اے امام المتقیں ان خیال کے سوچنے والوں کو یقین تک روانہ فرما دیجئے۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ جو تخیلات میں پھنسے ہوئے ہیں انکو درجہ یقین تک پہونچا دیجئے اور اس گمراہی سے نکال لیجئے۔

ہر کہ در مکر تو دارد دل گرو، گردنش را من زنم تو شاد رو

یعنی جو شخص آپ کے مکر میں دل گرو کریگا میں اُسکی گردن ماردونگا۔ آپ خوش خوش چلئے۔

بر سر کوریش کوریہا نہم، او شکر پندارد و زہرش دہم

یعنی اُسکی کوری پر اور کوریں رکھدونگا وہ شکر سمجھے گا اور میں اُسکو زہر دونگا۔

عقلہا از نور من افروختند، مکرہا از مکر من آموختند

یعنی انھوں نے عقلوں کو میرے ہی نور سے روشن کیا ہے اور مکروں کو میری ہی مکر سے سیکھا ہے

چیست خود آلاجق ایں ترکماں، پیش پای نرہ پیلاں جہاں

یعنی اس ترکونکا ذرا سا ڈیرہ دنیا کے نر ہاتھیوں کے پاؤں کے آگے کیا (حیثیت رکھتا) ہے

آں چراغ او بہ پیش صرصرم، خود چہ باشد اے مہین پیغمبرم

یعنی اُسکا وہ چراغ میری آندھی کے آگے اے میرے بزرگ پیغمبر خود کیا حیثیت رکھتا ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے پیغمبر آپ اُٹھئے اور نور ہدایت کو پھیلائیے۔ اور جو آپ کے مخالف اور طاعین ہیں اُن سے کچھ خوف نہ کیجئے اُنکو تو میں سمجھ لونگا اور اُنکی گردن زنی تو میں کردونگا۔

آپ خوش خوش کام میں لگے رہئے۔ جیسا کہ ارشاد ہے واللہ یعصمك من الناس اور ارشاد ہے کہ میں انکو اس طرح گمراہ کرونگا کہ یہ اسکو ہدایت سمجھیں گے اور وہ گمراہی ہوگی۔ اور پھر گمراہی برابر بڑھتی ہی چلی جاویگی۔ کیونکہ ان کے تمام مکر اور انکی عقول کو میں نے ہی تو پیدا کیا ہے اور ان کو میں نے ہی تو عطا فرمائی ہیں پھر میرے آگے انکی کیا چل سکتی ہے۔ انکی عقول اور مکر میرے آگے ایسے ہیں جیسے ایک مست ہاتھی کے پیر تلے ذرا سا ڈیرہ۔ یا آندھی کے آگے ٹمٹماتا چراغ تو بھلا یہ چیزیں ان کے آگے کب ٹھیر سکتی ہیں اسی طرح آپ اُن سے بیفکر رہیں انکو تو میں نمٹ لونگا۔ بس آپ تو اُٹھئے اور ہدایت پھیلائیے۔ فرماتے ہیں کہ۔

خیز در دم تو بصور سہمناک   تا ہزاران مردہ بروید ز خاک

یعنی آپ اٹھئے اور صور سہمناک میں پھونک دیجئے تاکہ ہزاروں مردے خاک سے اُگ آویں۔ مطلب یہ کہ آپ ہدایت کو پھیلا کر مردہ دلوں کو حیات جاودانی مرحمت فرمائیے۔

چونکہ تو اسرافیل وقتی راست خیز   رستخیزے ساز پیش از رستخیز

یعنی جبکہ آپ اسرافیل وقت ہیں تو بس اُٹھئے اور قیامت سے پہلے ایک قیامت برپا کر دیجئے۔ مطلب یہ کہ ایکمرتبہ اس طرح ہل چل مچا دیجئے گویا کہ قیامت کے پہلے ہی ایک قیامت قائم فرما دیجئے۔

ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم   خویش بنما کہ قیامت نک منم

یعنی جو کوئی کہے کہ میاں قیامت کہاں ہے تو اپنے کو دکھلا دیجئے کہ یہ میں قیامت ہوں۔

در نگر اے سائل محنت زدہ   زیں قیامت صد جہاں قائم شدہ

یعنی اے سائل محنت زدہ دیکھ لے کہ اس قیامت سے سو جہان قائم ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میاں قیامت کہاں ہے قیامت میں تو اول تمام جہاں فنا ہوگا پھر سارے جہان کا وجود ہوگا اور حضور کے زمانہ میں تو یہ نہیں ہے تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُس شخص سے فرما دیجئے کہ میں ہی تو قیامت ہوں کہ اول سارا جہاں مردہ تھا اور اب اس ہدایت کی قیامت سے سیکڑوں جہاں پیدا ہوئے ہیں اور سبکو حیات روحانی ملگئی ہے یہ تو جب ہے جبکہ سائل اہل ہو اور اگر نااہل ہو تو آگے اُسکا جواب بھی بتاتے ہیں کہ۔

ور نباشد اہل ایں ذکر و قنوت   پس جواب الاحمق اے سلطان سکوت

یعنی اور اگر وہ اس ذکر اور قنوت کا اہل نہو تو اے سلطان (دین) احمق کا جواب سکوت ہے

ز آسمان حق سکوت آید جواب چوں بود جاناں دعا نا مستجاب

یعنی آسمان حق سے سکوت جواب آتا ہے جبکہ اے پیارے دعا نامقبول ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب کوئی دعا استجابت کے اہل نہیں ہوتی تو آسمان سے بھی سکوت ہی جواب میں آتا ہے یعنی اسپر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا تو بس اگر کوئی نااہل یہ سوال کرے تو اسکو جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ باشد خموشی پر عمل فرمائیے۔ اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

اے دریغا وقت خرمنگاہ شد لیک روز از بخت ما بے گاہ شد

یعنی افسوس کہ کھلیان کا وقت ہو گیا لیکن دن ہماری قسمت سے بیوقت ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اب جبکہ ارشاد حق کے بعد آپ کام کیلئے اٹھے اور آپ نے کام کئے تو اُن کے بیان کا وقت آیا تھا مگر افسوس کہ وقت تنگ ہے اسلئے بیان سے معذور ہیں۔

وقت تنگ است و فضای ایں کلام تنگ می آید برو عمر دوام

یعنی وقت تو تنگ ہے اور اس کلام کے (یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شان کے بیان کے) میدان کی یہ حالت ہے کہ اسپر عمر جاودانی بھی تنگ ہے۔

نیزہ بازی اندریں کوہای تنگ نیزہ بازاں را ہمی آرد بہ تنگ

یعنی ان تنگ گڑھوں میں نیزہ بازی کرنا نیزہ بازوں کو بھی تنگ کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کے کارنامے بیان کرنے کیلئے تو عمر جاودانی بھی کافی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ہماری چندروزہ عمر کا یہ تو ایسا ہے جیسا تنگ گڑھوں میں نیزہ بازی کرنا کہ وہاں بجز اسکے کہ نیزہ باز لوگ بھی تنگ ہوں اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بیان شان حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں بڑے بڑے بیان کرنے والے تنگ ہو جاتے ہیں اور کوئی بیان نہیں کرتا۔ ایک تو یہ عذر ہے اور دوسرا عذر یہ کہ۔

وقت تنگ و خاطر و فہم عوام تنگ تر صد رہ ز وقت است اے غلام

یعنی وقت تو تنگ ہے ہی اور عوام کا قلب اور فہم سو حصہ وقت سے زیادہ تنگ ہے اے صاحبزادے مطلب یہ کہ وقت تو تنگ ہے ہی مگر عوام کے عقول اور انکے فہم بھی ناقص ہی ہیں ایک دوسرا عذر بیان کرنے سے یہ ہے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ حضرت آپ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ سننے والے احمق ہیں اور

نااہل ہیں اسلئے ہم بیان نہیں کرتے اور بیان کو طول بھی دیتے جاتے ہیں اسکا جواب ایک سوال خود ہی قائم کر کے دیتے ہیں کہ۔

چون جواب احمق آمد خامشی ‫ ‫ این درازی در سخن چون می کشی

یعنی جب جواب احمق کا خاموشی ہے تو کلام میں اسقدر درازی کیوں کھینچ رہے ہو یعنی جب جواب الاحمق سکوت تسلیم تو اب یہ طول کلام کیا۔ کہ تمام مثنوی لکھ ڈالی اور آگے کو لکھ رہے ہو آگے اسکی وجہ فرماتے ہیں کہ۔

از کمال رحمت و موج کرم ‫ ‫ می دہد ہر شورہ را باران و نم

یعنی کمال رحمت اور موج کرم کی وجہ سے کہ وہ ہر شورہ کو بارش اور تری دیتا ہے مطلب یہ کہ میرا یہ لکھنا حکم حق سے ہے چونکہ حق تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے کہ وہ ہر شور زمین میں بھی بارش دیتے ہیں اگرچہ وہ نااہل ہی ہے مگر اُن کی طرف سے دریغ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگرچہ سامعین اس کے اہل نہوں مگر مجھے حکم بیان ہے کہ بیاں پہونچاؤ ان ہی میں منتفع بھی ہوں گے۔ اسلئے یہ سارا طول ہو رہا ہے۔ اب آگے جواب الاحمق سکوت پر ایک قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

بیان میں اس کے کہ جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے اور اثبات میں اس کے کہ احمق کا بھی جواب سکوت ہی ہے اور ان دونوں باتوں کی شرح قصۂ ذیل میں آتی ہے،

بادشاہے بود او را بندۂ	مردہ عقلے بود و شہوت زندۂ
خردہائے خدمتش بگذاشتے	بد سگالیدے نکو پنداشتے
گفت شاہنشہ جراتش کم کنید	ورنہ جنگد ناکسش از خط برزنید

عقل او کم بود و حرص او فزوں ‌‌ ‌ چوں جرا کم دید شد تند و حروں

عقل بودی گرد خود کردے طواف ‌ تا بدیدے جرم خود گشتے معاف

چوں خرے پابستہ تند از خری ‌ ہر دو پایش بستہ گردد بر سری

پس بگوید خر کہ یک بندم بس است ‌ خود بداں کاں دو ز فعل آں خس است

گر بدیدے سرِّ بند آں چشم کور ‌ بند بر دستش نہ بستندے بزور

ور ز جرم بند پا آگہ بدے ‌ خود ز بند دست و پا ایمن شدے

ور نہ تندیدی ز بند آں بوالفضول ‌ او نہ خر بودے شدے شیر فحول

ایک بادشاہ تھا اور اسکا ایک نوکر تھا جسکی عقل مردہ تھی اور نفس زندہ معمولی معمولی خدمتوں یا دقائق خدمت کو نظر انداز کرتا تھا۔ وہ کرتا تھا بُرا اور سمجھتا تھا کہ میں اچھا کر رہا ہوں۔ یہ دیکھکر بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکا تنزل کر دیا جاوے۔ اور وظیفہ گھٹا دیا جاوے۔ اور اگر یہ کچھ چون و چرا کرے تو اسکا نام کاٹ دیا جاوے چنانچہ اسپر عمل کیا گیا۔ پس چونکہ اسکی عقل کم تھی اور حرص زیادہ اسلئے جب وظیفہ کم ہوا تو بہت جز بز ہوا لیکن اگر اسے عقل ہوتی تو وہ اپنے کو ٹٹولتا تاکہ اُسے اپنا قصور معلوم ہوتا۔ اور وہ اس جرم کا اعتراف کرتا جس سے اسکا قصور معاف ہو جاتا۔ اسکی مثال ایسی تھی جیسے کسی گدہے کا ایک پاؤں بندھا ہوا ہو اور وہ شرارت کرے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ اُسکے دونوں پاؤں بندھ جائیں اسپر وہ یہ کہیگا کہ میرے لئے ایک ہی بیڑی کافی ہے۔ دو کیوں ڈالدی گئیں لیکن تمکو سمجھنا چاہیے کہ یہ دونوں بیڑیاں اسی کی شرارت کا نتیجہ ہیں اگر اُسے ایک بیڑی کی وجہ معلوم ہوتی۔ تو دوسری بیڑی اُسکے پاؤں میں زبردستی نہ ڈالی جاتی۔ اور اگر وہ اپنے اس جرم کو جانتا جسکی بنا پر اُسکا پاؤں باندھا گیا ہے تو اپنے ہاتھ اور پاؤں دونوں کے بندھنے سے بے کھٹکے ہو جاتا کیونکہ جب اُسکا ایک پاؤں باندھا گیا تھا اسوقت اگر وہ سمجھتا کہ یہ میری شرارت کا نتیجہ ہے اور یہ سمجھکر پھر شرارت نکرتا تو دوسرا پاؤں نہ باندھا جاتا۔ بلکہ پہلا بندھا ہوا پاؤں بھی کھولدیا جاتا۔ اور اگر وہ شرارت نکرتا تو وہ گدہا نہوتا۔ بلکہ بہادر شیر یعنی عالی حوصلہ ہوتا۔

شرح شبیری

بیان میں اس کے کہ جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے اور اثبات میں اس کے کہ احمق کا بھی جواب سکوت ہی ہے اور ان دونوں باتوں کی شرح قصۂ ذیل میں آتی ہے ❖

بادشاہے بود او را بندۂ ‌ ‌ مردہ عقلے بود شہوت زندۂ

یعنی ایک بادشاہ کا ایک غلام تھا مردہ عقل والا اور زندہ شہوت والا تھا۔ مطلب یہ کہ عقل تو کہیں اسکے پاس بھی نہ پھٹکی تھی ہاں شہوات نفسانیہ سے پر تھا اور اسکی یہ حالت تھی کہ۔

خردہائے خدمتش بگذاشتے ‌ ‌ بد سگالیدے نکو پنداشتے

یعنی اس بادشاہ کی چھوٹی چھوٹی خدمتیں چھوڑ دیتا برا سوچتا اور اچھا جانتا مطلب یہ کہ اسکے جو کام سپرد تھے ان میں سے ذرا ذرا سے کاموں کو بھی انجام نہ دیتا اکثر چھوڑ دیا کرتا تھا اور ہمیشہ برے کام کرتا اور اسپر طرہ یہ کہ ان کو اچھا بھی سمجھتا۔

گفت شاہنشہ جرایش کم کنید ‌ ‌ ور بجنگد نامش از خط بر زنید

یعنی بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکا وظیفہ کم کر دو اور اگر لڑے تو اسکا نام دفتر سے کاٹ دو۔ مطلب یہ کہ اسکی یہ حالت دیکھکر بادشاہ سمجھ گیا کہ کھانے کو جو مل رہا ہے اسلئے مستا گیا ہے۔ لہذا حکم دیا کہ اسکی روٹی کم کر دو اور اگر اسپر کچھ حیل حجت کرے تو سرے سے نام ہی کاٹ دو اور بالکل ہی وظیفہ بند کر دو۔

عقل او کم بود و حرص او فزوں ‌ ‌ چوں جرا کم دید شد تند و حروں

یعنی اسکی عقل تو کم تھی اور حرص زیادہ تھی تو جب وظیفہ کم دیا تیز اور غمگین ہوا۔ مطلب یہ کہ میاں کو عقل تو تھی نہیں جب حکم شاہ سے وظیفہ ہوا کم تو بجائے اسکے کہ اپنی کوتاہی پر نظر کر کے اسکی اصلاح کرتا آپ اور زیادہ تیز ہوئے اور بگڑے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل بودی گرد خود کردی طواف ‌ ‌ تا بدیدے جرم خود گشتے معاف

یعنی عقل ہوتی تو اپنے گرد طواف کرتا تاکہ اپنے جرم کو دیکھتا اور معاف ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ اگر اسکو عقل ہوتی تو وظیفہ کم ہونے سے اپنی کوتاہیوں پر نظر ہوتی۔ اور اپنے جرموں کو دیکھکر اسکا تدارک کرتا تو بادشاہ کے یہاں سے معافی ملجاتی مگر اس نے بجائے اسکے اور بگڑنا اور لڑنا شروع کر دیا۔ مولانا اسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں خرے پابستہ تند از خری ہر دو پایش بستہ گردد بر سری

یعنی جب کوئی گدھا ایک پاؤں بندھا ہوا گدھے پن سے شرارت کرنے لگے تو اوپر سے اسکے دونوں پاؤں بھی بستہ ہو جاتے ہیں۔

پس بگوید خر کہ یک بندم بس است خود بداں کاں دو زفعل آں خس است

یعنی پھر وہ گدھا کہیگا کہ مجھے تو ایک ہی بند کافی تھا تو تم خود جان لو کہ وہ دونوں اس کمینہ ہی کے فعل کی وجہ سے ہیں۔

گر بدیدے سر بند آں چشم کور بند بر دستش نہ بستندی بزور

یعنی اگر وہ اندھا (پہلے) بند کا بھید دیکھتا تو اسکے ہاتھ پر زور سے نہ باندھتے۔

ور ز جرم بند پا آگہ بدے خود ز بند دست و پا ایمن شدے

یعنی اور اگر بند پا کے جرم سے آگاہ ہوتا تو خود دست و پا کے بند سے بےخوف ہو جاتا۔

ورنہ تندیدی ز بند آں لج الفضول او نہ خر بودی شدے شیر فحول

یعنی اور اگر وہ بیہودہ قید میں شرارت نہ کرتا تو وہ گدھا ہی نہوتا۔ وہ تو شیر نر ہوتا۔ مطلب یہ کہ دیکھئے اس غلام کی ایسی مثال ہے جیسے کہ کسی نے ایک گدھے کو گلے میں رسی ڈالکر باندھ رکھا تھا۔ اس گدھے نے تو دنا پھاندنا شروع کیا تو اس مالک نے اسکے پچھاڑی بھی لگادی۔ تو دیکھو اگر وہ یہ سمجھتا کہ میری اگاڑی بھی اسی لئے لگی ہے تاکہ میں شرارت نکروں اور یہ سمجھکر وہ شرارت سے باز رہتا تو پچھاڑی لگنے کی نوبت نہ آتی تو اسی طرح اگر یہ غلام پہلے سے کام کرتا رہتا تو یہ نوبت کمی وظیفہ کی کیوں آتی اور اگر آگئی تھی اور اب بھی سوچ لیتا اور جرم کو معلوم کر کے اسکی صفائی کی فکر میں لگتا تو بھی خیر تھی مگر مولانا فرماتے ہیں کہ اگر وہ گدھا یہ باتیں سوچ سمجھ لیتا تو وہ گدھا ہی کیوں ہوتا اسی طرح یہ غلام اگر اتنی باتیں سمجھ لیتا تو بیوقوف ہی کیوں کہا جاتا۔ پھر تو بڑا عاقل اور بلند حوصلہ ہوتا چونکہ مولانا

نے اوپر بیان فرمایا ہے کہ اُس گدھے نے ایسا کیا تو اپنے آپ ہی قیود کو اپنے اوپر بڑہاتا چلا گیا اور اگر ایسا نکرتا تو وہ گدہا گدہا نہ رہتا بلکہ بشر کی طرح ہوجاتا آگے اسکی مناسبت سے مخلوق حسا کی تقسیم بیان فرماتے ہیں جسکی تفصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک مخلوق تو محض علم و عقل وغیرہ خوبیوں سے بنائی کہ اُن میں رذائل تھے ہی نہیں۔ وہ تو فرشتے ہیں۔ اور دوسری مخلوق محض رذائل سے بنی جسمیں علم و عقل کا نام نہیں وہ حیوانات ہیں۔ تیسری مخلوق میں ان دونوں کو ترکیب دیدیا کہ کچھ اُن میں عقل وغیرہ ہے اور کچھ رذائل ہیں وہ انسان ہے پھر اس انسان کی تین حالتیں ہیں جسکو قرآن شریف میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ کنتم ازواجا ثلثہ فاصحاب المیمنة ما اصحاب المیمنه واصحاب المشئمة ما اصحاب المشئمة والسابقون السابقون اولئك المقربون ایک تو وہ ہیں کہ اُن میں اوصاف حمیدہ کا غلبہ ہے اور رذائل بالکل ہی مغلوب ہیں ایسے حضرات تو سابقون اولون میں داخل ہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام یا اُنکے سچے جانشین دوسرے وہ کہ اُن میں رذائل ہی کا غلبہ ہے اوصاف حمیدہ ہیں ہی نہیں وہ اصحاب مشئمہ میں داخل ہیں جیسے کہ کفار تیسرے وہ لوگ ہیں کہ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینند　　　گہے بر پشت پائے خود نہ بینند

کہ کبھی اُن میں غلبہ رذائل کا ہے اور کبھی اوصاف حمیدہ کا ایسے حضرات اصحاب میمنہ میں داخل ہیں جیسے عوام مسلمین تو دیکھو جو اصحاب مشئمہ ہیں یہ اگر اپنی حالت میں غور کرتے اور سمجھتے کہ کسوجہ سے ہم کفر میں مبتلا ہیں تو وہ ایسے کیوں رہتے بلکہ انسان کامل ہوجاتے مگر اب تو جیسے گدھے تھے ویسے ہی رہے خوب سمجھ لو۔ اب اشعار سے سمجھ لو۔ مولانا اس مضمون کو ایک حدیث کی تفسیر کے پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں اور اس حدیث کی صحت اور عدم صحت کی بابتہ علم نہیں ناظرین خود تحقیق فرمالیں۔ ہاں مضمون بالکل صحیح ہے۔

شرح حبیبی

بیان تفسیر میں اس حدیث نبوی کے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ

کو پیدا فرمایا اور ان میں عقل کو مرکب فرمایا اور بہائم کو پیدا فرمایا تو ان میں شہوت کو رکھا اور انسان کو پیدا کیا اور اسمیں عقل و شہوت دونوں کو رکھا پس جسکی عقل شہوت پر غالب ہو گئی وہ تو مرتبہ ملائکہ سے بھی بڑھ گیا اور جسکی شہوت عقل پر غالب ہو گئی وہ بہائم سے بھی بدتر ہو گیا

در حدیث آمد کہ یزداں مجید ، خلق عالم را سہ گونہ آفرید

یک گروہ را جملہ علم و عقل و جود ، آں فرشتہ است و نداند جز سجود

نیست اندر عنصرش حرص و ہوا ، نور مطلق زندہ از عشق خدا

یک گروہے دیگر از دانش تہی ، ہمچو حیواں از علف در فربہی

او نہ بیند جز کہ اصطبل و علف ، از شقاوت غافل است و از شرف

آں سوم ہست آدمی زاد و بشر ، از فرشتہ نیمی و نیمے ز خر

نیم خر خود مائل سفلی بود ، نیم دیگر مائل علوی بود

تا کدامین غالب آید در نبرد ، زیں دوگانہ تا کدامین برد نرد

عقل گر غالب بود ویں شد فزوں ، از ملائک ایں بشر در آزموں

شہوت از غالب شود پس کمتر است ، از بہائم ایں بشر زاں ابتر است

آں دو قوم آسودہ از جنگ و حراب ، ویں بشر با دو مخالف در عذاب

وین بشر ہم ز امتحاں قسمت شدند ‌‌ ‌ آدمی شکل اند و سہ امت شدند

یک گروہ مستغرق مطلق شدند ‌ ‌ ‌ ہمچو عیسےٰ با ملک ملحق شدہ

نقش آدم لیک معنی جبرئیل ‌ ‌ ‌ رستہ از خشم و ہوا و قال و قیل

از ریاضت رستہ در زہد و جہاد ‌ ‌ ‌ گوئیا از آدمی او خود نزاد

قسم دیگر با خراں ملحق شدند ‌ ‌ ‌ خشم محض و شہوت مطلق شدند

وصف جبریلی در ایشاں بود رفت ‌ ‌ ‌ تنگ بود آں خانہ و آں وصف زفت

مردہ گردد شخص کاو بیجاں شود ‌ ‌ ‌ خر شود چوں جاں او بے آں شود

زاغ گردد چوں پئے زاغاں رود ‌ ‌ ‌ جسم گردد جاں او بیجاں شود

زانکہ جانے کاں ندارد ہست پست ‌ ‌ ‌ ایں سخن حق است و صوفی گفتہ است

او ز حیوانہا فزوں تر جاں کند ‌ ‌ ‌ در جہاں باریک کاریہا کند

مکر و تلبیسے کہ او تاند تنید ‌ ‌ ‌ وز حیوانے دگر ناید پدید

جامہائے زرکشی را بافتن ‌ ‌ ‌ دُرہا از قعر دریا یافتن

خردہ کاریہائے علم ہندسہ ‌ ‌ ‌ یا نجوم و علم طب و فلسفہ

کہ تعلق با ہمیں دنیستش ‌ ‌ ‌ رہ بہفتم آسماں برنیستش

ایں ہمہ علم بنائے آخر است ‌ ‌ ‌ کہ عماد بود گاو و اشتر است

بہر استبقائے حیواں چند روز ‌ ‌ ‌ نام آں کردند ایں گیجاں رموز

علم راہ حق و علم منزلش ‌ ‌ ‌ صاحب دل داند آں را با دلش

پس دریں ترکیب حیواں لطیف ‌ ‌ ‌ آفرید و کرد با دانش الیف

تام کالانعام کرد آں قوم را / زانکه نسبت کو بیقظه نوم را

روح حیوانی ندارد غیر نوم / حسهائے منعکس دارند قوم

یقظه آمد نوم حیوانی نماند / انعکاس حس خود از لوح خواند

ہمچو حسے آنکه خواب آنرا بود / چوں شد او بیدار عکس او نمود

لاجرم اسفل بود از سافلیں / ترک او کن لا احب الآفلیں

زانکه استعداد تبدیل و نبرد / بودش از پستی و آں را فوت کرد

باز حیواں را چو استعداد نیست / عذر او اندر بہیمی روشنیست

زو چو استعداد شد کاں رہبریست / ہر غذائے کو خورد مغز خراست

گر بلا در خورد او افیوں شود / سکته و بے عقلیش افزوں شود

ماند یک قسم دگر اندر جہاد / نیم حیواں نیم حے با رشاد

روز و شب در جنگ اندر کشمکش / کردہ چالش اولش با آخرش

ہمچو مجنوں در تنازع با شتر / گه شتر چربید و گه مجنوں جر

ہمچو مجنوں اند و چوں ناقه اش یقیں / می کشد آں پیش ایں و ایں ہمیں،

اوپر چونکہ تقسیم حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا تھا اور کہا تھا " ورنہ تندیدے زہند آں بوالفضول + اونہ خر بودے شدے شیر فحول + اس مناسبت سے اب اقسام مخلوقات حساسہ کی تفصیل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حق سبحانہ نے مخلوق کو تین طرح کا پیدا کیا ہے، ایک جماعت کو تو سراپا علم و عقل اور تجی فی الطاعۃ بنایا ہے یہ جماعت تو جماعت ملائکہ ہے اور یہ سوائے طاعت و انقیاد کے اور کچھ جانتے ہی نہیں اور انکی سرشت میں حرص و ہوا کو مطلق دخل نہیں بلکہ یہ سراسر نور ہیں اور محض محبت الٰہیہ سے زندہ ہیں۔ ایک دوسری جماعت ہے جو عقل سے

بالکل بے بہرہ ہے جیسے جانور کہ چارہ کھا کھا کر موٹے ہوتے رہتے ہیں۔ اور بجز رہنے کی جگہ اور کھانیکی چیز کے وہ اور کسی شے کو دیکھتے ہی نہیں۔ نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ بدبختی کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ شرف کیا شے ہے۔ تیسری قسم انسان ہیں جو کہ نصف فرشتہ اور نصف حیوان ہیں یعنی ان میں روحانیت اور جسمیت دونوں جمع ہیں انکا نصف حصہ عالم ناسوت کی طرف مائل ہے یعنی اُن کے جسم اور دوسرا نصف عالم بالا کی طرف متوجہ ہے یعنی ارواح اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسکے دونوں حصوں میں بوجہ تخالف تقضاآت کے جنگ ہے۔ دیکھئے ان دونوں میں کون غالب ہوتا ہے۔ اور کون بازی جیتتا ہے اگر عقل غالب ہوجاوے جو کہ روح کی معاون ہے تب تو یوں کہئے کہ وہ اس عالم ابتلا میں فرشتوں سے بھی سبقت لیگیا اور اگر شہوت غالب ہوجاوے جو جسم کی معین ہے تب وہ چوپاؤں سے بھی کم ہے کیونکہ وہ تمام ہی خراب ہے۔ (ف جنات کو بیان نہیں کیا اسلئے کہ وہ بھی انسانوں ہی کے حکم میں ہیں) الحاصل مخلوقات کی تین قسمیں ہیں۔ ملائکہ حیوانات انسان حقیقۃً یا حکماً سوان میں سے ملائکہ اور حیوانات تو جنگ اور قتال سے بےفکر ہیں۔ مگر آدمی دو مخالف قوتوں عقل و شہوت کے سبب مصیبت میں گرفتار ہے۔ پھر آدمی بھی امتحان کے اعتبار سے منقسم ہوگئے گو سب کے سب صورۃً آدمی ہیں مگر باعتبار اوصاف کے تین جماعتیں ہیں ایک جماعت تو مشاہدۂ جمال حق سبحانہ میں مستغرق اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں کے ساتھ ملحق ہیں (عیسیٰ علیہ السّلام کی تخصیص اس سے کیگئی کہ ان کو لحوق بملائکہ میں ایک خاص امتیاز ہے۔ کیونکہ وہ مع جسم بہ تبدیل خصائص جسمانیہ مثل بول و غائط آسمان پر ساکن ہیں) یہ لوگ انسان صورت ہیں مگر صفات ملکیہ رکھتے ہیں اور بیجا غصہ و خواہش نفسانی اور دیگر فضولیات سے چھوٹ گئے ہیں اب انکو اس ریاضت اور زہد اور مجاہدہ کی ضرورت نہیں ہے جو اخلاق ذمیمہ کے ازالہ کے لئے کئے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ کچھ عبادات وغیرہ کرتے ہیں محض امتثالاً للامر یا شکراً للنعمۃ کرتے ہیں۔ اسلئے اُن کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ گویا وہ آدمی بھی نہیں دوسری جماعت حیوانات کیسا تھ ملحق اور سراپا غضب و شہوت ہے اُن میں اوصاف ملکیہ تھے مگر قریب قریب معدوم ہوگئے کیونکہ مکان تنگ تھا۔ اور اوصاف عظیم الشان تھے۔ یعنی یہ لوگ کم حوصلہ اور پست ہمت تھے جو ان اوصاف کو اپنے اندر باقی نہ رکھ سکے۔ اور معاصی کا ارتکاب کرتے کرتے رفتہ رفتہ انہیں زائل کردیا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ موت معنوی میں مبتلا ہوگئے کیونکہ وہ اوصاف بمنزلہ روح کے تھے۔ اسلئے

انکا زوال جان کا نکلنا ہوا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص بیجان ہو جاتا ہے مردہ ہو جاتا ہے۔ نیز وہ ان اوصاف کے زوال کے سبب آدمی سے جانور ہو گئے کیونکہ جب یہ اوصاف جاتے رہتے ہیں جو کہ مدار انسانیت ہیں تو ضرور ہے کہ آدمی جانور ہو جاوے نیز انھوں نے زاغ خصلتوں کا اتباع کیا تو یہ بھی زاغ خصلت حریص و مکار و مردار خوار ہو گئے اسلئے کہ جب کوئی زاغ خصلتوں کی پیروی کریگا تو خواہ مخواہ زاغ خصلت ہو جائیگا۔ نیز ان کی روح گویا کہ جسم بنگئی کیونکہ جب جانکی جان نکلجاوے اور وہ اوصاف اس سے علیحدہ ہو جائیں جو اسکے لئے بمنزلہ جان کے تھے تو لامحالہ وہ حکم جسم حاصل کریگی کیونکہ اس کے علو مرتبت کا سبب تو یہی اوصاف تھے۔ اور جب یہ اوصاف نہ رہے تو وہ محتقر اور مثل جسم ہوگی تم کو میرے اس بیان میں بالکل شبہ نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بالکل سچی بات ہے اور عرفا و ارباب باطن جن پر حقائق اشیا منکشف ہوتی ہیں۔ ایسا ہی کہتے ہیں۔ غرض کہ وہ شخص ان صفات کے زوال سے جانور ہو جاتا ہے بلکہ وہ جانوروں سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں نہایت منہمک ہوتا ہے اور ایسے دقیق کام کرتا ہے جو اور جانور نہیں کرتے چنانچہ جو مکر اور تلبیس وہ کرتا ہے اسکا ظہور کسی جانور سے نہیں ہو سکتا۔ یا مثلاً زری کے کپڑے بنانا اور دریا میں سے موتی نکال لینا یا علم ہندسہ میں دقیقہ سنجیاں۔ یا علم نجوم طب و فلسفہ میں نازک خیالیاں یہ باتیں ایسی ہیں جنکو کوئی اور جانور نہیں کر سکتا۔ ....

اور ان سب باتوں کی وجہ یہ ہے کہ اسکو اسی عالم ناسوت سے تعلق ہے۔ اور عالم غیب سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ اسلئے ان ہی باتوں کو کمال سمجھتا ہے اور انہیں میں پھنسا ہوا ہے۔ پس ضرور ہے کہ وہ جانوروں سے بدتر ہو۔ کیونکہ صرف انہماک فی الناسوت تو دونوں میں مشترک ہے کمی بیشی کا تفاوت ہے اور اسکا انہماک زیادہ ہے۔ اسلئے یہ بدتر ہوگا۔ یہ تمام علوم صلاح دنیا سے متعلق ہیں جو مدار ہے جانور صفت لوگونکی بقا کا۔ اور جو کہ ان جانوروں کی چند روز باقی رکھنے کیلئے ہیں مگر یہ احمق لوگ انہیں رموز اور اسرار کے لقب سے ملقب کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ لوگ یہ علوم دنیا ہی جانتے ہیں اور وہ علوم نہیں جانتے جن سے خدا کا رستہ اور اسکی منازل معلوم ہوں۔ اور جو کہ فی الحقیقۃ اسرار اور رموز ہیں اسلئے وہ ان علوم دنیویہ ہی کو اسرار اور رموز جانتے ہیں یہ علوم تو صاحب دل یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ اسکا دل جانتا ہے پس ایسے لوگونکو انسان نہ کہنا

چاہیئے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حق سبحانہ نے ترکیب و ساخت انسانی میں ایک پاکیزہ جانور پیدا کیا اور اسکو عقل دنیا سے مالوف کیا۔ چنانچہ اُس نے لوگوں کو چوپایوں کے مانند کہا بھی ہے۔ کیونکہ انکی حالت مشابہ نیند کے ہے اور حقیقی انسانوں کی حالت مشابہ بیداری کے پس دونوں کی صفات میں بہت فرق ہوا اسلئے انکو حقیقۃً انسان نہیں کہا جا سکتا۔ گو بصورت انسان ہیں یاد رکھو کہ روح حیوانی بالکل سوتی ہے اور اسے کچھ بھی بیداری حاصل نہیں۔ اور چونکہ اہل دنیا کی ارواح انسانیہ بھی غلبہ روح حیوانی سے ارواح حیوانیہ ہی بنگئی ہیں اسلئے ان کے حواس معکوس ہو گئے۔ اور انکی حالت ایسی ہو گئی جیسے کوئی سوتا ہو۔ اور سوتے میں اشیاء کو خلاف واقع مشاہدہ کرے۔ لہذا وہ مرغوبات کو قابل نفرت اور قابل نفرت کو مرغوب سمجھتے ہیں مگر جب بیداری معرفت حاصل ہوجاتی ہے اسوقت یہ خواب حیوانی نہیں رہتی۔ اور آدمی اپنے حواس کا انعکاس یوں مشاہدہ کرتا ہے جیسے وہ شخص جو سو جاوے اور بیداری کے بعد اپنے حواس کو معکوس پائے (پس انعکاس حس بر لوح جان ندن سے مراد مطلق مشاہدۂ انعکاس ہے۔ نہ کہ لوح محفوظ یا لوح دل پر منتقش ہونا۔ کما فہمہ المحشون واللہ اعلم) پس جبکہ اہل دنیا کی یہ حالت ہے جب تک مذکور ہوئی تو وہ لامحالہ اسفل سافلین وارذل الاراذل و فانی ہونگے۔ لہذا تم کو انکو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور لا احب الافلین کہنا چاہیئے یعنی میں فانیوں سے دل نہیں لگاتا۔ ان کے اسفل سافلین و ارذل الاراذل ہونیکا منشاء یہ ہے کہ ان کے اندر اپنے کو پستی سے متغیر کرنے اور خواہشات نفسانیہ سے مقابلہ کرنے کی استعداد و قابلیت تھی مگر انھوں نے اسے کھو دیا۔ برخلاف حیوانات کے کہ چونکہ ان میں ابتدا ہی سے یہ استعداد نہ تھی اسلئے انکا عذر بہیمیت کے بارہ میں صاف اور واضح ہے۔ اب سنو کہ جب تک یہ استعداد باقی ہے اور مضمحل ہو کر بمنزلہ معدوم کے نہیں ہوئی اسی وقت تک غذائے روحانی مفید ہے ورنہ جب یہ استعداد جاتی رہی اسوقت اسکو جو غذائے ہدایت ملیگی مفید ہونیکے بجائے مضر ہوگی (اسی بنا پر حق سبحانہ منافقین کے حق میں فرماتے ہیں فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا) اور اگر اسکے معنوی بےحسی اور بےعقلی کے ازالہ کیلئے کوئی تدبیر کیجائیگی تو اور بےحسی اور بےعقلی بڑھیگی پس اسکی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی سکتہ اور بےعقلی کو دور کرنے کیلئے بھلاوا کھلاوے اور وہ اسکے لئے افیون کا کام کرے۔ اور سکتہ اور بےحسی بڑھا وے۔ دو قسمیں تو ہو چکیں اب ایک قسم رہگئی اور وہ وہ ہے جو نصف

جانور ہو اور نصف زندہ یعنی اسمیں اخلاق حمیدہ و ذمیمہ دونوں ہوں۔ اور رات دن ان میں آپس میں جنگ اور کھینچا تانی ہوں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ مصروف پیکار ہو جیسے مجنوں اور اُسکے ناقہ کی حالت تھی کہ ان میں آپس میں کشمکش تھی اور کبھی اونٹنی مجنون پر غالب آجاتی تھی اور کبھی مجنوں اونٹنی پر غالب آجاتا تھا۔ فی الواقع ان دونوں کی حالت ایسی ہی ہے جیسے مجنوں اور اسکی ناقہ کی کہ مجنون اُسے کھینچتا تھا اور ناقہ اُسے پیچھے کھینچتی تھی قدرے تفصیل اسکی حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری

بیان تفسیر میں اس حدیث نبوی صلعم کی کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا فرمایا اور اُن میں عقل کو مرکب فرمایا اور بہائم کو پیدا فرمایا تو اُن میں شہوت کو رکھا اور انسان کو پیدا کیا اور اسمیں عقل و شہوت دونوں کو رکھا پس جسکی عقل شہوت پر غالب ہو گئی وہ تو مرتبہ میں ملائکہ سے بھی بڑھ گیا۔ اور جسکی شہوت عقل پر غالب ہو گئی وہ بہائم سے بھی بدتر ہو گیا

در حدیث آمد کہ یزداں مجید　　خلق عالم را سہ گونہ آفرید

یعنی حدیث میں ہے کہ خدائے بزرگ نے عالم کی مخلوقات (حسا سلہ) کو تین قسم پر پیدا فرمایا۔

یک گرہ را جملہ علم و عقل وجود　　او فرشتہ است و نداند جز سجود

یعنی ایک گروہ کو تو محض علم اور عقل و (جود) کی ساتھ پیدا کیا) وہ تو فرشتے ہیں کہ سوائے عبادت کے اور کچھ جانتے ہی نہیں۔

نیست اندر عنصرش حرص و ہوا　　نور مطلق زندہ از عشق خدا

یعنی اُنکی پیدائش میں حرص و ہوا وغیرہ ہے ہی نہیں وہ نور مطلق ہیں اور عشق خدا سے زندہ ہیں

مطلب یہ کہ بس یہ گروہ تو نور محض ہے رذائل کا ان میں پتہ ہی نہیں۔

یک گروہ دیگر از دانش تہی — ہمچو حیوان از علف در فربہی

یعنی ایک دوسرا گروہ جو کہ عقل سے بالکل خالی ہے جیسے کہ حیوانات کہ گھاس سے موٹے ہو رہے ہیں

او نہ بیند جز کہ اصطبل و علف — از شقاوت غافل است و از شرف

یعنی وہ سوائے اصطبل کے اور گھاس کے کچھ نہیں دیکھتا شقاوت سے بھی غافل ہے اور شرف سے بھی مطلب یہ کہ اس قسم کو یعنی حیوانات کو بس کھانے کو ملجاوے اور کھڑے ہونیکی جگہ ہو پھر انکو نہ شقاوت کی پرواہ اور نہ بلند مرتبگی کی خواہش غرض ان میں اوصاف حمیدہ کا نام نہیں۔

آں سوم ہست آدمی زادہ بشر — از فرشتہ نیمی و نیمے ز خر

یعنی وہ تیسرا حضرت انسان ہیں کہ آدہا تو فرشتہ میں سے اور آدہا گدہے میں ہے۔

نیم خر خود مائل سفلی بود — نیم دیگر مائل علوی بود

یعنی آدہا گدہے والا تو اسفل کی طرف مائل ہوتا ہے اور دوسرا آدہا اوپر کی طرف مائل ہوتا ہے مطلب یہ کہ تیسری قسم حضرت انسان ہیں کہ یہ ایک معجون مرکب ہیں ان میں اوصاف حمیدہ بھی ہیں اور رذیلہ بھی ہیں اوصاف حمیدہ تو انکو عالم بالا کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور رذائل اسفل میں لئے جاتے ہیں۔ بس اب دیکھنا یہ ہے کہ۔

تاکدامین غالب آید در نبرد — زیں دوگانہ تاکدامین برد نرد

یعنی مقابلہ میں کون غالب آتا ہے اور ان دونوں میں کون بازی لیجاتا ہے۔

عقل گر غالب شود پس شد فزوں — از ملائک ایں بشر در آزموں

یعنی اگر عقل غالب ہوگئی تب تو یہ انسان امتحان میں ملائکہ سے بھی بڑھ گیا۔

شہوت ار غالب شود پس کمتر است — از بہائم ایں بشر زاں کابتر است

یعنی اگر شہوت غالب ہو جاوے تو بس یہ انسان بہائم سے (بھی) گیا گذرا ہے اسی وجہ سے ابتر ہے مطلب یہ کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دو صفتوں میں سے کونسی صفت کا غلبہ ہے اگر اوصاف حمیدہ کا غلبہ ہے تب تو یہ حضرت ملائکہ سے بھی برتر ہیں اسلئے کہ ان میں تو تقاضا مخالف کا ہی نہیں لہذا انکا بچنا محل تعجب نہیں جیساکہ اس میں ہے کہ تقاضا خلاف کا موجود اور پھر بچ رہا ہے۔ اور اگر کہیں شہوت

غالب ہو گئی تو پس پھر حیوانات سے بھی بدتر اور گیا گذرا ہو گیا۔ اسلئے کہ حیوانات میں تو داعیہ خیر کا ہی نہیں تو اُن کا میلان شر کی طرف زیادہ بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ ان حضرت کا میلان بعید ہے۔ اسلئے کہ باوجود داعیہ خیر کے پھر اُدہر جھکا جاتا ہے۔ غرضکہ۔

آں دو قوم آسودہ از جنگ و حراب وین بشر با دو مخالف در عذاب

یعنی وہ دونوں قومیں تو لڑائی جھگڑے سے فارغ ہیں اور یہ بشر دو مخالف کی ساتھ ہونیکی وجہ سے عذاب میں ہے۔ مطلب یہ کہ اُن دونوں کی تو چونکہ ایک حالت ہے بُری یا بھلی تو وہ آرام سے ہیں ایک ایک حالت میں لگا ہوا ہے۔ اور ایک ایک ہیں مگر یہ حضرت انسان عجب کشمکش میں کبھی داعیہ خیر اپنی طرف بلا رہا ہے تو اُدہر شر کا تقاضا تھو کے دے دیکر اُبھار رہا ہے غرض ۵

دو گونہ رنج و عذابست جان مجنون را بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلےٰ

یہ تین قسمیں تو کل مخلوق حساس کی ہو گئیں۔ آگے ان میں سے حضرت انسان کی تین قسمیں بیان فرماتے ہیں جنکو قرآن شریف میں اصحاب میمنہ اور اصحاب مشئمہ اور سابقون کے لقب سے ذکر کیا گیا جیسا کہ اوپر شرح میں بیان کیا گیا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

وین بشر ہم زامتحان قسمت شدند آدمی شکل اند و سہ امت شدند

یعنی اور یہ بشر بھی امتحان کی وجہ سے تین قسم ہو گئے آدمی کی شکل ہیں اور تین طرح کے ہو گئے۔ مطلب یہ کہ پھر انسان بوجہ امتحان کے جو حق تعالیٰ سے ہوا اور جسکی وجہ سے اس دنیا دارالبلا میں پہونچ گئے ہیں تین قسم کے ہو گئے شکل تو ایک ہی ہے یعنی سارے انسان ہی ہیں مگر اوصاف سب کے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ آگے خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

یک گرہ مستغرق مطلق شدہ ہمچو عیسیٰ با ملک ملحق شدہ

یعنی ایک گروہ تو بالکل مستغرق ہو گیا۔ اور مثل عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں میں جا ملا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت ہی دنیا سے بے تعلق اور زاہد تھے۔ کہ مکان وغیرہ کچھ بھی نہ بنایا جس سے کوئی ظاہری تعلق بھی دنیا سے نہ تھا ورنہ یوں تو سارے ہی انبیا دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں مگر اُنکی بے تعلقی بالکل ہی ظاہر تھی۔ اسلئے ان سے تشبیہ دی۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع جسم عنصری کے فرشتوں کی ساتھ رہتے ہیں اسلئے با ملک ملحق شدہ فرمایا مطلب یہ کہ بس ایک

گروہ تو ایسا ہے کہ وہ بس یادِ حق میں ہر وقت مستغرق ہے اور کسی شے سے اُسے تعلق ہی نہیں ہے

نقشِ آدم لیک معنی جبرئیل   رستہ از خشم و ہوا و قال قیل

یعنی صورت تو آدم علیہ السّلام کی لیکن باطن جبرئیل علیہ السّلام جیسا غصہ سے اور خواہش نفسانی سے اور قال و قیل سے چھوٹے ہوئے۔

از ریاضت رستہ و ز زہد و جہاد   گوئیا از آدمی او خود نزاد

یعنی ریاضت سے اور زہد سے اور مجاہدہ سے چھوٹے ہوئے ہیں گویا کہ وہ آدمی سے پیدا ہی نہیں ہوئے مطلب یہ کہ ایک گروہ کی تو یہ حالت ہے کہ بس اُن میں اخلاق حمیدہ ہی حمیدہ ہیں رذائل کا پتہ ہی نہیں ہر وقت فرشتوں کی طرح سوائے عبادت کے اور کوئی کام ہی نہیں رہا۔ تمام رذائل سے ایسے پاک و صاف ہیں کہ اب انکو ازالہ رذائل کیلئے ریاضت و مجاہدہ کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں احکام شرعیہ کو امتثالاً للامر بجا لاتے ہیں مگر اُن مجاہدات کی ضرورت جو ازالہ رذائل کیلئے ہوتے ہیں انکو نہیں رہی۔ اس سے جاہل صوفی یہ نہ سمجھ لیں کہ انکا وہ مرتبہ ہو گیا کہ جہاں وہ احکام شرعیہ کے بھی مکلف نہیں رہے۔ یہ درجہ تو جنون کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور وہ حضرات تو ایسے عاقل ہیں کہ اور سب کی عقل بھی اُن ہی کے فیض سے ہے لہٰذا وہ تمام احکام شرعیہ کے مکلف ہوتے ہیں۔ ہاں انکو بوجہ رذائل کے زائل ہو جانے کے اُن مجاہدات خاصّہ کی حاجت نہیں رہتی خوب سمجھ لو۔ تو ایک قسم تو یہ ہوئی یہ تو السابقون السابقون اولئک المقربون کے مصداق ہیں آگے دوسری قسم بیان فرماتے ہیں کہ

قسم دیگر با خراں ملحق شدند   خشم محض و شہوت مطلق شدند

یعنی دوسری قسم گدھوں کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں کہ محض غصہ اور شہوت مطلقہ ہو گئے ہیں۔

وصف جبریلی در ایشان بود رفت   تنگ بود آں خانہ و آں وصف زفت

یعنی وصف جبریلی اُن میں تھا (مگر) جاتا رہا۔ وہ گھر تنگ تھا اور وہ وصف عظیم الشان تھا مطلب یہ کہ دوسرے گروہ لوگ جو بہائم میں جا ملے ہیں اور جنمیں سوائے رذائل کے اخلاق حمیدہ کا پتہ نہیں ہے۔ تو ان میں بھی استعداد خیر کی تھی جو کہ وصف جبریلی کے مشابہ تھی مگر انکی بداعمالیوں کی بدولت وہ استعداد مضمحل ہو کر کالعدم ہو گئی۔ آگے ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

مردہ گردد شخص چون بیجان شود　　　خر شود چون جان او بے آن شود

یعنی آدمی جب بیجان ہو جاتا ہے تو مردہ ہو جاتا ہے۔ اور جب اُسکی جان بے اُس (وصف جبرئیلی) کے ہو جاتی ہے تو وہ گدھا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب جسم میں سے روح نکلگئی تو جسم مردہ اور بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح اگر روح میں سے اوصاف کمال نکلجاویں تو وہ روح بھی بیکار ہو جاتی ہے۔

زاغ گردد چون پے زاغان رود　　　جسم گردد جان چو او بیجان شود

یعنی کوا ہو جاتا ہے اگر کوے کے پیچھے چلے اور روح جسم ہو جاتی ہے جبکہ بے روح ہو۔ مطلب یہ کہ روح میں اگر روح الروح یعنی اوصاف کمال نہوں تو وہ روح روح نہیں رہی بلکہ وہ بھی جسم کی طرح محجوب اور ظلمانی ہوگئی جیسے کہ اگر کوئی جانور کوؤں کے پیچھے رہے تو اُسکے اندر بھی ان ہی جیسے اوصاف آجاوینگے اسی طرح جب روح تابع جسم کے ہوگئی تو اُسکے اندر بھی اوصاف جسم کے آگئے اور وہ بھی محجوب ہوگئی اور فرماتے ہیں کہ

زانکہ جانے کان ندارد ہست پست　　　این سخن حق است صوفی گفتہ است

یعنی اسلئے کہ جو جان کہ وہ (اوصاف کمال) نہ رکھے پست ہے اور یہ بات حق ہے صوفیہ نے ارشاد فرمائی ہے مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ تم اس قول کو صرف میرا ہی قول مت سمجھنا اور یہ سمجھکر اسکو غیر قابل عمل مت ٹھہرا دینا بلکہ خوب سمجھ لو کہ یہ صوفیہ کرام کا قول ہے جو کہ تمام حقائق اشیاء پر مطلع ہوتے ہیں لہذا بالکل سچا اور مطابق للواقع قول ہے۔ تو وہ انسان انسان نہیں رہتا جانوروں کی طرح ہو جاتا ہے بلکہ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

او ز حیوانہا فزون تر جان کند　　　در جہان باریک کاریہا کند

یعنی وہ حیوانات سے زیادہ جان کنی میں ہوتا ہے اور جہان میں بہت سے باریک کام کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ حیوان کی طرح ہو جاتا ہے مگر حیوان کو اتنی مصیبت نہیں ہوتی جتنی کہ اسکو ہوتی ہے اسلئے کہ حیوان کو تو صرف اصطبل اور علف کی حاجت ہے بس پھر مگن ہیں اور یہ حضرت انسان دنیا میں بیحد منہمک رہتے ہیں اور جسقدر ملجاوے۔ اُس سے زیادہ ہی کی حرص میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور ایسے ایسے کام کرتے ہیں جو بچارے حیوان کے کبھی خواب میں بھی نہیں آتے آگے انکی تفصیل خود فرماتے ہیں کہ

مکر و تلبیسے کہ او تاند تنید　　　آن ز حیوانے دگر ناید پدید

یعنی جو مکر اور تلبیس کہ انسان کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے حیوان سے ظاہر نہیں ہو سکتی مطلب یہ کہ کسب دنیا دنیا کیلئے جو جو حیل یہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے اور کسی حیوان سے تھوڑا ہی ہو سکتے ہیں۔ آگے انکی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ

جامہائے زرکشی را بافتن　　دُرہا از قعرِ دریا یافتن

یعنی زری کے کپڑے بننا اور موتی دریا کے قعر سے پانا۔

خردہ کاریہائے علم ہندسہ　　یا نجوم و علم طب و فلسفہ

یعنی علم ہندسہ کی باریکیاں یا علم نجوم یا علم طب یا فلسفہ مطلب یہ کہ دیکھو کیسے کیسے زری کے کپڑے بنتا ہے اور قعر دریا میں سے موتی نکالکر لاتا ہے۔ یہ سارے دھندے دنیا ہی کیلئے کرتا ہے علی ہذا علم ہندسہ کی باریکیوں میں غور کرنا علم طب و نجوم وغیرہ میں غور کرنا یہ سارے کام صرف کسب دنیا ہی کیلئے کرتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ کام حیوانات کر نہیں سکتے۔ تو انکا انہماک دنیا میں اس سے پھر بھی بہت کم ہوا لہذا اس حالت میں وہ اس سے اچھے ہیں اور یہ ان سے بھی گیا گذرا ہوا ہے۔ اور یہ ساری باتیں اسلئے ہیں کہ

کان تعلق با ہمیں دنیستش　　رہ بہفتم آسمان بر نیستش،

یعنی کہ وہ تعلق اسکو اس دنیا ہی سے ہے اور ساتویں آسمان پر اسکو راستہ نہیں ہے مطلب یہ کہ انکے دنیا میں انہماک کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے علوم عالم غیب کو کبھی دیکھا نہیں آنکھ کھولکر دنیا ہی کو دیکھا۔ اور اسی کے علوم کو اسرار و معارف سمجھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

ایں ہمہ علم بنائے آخر است　　کہ عماد بود گاؤ و اشتر است

یعنی یہ تمام علم آخور کی بنا ہے جو کہ گائے اونٹ وغیرہ کے زندگی کا عماد ہے۔

بہر استبقائے حیوان چند روز　　نام آں کردند ایں گیجاں رموز

یعنی حیوان کی چند روزہ زندگی کے واسطے انکا نام ان بیوقوفوں نے رموز رکھ لیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ علوم جنکا اوپر بیان ہوا ہے۔ یہ تو صرف بقائے حیوانی کیلئے ہیں جسطرح کہ آخور ہوتی ہے کہ جانوروں کے کھانے کیلئے بنادی جاتی ہے۔ گویا کہ انکی مدار حیات وہی ہوتی ہے بس اسی طرح یہ علوم حیوانی بقا کیلئے معین ہیں اب ان بیوقوفوں نے انکا نام رموز اور علوم رکھ لیا ہے اگر انکو حقیقی علوم کی ہوا بھی

کھجاتی تو انکی آنکھیں کھلجاتیں مگر افسوس کہ اس سے یہ بالکل ہی بے بہرہ ہیں

علم راہ حق و علم منزلش صاحب دل داند آنرا یا دلش

یعنی راہ حق کا علم اور اسکی منزل کا صاحب دل جانتا ہے یا اسکا دل جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ اسرار رموز حقیقی کو تو حضرات اولیاء اللہ اور اہل دل ہی خوب جانتے ہیں ورنہ یہ دنیادار تو اپنے ان ہی علوم ظاہری کو علوم حقیقی سمجھکر ان میں لگے ہوئے ہیں۔

پس دریں ترکیب حیوان لطیف آفرید و کرد با دانش الیف

یعنی پس اس ترکیب میں حیوان لطیف کو پیدا فرمایا اور اسکو عقل کے ساتھ مالوف کردیا مطلب یہ کہ علوم حقیقیہ کو اصل میں تو دل ہی جانتا ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے اس دل کو اس ترکیب حیوانی میں پیدا فرمایا ہے۔ کہ انکی بھی صورت تو دیگر انسانوں جیسی ہی ہے مگر باطن میں وہ سب سے جدا ہیں تو انکو اس صورت میں پیدا فرماکر عاقل اور صاحب اسرار بنایا ہے لہذا علوم حقیقیہ ان ہی حضرات کو ملے ہیں۔ اور انسان اصل اور انسان کامل یہی حضرات ہیں ورنہ دنیادار لوگوں پر چونکہ صفت حیوانیت غالب ہوگئی ہے اور انکی روح بھی اسکے تابع ہوگئی ہے اسلئے انکی تو صرف صورت انسانی ہے اور اصل میں بالکل حیوانوں ہی کی طرح ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

نام کالانعام کرد آن قوم را زانکہ نسبت کو بہ یقظہ نوم را

یعنی حق تعالیٰ نے اس قوم کا نام کالانعام رکھا ہے اسلئے کہ نیند کو بیداری سے کیا نسبت۔

روح حیوانی ندارد غیر نوم حسہائے منعکس دارند قوم

یعنی روح حیوانی تو سوائے نوم کے اور کچھ نہیں رکھتی۔ اور قوم الٹے حواس رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے اسی وجہ سے کہ ان پر صفت حیوانیت کا غلبہ ہے انکو جانوروں کی مثل فرمایا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کالانعام بل ھم اضل اسلئے کہ ان کی مثال تو نیند جیسی ہے اور حضرات اولیاء اللہ کی مثال بیداری جیسی ہے تو بھلا نیند اور بیداری میں کیا نسبت دونوں میں ظاہر اور باطن فرق ہے۔ بس اسی طرح ان حضرات کی حالت میں اور انکی حالت میں فرق ہے اور بوجہ غلبہ حیوانیت کے ان کے حواس بھی تو معکوس ہی ہوگئے۔ کہ یہ غیر حقیقی کو حقیقی سمجھنے لگے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ علوم اصلیہ کو تو چھوڑ رکھا ہے۔ اور علوم دنیا کو جو صرف بقائے روح حیوانی

کا سبب ہیں اور علوم حقیقیہ کی انکو ہوا بھی نہیں لگی آنکو لیکر ان میں منہمک ہو رہے ہیں مگر انکی بھی یہ
حالت جب ہی تک ہے جب تک کہ انکو وہ بیداری معرفت حاصل نہو اور جب وہ حاصل ہو جاوے
اسوقت پھر یہ بھی انسان کامل ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

یقظہ آمد نوم حیوانی نماند　　انعکاس حس خود از لوح خواند

یعنی بیداری آئی تو حیوانی نہیں رہی اور اپنے انعکاس حس کو لوح سے پڑھ لیا مطلب یہ کہ
جب بیداری معرفت حاصل ہوجاتی ہے تو نوم حیوانی زائل ہوجاتی ہے۔ اور اسوقت بالکل
ظاہر طور پر اپنے حواس کا الٹا اور برعکس ہونا معلوم ہوجاتا ہے اور اسوقت آنکھ کھلتی ہے کہ
ابتک جسمیں لگے ہوئے تھے وہ حقیقت سے کوسوں دور تھا۔ آگے اسکو ظاہری نوم سے مثال
دیتے ہیں کہ۔

ہمچو حس آنکہ خواب او را ربود　　چوں شد او بیدار عکسش رو نمود

یعنی جیسے کہ حس اس شخص کی کہ جسکو نیند لگ گئی ہو جب وہ بیدار ہوا تو عکس نے اسکو منہ دکھایا
مطلب یہ کہ دیکھو انسان نیند میں ہوتا ہے اور اسکو اسمیں کیسے کیسے عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے
اور کیسے اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں مگر دیکھو کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن اشیا کو
کہ ابتک اصلی اور حقیقی سمجھ رہے تھے یعنی خواب کی باتیں وہ تو بالکل غیر واقعی تھیں۔ تو اسی طرح
جب اس نوم باطن سے آنکھ کھلے گی تب معلوم ہوگا کہ ۵ جو کہ دیکھا خواب تھا اور جو سنا افسانہ
تھا۔ جب اس شخص کی یہ حالت ہے تو فرماتے ہیں کہ۔

لاجرم اسفل بود از سافلیں　　ترک او کن لا احب الآفلین

یعنی بالضرور وہ اسفل اسافلین سے ہوگا۔ تو تو اسکو (یہ کہتا ہوا) ترک کر دیگا کہ میں فانی اشیاء سے
تعلق نہیں رکھتا۔

زانکہ استعداد تبدیل و نبرد　　بودش از پستی و آں را فوت کرد

یعنی اسلئے کہ اسکو پستی سے بچنے کی اور تبدیل کی استعداد تھی اس نے اسکو فوت کر دیا۔

باز حیوان را چو استعداد نیست　　عذر او اندر بہیمی روشنے است

یعنی پھر حیوان کو جو استعداد نہیں ہے تو اسکا عذر بہیمیت میں روشن ہے۔

تو چو استعداد شد کان رہبرست   ہر غذائی کو خورد مغز خرست

یعنی اس سے جب استعداد فوت ہو گئی جو کہ رہبر تھی تو جو غذا کہ وہ کھاوے مغز خر ہے۔

گر بلادر خورد او افیوں شود   سکتہ و بے عقلیش افزوں شود

یعنی وہ اگر بھلاواں کھاوے تو افیون ہو جاوے اور سکتہ اسکا اور بے عقلی زیادہ ہو۔ مطلب یہ کہ چونکہ اسکو اس پستی سے نکلنے کی اور عالم غیب کی طرف توجہ کرنے کی استعداد موجود تھی جسکو خود اس نے اپنے ہاتھوں خراب کر لیا ہے اسلئے یہ اسفل السافلین ہیں سے اور بدتر از حیوان ہو گیا جیسے پستی کی طرف توجہ کی تو اسفل میں ہونا تو ظاہر ہے اور بدتر از حیوان اسلئے ہے کہ حیوان میں تو اسکی استعداد ہی نہ تھی اور وہ توان امور کا مکلف ہی نہ تھا اسلئے اسپر کوئی ملامت نہیں ہو سکتی بخلاف اسکے کہ یہ کر سکتا تھا اور نہ کیا۔ پس اب جبکہ اس نے استعداد کو فوت کر دیا تو یہ حالت ہو گئی کہ اگر کوئی بھلا کام بھی کرتا ہے وہ بھی بُرا ہی ہو جاتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھی اسمیں ریا ہو گئی علی ہذا اور سیکڑوں باتیں۔ اسکی ایسی مثال ہو گئی کہ جیسے کسی کو بھلاواں کھلاؤ جو کہ بیہوش کو باہوش کر دیتا ہے مگر اس شخص کیلئے وہ افیون کا کام دے کہ بیہوشی کو اور ترقی دیدے۔ تو جب اسکی توجہ اسفل اور فانی اشیاء کی طرف ہے تو تم کو چاہئے کہ اس سے الگ رہو اور اشیاء فانی سے تعلق نہ پیدا کرو۔ خوب سمجھ لو۔ یہاں تک دو کا بیان تو ہو چکا۔ ایک تو سابقون کا اور دوسرا اصحاب شمہ کا اب آگے تیسری قسم اصحاب یمین کا بیان فرماتے ہیں کہ۔

ماند یک قسم دگر در اجتہاد   نیم حیوان نیم حے بارشاد

یعنی ایک قسم بیان کرنے میں اور رہگئی ہے جو کہ آدہی تو حیوان ہے اور آدہی زندہ با ہدایت ہے۔ اور اسکی یہ حالت ہے کہ۔

روز و شب در جنگ و اندر کشمکش   کردہ چالش اولش با آخرش

یعنی رات دن لڑائی میں اور کشمکش میں ہیں اور اسکا اول اسکے آخر کی ساتھ جھگڑا کئے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ ایک اور قسم یہ ہے کہ اسمیں دونوں طرف میلان ہے عالم غیب کی طرف بھی اور دنیا کی طرف بھی۔ تو کبھی تو اسکا غلبہ ہو جاتا ہے اور کبھی اسکا بس اسی طرح ساری عمر کشمکش ہی میں گذر جاتی ہے بخلاف ان دو کے کہ ایک کو صرف میلان الی الخیر تھا اور دوسرے کو الی الشر پس ایک کام

میں لگے رہتے تھے اور انکو ہر وقت ایک سوہان روح ہوتا ہے یہ لوگ صحابہ تابعین ہیں آگے انکی اس حالت کی ایک مثال قصۂ مجنوں سے بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

عقل کا نفس سے جھگڑنا جیسے کہ مجنون اونٹنی سے جھگڑ رہا تھا کہ مجنون کا میلان تو حرہ (لیلیٰ) کی طرف تھا اور اونٹنی کا میلان کرہ (بچھیرے) کی طرف تھا جیسا کہ مجنون نے کہا ہے کہ ہوائے ناقتی خلفی وقدامی الھویٰ + فانی وایاھا لمختلفان

میل مجنوں پیش آن لیلیٰ رواں | میل ناقہ پس پے کرہ اش دواں
یکدم ار مجنوں ز خود غافل بدے | ناقہ گردیدے و واپس آمدے
عشق و سودا چونکہ پر بودش بدن | می نبودش چارہ از بیخود شدن
آنکہ او باشد مراقب عقل بود | عقل را سودائے لیلیٰ در ربود
لیک ناقہ بس مراقب بود و چست | چوں بدیدے او مہار خویش سست
فہم کردے زو کہ غافل گشت و دنگ | رہ سپس کردے بکرہ بے درنگ
چوں بخود باز آمدے دیدے ز جا | کو سپس رفتہ است بس فرسنگہا
در سہ روزہ رہ بدیں احوالہا | ماند مجنوں در تردد سالہا
گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم | ما دو ضد پس ہمرہ نالائقیم

نیستت بر وفق من مہر و مہار	کرد باید از تو صحبت اختیار
این دو ہمرہ یکدگر را راہزن	گمرہ آن جان کو فرو ناید ز تن،
جان ز ہجر عرش اندر فاقہ،	تن ز عشق خاربن چون ناقہ،
جان گشاید سوئے بالا بالہا	در زدہ تن در زمین چنگالہا
تا تو باشی با من اے مردہ وطن	پس ز لیلیٰ دور ماند جان من
روزگارم رفت زین گون حالہا	ہمچو تیہ و قوم موسیٰ سالہا
خطوتینے بود این رہ تا وصال	ماندہ ام در رہ و شستت شصت سال
راہ نزدیک و بماندم سخت دیر،	سیر گشتم زین سواری سیر سیر
سرنگون خود را از اشتر در فگند،	گفت سوزیدم ز غم تا چند چند،
تنگ شد بر وے بیابان فراخ	خویشتن افگند اندر سنگلاخ
آنچنان افگند خود را سخت زیر	کہ مخلخل گشت جسم آن دلیر
چون چنان افگند خود را سوئے پست	از قضا آن لحظہ پایش ہم شکست
پائے را بربست و گفتا گو شوم	در خم چوگانش غلطان می روم
زین کند نفرین حکیم خوش دہن،	بر سوارے کو فرو ناید ز تن
عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود	گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود
گوئے شو میگرد بر پہلوئے صدق	غلط غلطان در خم چوگان عشق
کاین سفر زین پس بود جذب خدا	وان سفر بر ناقہ باشد سیر ما
اینچنین سیریست مستثنیٰ ز جنس	کان فزود از اجتہاد جن و انس

انچنیں جذبیست نے ہر جذب عام	کہ نہادش فضل احمد والسلام
قصہ کوتہ کن برائے آں غلام	کہ سوئے شہ برنبشت است او پیام

مجنوں اونٹنی کی کشمکش کا واقعہ یہ ہے کہ مجنون ناقہ پر سوار ہو کر لیلٰے کے پاس جا رہا تھا اور اونٹنی نئی بیائی ہوئی تھی۔ پس مجنون تو لیلی کی طرف جانا چاہتا تھا اور اونٹنی اپنے بچہ کی طرف جانا چاہتی تھی۔ پس اگر ذرا سی دیر کے لئے بھی مجنوں اسکی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لیتا تھا۔ تو اونٹنی فوراً گھوم جاتی اور پیچھے لوٹ جاتی تھی۔ غفلت کی وجہ یہ تھی کہ مجنون کے رگ و پئے میں لیلی کا عشق اور اسکی محبت کا جنون سمایا ہوا تھا۔ اسلئے یہ ناممکن تھا کہ وہ اسکی طرف سے توجہ نہ ہٹائے کیونکہ نگرانی کرنے والی عقل ہے اور عقل کو لیلی کی محبت کا جنون کھو چکا تھا۔ تو نگرانی کیسے ہو سکتی تھی۔ لہذا غفلت لازم تھی مجنون کی تو یہ حالت تھی مگر ناقہ کی حالت اسلئے خلاف تھی کیونکہ وہ نہایت چوکنی اور مستعد تھی اسلئے جب وہ اپنی مہار کو سست پاتی تو سمجھ جاتی۔ کہ وہ غافل اور بیخبر ہو گیا ہے پس وہ فوراً مڑتی اور اپنے بچہ کی طرف رخ کرتی تھی۔ جب مجنون کو ہوش آتا تھا تو دیکھتا تھا کہ اونٹنی اس مقام سے جہاں وہ پہونچ چکی تھی کوسوں پیچھے نکل گئی ہے غرض کہ ان باتوں کے سبب تین روز کے رستہ میں مجنون کو برس ہو گئے۔ پس اس نے مجبور ہو کر کہا کہ اے ناقہ میں لیلی پر عاشق ہوں اور تو اپنے بچہ پر اسلئے ہم دونوں میں تضاد ہے۔ اور ہم دونوں اس قابل نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کیساتھ رہیں اور چونکہ تیری محبت اور اطاعت میرے موافق نہیں ہے اسلئے تجھ سے جدائی لازم ہے۔ اب مولانا اس قصہ کو یہاں چھوڑتے ہیں اور انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجنوں اور اسکے ناقہ کی طرح جسم اور جان بھی دو بے جوڑ سا تھی اور ایک دوسرے کے لئے راہزن ہیں۔ اس لئے وہ جان گشتہ تیہ ضلالت ہوتی ہے جو ناقۂ تن سے اتر جائے اور جسم کو نہ چھوڑ دے۔ (جسم سے مراد بدن نہیں بلکہ نفس ہے) ان دونوں کے بے جوڑ اور ایک دوسرے کیلئے راہزن ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جان تو عالم بالا کی مفارقت میں مر رہی ہے۔ اور جسم کانٹوں کے درخت یعنی دنیا کی محبت میں اونٹنی کی طرح اسکا مزاحم ہے اور جان تو عالم علوی کی طرف پرواز کرنا چاہتی ہے اور جسم عالم ناسوت میں پنجے گڑوئے ہوئے ہے اور اسے چھوڑنا ہی نہیں چاہتا۔ اس مضمون کو ختم کرکے مولانا پھر قصہ

مجنوں کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجنوں نے فاقہ سے کہا کہ اے عاشق وطن اونٹنی جب تک تو میری ساتھ رہیگی اسوقت تک میری جان لیلےٰ سے دور رہیگی - تیری اس قسم کی حرکتوں سے میرا وقت برباد ہو گیا - اور میری اور اس دشت کی وہ حالت ہوئی جو وادی تیہ اور قوم موسیٰ کی برسوں رہی تھی چنانچہ یہ رستہ وصال تک صرف دو قدم تھا مگر میں اس راہ اور تیرے پھندے میں برسوں سے پھنسا ہوا ہوں رستہ نزدیک ہے مگر مجھے بہت دیر ہو گئی بس میرا تو ایسی سواری سے جی بھر گیا - اور مجھے اسکی ضرورت نہیں - یہ کہکر اس نے اپنے کو اونٹنی پر سے اوندھے منہ گرا دیا - اور کہا کہ میں تو غم سے جل گیا آخر کوئی حد بھی ہو کہاں تک چلوں غرض کہ اسپر وہ کشادہ بیابان تنگ ہو گیا - اور اس نے اپنے کو اس پتھریلی زمین پھینکدیا - اور اس سختی سے پٹکا کہ اس کا جسم پارہ پارہ ہو گیا جبکہ اس نے اپنے کو اس سختی کے ساتھ نیچے گرایا تو تقدیر الہٰی سے اسکا پاؤں بھی ٹوٹ گیا - مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے پاؤں کو باندھا اور کہا کہ میں اسکے چوگاں کیلئے گیند ہو جاؤنگا - اور لڑھکتا ہوا جاؤنگا غرض وہانتک ضرور پہونچونگا - اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں شیخ سنائی اسی لئے اس سوار کو ملامت کرتے ہیں جو جسم سے نیچے نہیں اترتا یعنی خواہشات نفسانیہ کو نہیں چھوڑتا - کیونکہ جب مجنوں کی عشق لیلیٰ میں یہ حالت ہے کہ اس نے اونٹنی کو مانع وصال سمجھکر چھوڑ دیا اور اس تک وصول کیلئے اپنی مقدور بھر سعی کی - تو عشق حق سبحانہٗ عشق لیلیٰ سے کم نہیں کہ اسکے لئے سواری جسم کو نہ چھوڑا جاوے - بلکہ یہ تو اس سے بدرجہا بڑھکر ہے - لہٰذا اس کیلئے گیند بنجانا اس سے کہیں اولیٰ ہے پس تمکو چاہئے کہ گیند بنجاؤ اور چوگان عشق حق سے پہلو کے صدق پر لڑھکتے ہوئے اسکی طرف چلو اسلئے کہ ناقہ تن پر سوار ہو کر سعی خود ہماری رفتار ہے اور اس سواری سے اترکر اور ہوائے نفسانی سے قطع تعلق کر کے چلنا جذب خداوندی ہے اور ایسی رفتار جنس رفتار سے بالکل جداگانہ ہے - کیونکہ یہ کوشش و سعی انسان و جن سے بالاتر ہے (حاصل یہ کہ اس اعلیٰ سیر کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے - کیونکہ یہ عجیب رفتار ہے اور انسان وغیرہ کی اختیاری سیر سے اسے کوئی نسبت نہیں - گو یہ سیر فی نفسہٖ اختیاری نہیں مگر اسکے مبادی اختیاری ہیں لہٰذا انکو اختیار کرنا چاہئے) اور ایسی سیر اثر ہے حق سبحانہٗ کے جذبۂ خاص کا اور اس جذب عام کے مماثل نہیں ہے - جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت نے عام لوگوں کیلئے قایم کیا

مراد اس سے شریعت ہے جسکا تعلق افعال اختیاریہ سے ہے اور چونکہ افعال اختیاریہ کا صدور بھی بتوفیق الٰہی ہی ہے اسلئے اسکو بھی جذب کہا ہے۔ مگر یہ جذب عام ہے کیونکہ اسکا تعلق خواص اور عوام دونوں سے ہے۔ برخلاف اس جذب خاص کے جسکا تعلق صرف خواص سے ہے۔ اچھا اب اس غلام کی خاطر اس قصہ کو مختصر کرو کیونکہ اس نے بادشاہ کی حضور میں عرضی لکھی ہے جسکی تفصیل حسب ذیل ہے

شرح شبیری

عقل کا نفس سے جھگڑنا جیسے کہ مجنون اونٹنی سے جھگڑ رہا تھا کہ مجنون کا میلان تو حرہ (لیلیٰ) کی طرف تھا اور اونٹنی کا میلان اپنے کُرہ (بچھیرے) کی طرف تھا جیسا کہ مجنون نے کہا ہے کہ ھَوائے

نَاقَتِی خَلْفِی وَقُدَّامِی الْھَوٰی ✦ فَاِنِّی وَاِیَّاھَا لَمُخْتَلِفَانِ

ہمچو مجنوں در تنازع با شتر ✦ گہ شتر چربید و گہ مجنون حُر

یعنی جیسے کہ مجنوں اونٹ سے جھگڑے میں تھا کہ کبھی اونٹ غالب آجاتا تھا اور کبھی مجنون آزاد

ہمچو مجنون اند و چون ناقہ اش یقیں ✦ می کشد آں پیش و ایں واپس بکیں

یعنی یہ لوگ یقیناً مجنون اور اسکی ناقہ کی طرح ہیں کہ وہ (مجنون) تو آگے کو کھینچ رہا ہے اور یہ (ناقہ) کینہ سے پیچھے کو۔ مطلب یہ کہ ان اصحاب ہیں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے مجنون اور ناقہ کی کہ میاں مجنون ناقہ پر سوار ہوکر دیدار لیلے کیلئے چلے۔ اور ناقہ کا بچہ گھر چھوڑتے چلے۔ اور خود تھے مدہوش جب تک ہوش رہا اسوقت تک تو اسے دیار محبوب کی طرف کو ہانکتے رہے اور جب ذرا بیہوشی طاری ہوئی اور مہار ڈھیلی ہوئی ناقہ سمجھ گئی کہ اب غافل ہیں وہ اپنے بچہ کی طرف چلدیتی پھر انکو ہوش آتا یہ پھر پھیرتے اور آگے کو چلاتے۔ مگر پھر غافل پاکر وہ بچہ کی طرف کو چلدیتی تو اسیطرح یہ حضرات ہیں کہ انکا روحانی میلان تو عالم بالا کی طرف ہے اور نفسانی میلان دنیا کی طرف

ط یعنی میری اونٹنی کا [illegible] اور [illegible] دونوں [illegible] میں مختلف ہیں ۱۲ منہ

لہٰذا وہ ادہر کھینچتا ہے اور روح اُدہر بلاتی ہے تو یہ بیچارے اسی کشمکش میں رہتے ہیں اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس مصیبت میں انکو فائدہ ہی کیا ہے ان سے وہ اصحاب شمہ ہی اچھے کہ چین سے تو ہیں۔ مگر خوب سمجھ لو کہ انکو جیسی مصیبت ہے ویسا ہی انکا اجر بھی تو دوہرا ہے ایک تو نیک کام کا دوسرا اس مصیبت اور خلاف نفس کرنیکا۔ آگے مجنون کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

میل مجنون پیش آن لیلیٰ رواں ‌ ‌ ‌ میل ناقہ پس پئے کرہ اش دواں

یعنی مجنوں کا میلان تو آگے کو لیلیٰ کی طرف کو رواںہ تھا اور ناقہ کا میلان پیچھے کو اپنے بچھیری کی طرف دوڑ رہا تھا۔

یکدم از مجنون ز خود غافل بدے ‌ ‌ ‌ ناقہ گردیدے و واپس آمدے

یعنی مجنون اگر ایک دم کیلئے بیخود ہو جاتا تو ناقہ لوٹکر واپس آجاتی۔

عشق و سودا چونکہ پر بودش بدن ‌ ‌ ‌ می نبودش چارہ از بیخود شدن

یعنی عشق اور سودا جب اُسکا بدن اُچک رہے تھے تو اُسکو بیخود ہونے سے چارہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ بوجہ عشق و سودا کے جب وہ بیخود ہو جاتا اور ناقہ کو ہانکنے سے غافل ہو جاتا تو ناقہ صاحب واپس گھر کو چل دیتیں۔

آنکہ او باشد مراقب عقل بود ‌ ‌ ‌ عقل را سودائے لیلیٰ در ربود

یعنی جو کہ نگہداشت کرنیوالی تھی وہ تو عقل تھی اور عقل کو لیلیٰ کا خیال بیجاتا تھا۔

لیک ناقہ بس مراقب بود و چست ‌ ‌ ‌ چوں بدیدے او مہار خویش سست

یعنی لیکن ناقہ بھی بہت ہوشیار اور چست تھی تو جب وہ اپنی مہار کو ڈہیلی دیکھتی۔

فہم کردے زو کہ غافل گشت و دنگ ‌ ‌ ‌ رو سپس کردے بکرہ بید رنگ

یعنی جلدی سے سمجھ جاتی کہ غافل اور ہو گیا ہے تو جلدی سے پیچھے کو بچہ کی طرف مُنہ کر لیتی۔ مطلب یہ کہ مجنون کو جو ہوشیار رکھتی تھی اور ناقہ کو جو ہنکاتی تھی وہ عقل تھی مگر جب عقل کو سودائے عشق بیجاتا اور یہ بیہوش رہجاتا تو ناقہ کی مہار ڈھیلی ہو جاتی وہ ایسی ہوشیار تھی کہ جہاں مہار ڈھیلی ہوئی اور سمجھی کہ اب یہ غافل ہے بس فوراً پیچھے کو منہ کیا اور اپنے بچہ کے پاس جا پہونچی۔

چوں بخود باز آمدے دیدے ز جا ‌ ‌ ‌ کو سپس رفتہ است بس فرسنگہا

یعنی جب مجنوں ہوش میں آتا تو دیکھتا کہ ناقہ تو راستہ سے کوسوں پیچھے چلی گئی۔

در سہ روزہ رہ بدین احوالہا ماند مجنوں در تردد سالہا

یعنی تین دن کی راہ میں اس طرح لوٹا پھیری میں مجنوں کئی برس تک رہا۔ مطلب یہ کہ اسطرح ہوتا رہا کہ مجنوں ناقہ کو آگے لیجاتا اور وہ پیچھے لوٹ جاتی تو مجنوں اور لیلیٰ کے مکان میں تین دن کا فاصلہ تھا۔ مگر اس لوٹا پھیری میں ایک مدت ہوگئی۔ اور دیار حبیب تک پہونچنا نصیب نہوا۔

گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم ما دو ضد پس ہمرہ نالائقیم

یعنی مجنوں نے کہا کہ اے ناقہ جب ہم دونوں عاشق ہیں تو ہم دو ضد کا نامناسب ہمراہ ہے مطلب یہ کہ مجنوں نے ناقہ سے کہا کہ اری ناقہ تو بھی ایک شئے پر عاشق ہے اور میں بھی عاشق ہوں تیرا معشوق پیچھے اور میرا آگے تو ہم دونوں آپہمیں ضدین ہوئے تو ہمارا ساتھ رہنا بالکل نامناسب ہے۔ ہمارا ساتھ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ۔

نیستت بر وفق من مہر و مہار کرد باید از تو عزلت اختیار

یعنی تجھکو میرے موافق محبت اور مہار نہیں ہے تو تجھسے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے مطلب یہ کہ مجنوں نے کہا کہ اے ناقہ تیرا عشق میرے موافق نہیں ہے اور نہ تیری مہار میری موافق ہے کیونکہ تو چاہتی ہے کہ تیری مہار پیچھے کو رہے اور میں چاہتا ہوں کہ آگے کو رہے تو معلوم ہوا کہ میرا تیرا ساتھ نبھے گا لہذا اب تجھسے علیحدہ ہوکر اپنے محبوب کو تلاش کرنا چاہئے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این دو ہمرہ یکدگر را راہزن گمرہ آنجان کو فرو ناید ز تن

یعنی یہ دونوں ہمراہ (بھی) ایک دوسرے کے لئے راہزن ہیں اور وہ جان گمراہ ہے جو بدن سے نیچے نہ آوے۔

جان ز ہجر عرش اندر فاقہ تن ز عشق خاربن چون ناقہ

یعنی روح تو عرش کے ہجر کی وجہ سے فاقہ میں ہے۔ اور بدن کانٹوں کے درخت کے عشق میں ناقہ کی طرح ہے۔

جان کشاید سوے بالا بالہا در زدہ تن در زمین چنگالہا

یعنی جان تو عالم بالا کی طرف پروں کو کھول رہی ہے اور بدن نے زمین میں پنجے گاڑ رکھے ہیں مطلب

یہ ہے کہ روح تو بوجہ عشق عالم بالا کے مجنون کی طرح ہے اور تن بوجہ عشق عالم ناسوت کے ناقہ کی طرح ہے تو یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہو کر رہزنی کر رہے ہیں کہ نہ تو بدن ہی کے مقتضیات پوری طرح حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ روح کے۔ تو وہ روح ہمیشہ گمراہ رہیگی۔ اور مقصود تک نہ پہونچ سکے گی جہاں بدن سے اُتر نہ آوے اور اس سے اترنا یہی ہے کہ اسکے مقتضیات پر عمل نہ کیا جاوے۔ کیونکہ اگر اسکی مانی گئی تو روح تو عالم بالا کی طرف جانا چاہے گی اور یہ اس دنیا ہی میں رہنا چاہے گا۔ پھر بھلا دونو میل کس طرح ہو سکتا ہے۔ دونوں کے دونوں رستہ ہی میں رہیں گے۔ لہذا مقتضیات تن کو ترک کر کے مقتضیات روح کو پورا کرو۔ تو کام چلے آگے پھر قصہ مجنوں ہے۔ مجنون ناقہ سے کہتا ہے کہ۔

تا تو باشی با من اے مردہ وطن　　بس ز لیلیٰ دور ماند جان من

یعنی اے مردہ وطن تو جب تک میری ساتھ رہیگی میری جان لیلیٰ سے دور ہی رہے گی۔

روزگارم رفت زینگون حالہا　　ہمچو تیہ و قوم موسیٰ سالہا

یعنی میرا زمانہ اسی حال میں گذر گیا جیسے کہ تیہ اور قوم موسیٰ برسوں کا مطلب یہ کہ اے ناقہ تو جب تک میری ساتھ ہے مجھکو دیدار لیلیٰ نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح کہ وادی تیہ میں قوم موسیٰ علیہ السلام برسوں سرگشتہ پھری تھی اسی طرح میرا بھی بہت سا وقت اسی جنگل میں پھرتے ہوئے گذر گیا۔

خطوتینے بود این رہ تا وصال　　ماندہ ام در رہ ز شست شصت سال

یعنی وصال تک یہ راستہ چند قدم کا تھا اور میں تیرے جال کی وجہ سے ساٹھ برس تک راہ ہی میں رہ گیا ہوں۔ مطلب یہ کہ تیرے اس جال میں پھنسکر وہ راستہ جو کہ بہت ہی ذرا سا تھا اب تک قطع نہیں ہوا ہے۔ اور ایک مدت اسی میں گذر گئی۔

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر　　سیر گشتم زین سواری سیر سیر

یعنی راستہ نزدیک ہی تھا اور میں بہت زیادہ مدت تک اسمیں رہگیا ہوں تو میں اس سواری سے سیر ہو گیا سیر۔ مطلب یہ کہ اگر یہ سواری نہوتی تو اب تک وصل محبوب ہو بھی جاتا۔ اس کمبخت سواری ہی کی بدولت مجھے اسقدر عرصہ لگا ہے۔ لہذا میں ایسی سواری ہی سے باز آیا مجھے ضرورت نہیں۔ بس اتنا کہا اور۔

سرنگون خود را ز اشتر در فگند　　گفت سوزیدم ز غم تا چند چند

یعنی اپنے کو اونٹ سے منہ کے بل ڈالدیا۔ اور بولا کہ میں غم سے جلگیا (اب) کبتک (اسی طرح رہوں)

تنگ شد بروئے بیابان فراخ خویشتن افگند اندر سنگلاخ

یعنی اسپر بیابان فراخ تنگ ہوگیا اور اس نے اپنے کو پتھریلی زمین میں پھینکدیا۔ مطلب یہ کہ جلدی کی وجہ سے اس نے اس فراخ جنگل کو بھی اپنے لئے تنگ سمجھا کہیں ایسی جگہ جاکر اترتا جہاں چوٹ نہ آتی بلکہ اس نے پتھریلی زمین میں اپنے کو گرادیا۔

آنچناں افگند خود را سخت زیر کہ مخلخل گشت جسم آں دلیر

یعنی اس نے اپنے کو اس زور سے نیچے گرایا کہ اس دلیر کا جسم مخلخل ہوگیا یعنی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ کھال میں ایسی ہوگئیں جیسے کہ خالی تھیلے میں کوئی شئے بھر دیجاوے اور وہ شئے ہلا کرتی ہے غرضکہ بے سوچے سمجھے گرہی پڑا جس سے چوٹ بیحد آئی۔

اینچناں افگند خود را سوئے پست از قضا آں لحظہ پایش ہم شکست

یعنی اس نے اس طرح اپنے کو نیچے کی طرف گرایا کہ قضائے الہی سے اسوقت اسکا پانوں بھی ٹوٹ گیا (مگر اس نے ہمت نہیں ہاری بلکہ)۔

پائے را بر بست و گفتا گو شوم در خم چوگانش غلطاں می روم

یعنی اس نے پاؤں کو باندھا اور بولا کہ میں گیند ہوتا ہوں اور اسکے بلے کے خم میں لڑھکر جاؤں گا۔ یعنی اسکی محبت میں لڑھکتا ہوا جاؤنگا غرضکہ جسطرح ہوسکے گا پہونچونگا۔ اب آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ

زیں کند نفریں حکیم خوش دہن بر سوارے کو فرو ناید ز تن

یعنی ایسی وجہ سے حکیم خوش دہن اس سوار پر نفریں کرتے ہیں جو بدن سے نیچے نہ اترے (حکیم خوش دہن سے مراد حکیم ثنائی ہیں)

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

یعنی مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے۔ (بلکہ) اسکے لئے گیند ہوجانا تو زیادہ مناسب ہوتا ہے

گوئے شو می گرد بر پہلوئے صدق غلط غلطاں در خم چوگان عشق

یعنی گیند ہوجا اور پہلوئے صدق پر چوگان عشق کے بلے کے خم میں لڑھکتا رہ۔

کایں سفر زیں پس بود جذب خدا — واں سفر بر ناقہ باشد سیر ما

یعنی کہ یہ سفر ہے اور اسکے بعد حق تعالیٰ کا جذب ہوگا اور وہ سفر ہمارا ناقہ پر چلنا ہے۔

ایں چنیں سیریست مستثنے از جنس — کاں فرود از اجتہاد جن و انس

یعنی ایسی چال جنس کی چال سے مستثنے ہے کہ وہ جن و انس کی کوشش سے بڑھ گئی۔

ایں چنیں جذبے است نے ہر جذب عام — کہ نہادش فضل احمد و السلام

یعنی ایسا جذب ہے نہ کہ ہر جذب عام کہ اسکو فضل احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے۔ والسلام مطلب یہ کہ چونکہ عشاق کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ہمت نہیں ہارتے اور محبوب کے وصل میں جسطرح ہو سکتا ہے کوشش کرتے ہیں۔ اور موانع کو مرتفع فرماتے ہیں اسی لئے حضرت حکیم سنائی نے فرمایا کہ عاشق حق ہو کر اگر کوئی مقتضیات تن کو ترک نکرے اور اس مانع کو دفع کرکے مجنوں کیطرح ہمت نکرے۔ تو سزاوار ملامت ہے اسلئے کہ عشق مولیٰ کم تو نہیں بلکہ زائد ہی ہے پھر اسکے عشق میں تو وہ ہمت نہ ہارے اور عشق حق میں عاشق حق ہمت ہار دے حیف صد حیف ہرگز ہمت نہ ہارو بلکہ چلتے رہو۔ تو اسطرح ایک دن ادھر سے جذب ہو جاویگا۔ اور تمھارا کام بنجاویگا۔ اور پھر جو سیر الی اللہ تمکو حاصل ہوگی وہ وہ سیر ہوگی جو تمھارے اور ظاہری ہمجنسوں کی چال کی طرح نہوگی بلکہ وہ وہ سیر ہوگی جسکو فضل سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ایسی ہوگی کہ اگر تمام جن و انس ملکر بھی کوشش کریں تو اسکو حاصل نہیں کر سکتے لہذا ان موانع کو مرتفع کرکے کام میں لگنا چاہئے تاکہ ادھر سے جذب ہو اور دیدار حبیب میسر ہو جاوے۔ آگے اس غلام کے قصہ کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

قصہ کوتہ کن برائے آں غلام — کہ سوئے شہ بر نبشت است او پیام

یعنی (اس) قصہ کو اس غلام کی خاطر مختصر کردو۔ کہ اس نے بادشاہ کو پیام لکھا ہے یعنی اس بیان کو ختم کرکے اس غلام کا قصہ بیان کرو اس نے ایک رقعہ بادشاہ کو لکھا ہے ذرا اسکا بیان کرو کہ اس نے اسمیں کیا لکھا ہے آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

غلام کا وظیفہ کی کمی کی شکایت بادشاہ کو لکھنے کا قصہ

رقعۂ پر چنگ و پر ہستی و کیں / می فرستد پیش شاہ نازنیں

کالبد نامہ است اندر وے نگر / ہست لائق شاہ را آنگہ ببر

گوشۂ رو نامہ را بکشا بخواں / بیں کہ حرفش ہست در خورد شہاں

گر نباشد در خور آنرا پارہ کن / نامۂ دیگر نویس و چارہ کن

لیک فتح نامۂ تن زب مداں / ورنہ ہر کس سرِ دل دیدے عیاں

نامہ بکشادن چہ دشوارست و صعب / کارِ مرداں ست نے طفلاں لعب

جملہ بر فہرست قانع گشتہ ایم / زانکہ در حرص و ہوا آغشتہ ایم

باشد آں فہرست دامے عامہ را / تا چناں دانند متن نامہ را

باز کن سرنامہ را گردن متاب / زیں سخن واللہ اعلم بالصواب

ہست آں عنواں چو اقرار زباں / متن نامۂ سینہ را کن امتحاں

کہ موافق ہست با اقرار تو / تا منافق وار نبود کار تو

چوں جوالے بس گرانے می بری / زاں نباید کم کہ در وے بنگری

کہ چہ داری در جوال از تلخ و خوش / گر ہمی ارزد کشیدن را بکش

ورنہ خالی کن جوالت راز سنگ / باز خر خود را ازیں بیگار و ننگ

در جوال آں کن کہ می باید کشید / سوئے سلطاناں و شاہاں رشید

زشت نبود کایں جوال پر ز ریگ / می کشی و باشد آں ہم مردہ ریگ

چوں نمی تانی کہ پر لعلش کنی / ہم تہی بہتر کہ ہم جنس تہی

اب وہ ایک درخواست بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا ہے جو مخالفت اور خود بینی او رضدا وست

سے یہ ہے یہانتک بیان فرماکر اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح وہ غلام بادشاہ کی حضور میں رقعہ بھیجتا ہے یوں ہی تم بھی شہنشاہ حقیقی کے حضور میں ایک رقعہ لیجا رہے ہو اور وہ رقعہ قلب ہے۔ پس اول تم کو دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ اس شہنشاہ کے حضور میں پیش کرنیکے قابل بھی ہے یا نہیں اسکے بعد لیجانا چاہیئے۔ پس تم گوشۂ خلوت میں جاؤ۔ اور اس رقعہ کو پڑھو اور دیکھو کہ اسکے الفاظ بادشاہوں کے مناسب ہیں یا نہیں یعنی اپنے دل کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ اسکے صفات اس قابل ہیں کہ وہ مقبول و پسندیدۂ حق سبحانہ ہوں یا نہیں۔ پس اگر وہ بادشاہوں کے حضور میں پیش کرنیکے قابل نہو تو اسے چاک کر دو اور دوسرا رقعہ لکھو۔ یعنی اگر اسمیں صفات ذمیمہ ہوں تو انہیں فنا کرو۔ اور صفات حمیدہ پیدا کرو۔ لیکن واضح رہے کہ اس خط کو کھولنا اور اسکے مضمون پر مطلع ہونا آسان کام نہیں ہے یعنی قلب کی حالت کو کماہی جان لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ ورنہ ہر شخص اسرار قلب کو معلوم کر لیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اسکا کھولنا اور اسکے مضمون و اسرار پر مطلع ہونا نہایت مشکل اور کٹھن ہے۔ اور اہل اللہ کا کام ہے جو دیدۂ بصیرت رکھتے ہیں کھیلنے والے بچوں کا کام نہیں کیونکہ صفات ذمیمہ اور حمیدہ میں بہت سے التباسات ہوتے ہیں جن کے سبب ناواقف لوگ دہوکہ کھا جاتے ہیں۔ اور صفات ذمیمہ کو حمیدہ سمجھ جاتے ہیں۔ پس اسکے لئے ضرورت ہے ایک ماہر فن شیخ کی جو اسکی حالت تمکو بتلائے عام لوگونکی تو یہ حالت ہے کہ وہ فہرست یعنی اعمال ظاہرہ پر قانع ہیں کیونکہ وہ حرص و ہوا میں گرفتار ہیں جو مانع ہے اصلاح قلب سے اور یہ فہرست اعمال ظاہری ان کیلئے پھندا ہو گئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ حالت قلب سے بالکل ناواقف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا دل بھی ایسا ہی ہے جیسے ہمارے افعال جب یہ حالت ہے تو ضرور اس خط کو کھولنا چاہیئے اور اس بات سے اعراض نکرنا چاہیئے۔ اور اس کھولنے کا طریق وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا یعنی شیخ کے سامنے پیش کرنا تاکہ وہ پڑھکر بتلائے ورنہ تم خود نہیں کھولکر پڑھ سکتے۔ یاد رکھو کہ اقرار زبان وغیرہ اصل مقصود نہیں ہیں بلکہ یہ تو اس مقصود کی فہرست اور عنوان ہیں اسلئے مقصود کو معلوم کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ حالت قلبیہ اقرار زبانی وغیرہ کے موافق ہے یا نہیں تاکہ تمھارا معاملہ منافقین کا سا نہو اور تم یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم کا مصداق نہ بنو۔ اب ہم اسی مضمون کو دوسرے

عنوان سے بیان کرتے ہیں تاکہ خوب ذہن نشین ہو جاوے۔ اچھا سنو تمہارا دل ایک گون ہے جسکو تم شہنشاہ کی حضور میں ہدیہ لیجا رہے ہو اب جبکہ تم یہ بھاری گون بادشاہ کی حضور میں لیجا رہے ہو تو اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہیئے کہ تم اسے دیکھلو کہ اس گون میں کیا چیز ہے۔ آیا کڑوی اور ناپسندیدہ ہے یا خوش مزہ اور پسندیدہ پھر اگر لیجانے کے قابل ہو تو لیجاؤ ورنہ اپنی گون کو ان نکمے اینٹ پتھروں سے خالی کرو اور اپنے کو اس بیگار اور شرمناک حرکت سے بچاؤ اور بجائے اسکے گون میں وہ شے بھرو جسکو بادشاہ ہونکے پاس لیجانا مناسب ہے۔ تم خیال کرو کیا یہ بری بات نہیں ہے کہ تم اس ریت بھری گون کو بادشاہ کے حضور میں لیجا رہے ہو اور ریت بھی کیسا کہ نہایت بے وقعت ضرور بُری بات ہے۔ پس تم ایسا ہرگز نکرو خلاصہ یہ کہ تمہارا دل ایک گون ہے جسکو تم حق سبحانہ کے پاس ہدیہ لیجا رہے ہو اور اسکے صفات وہ اسباب ہیں جو اسمیں بھرا ہوا ہے پس تم کو دیکھنا چاہیئے کہ اسمیں صفات حمیدہ ہیں یا ذمیمہ۔ اگر حمیدہ ہوں تو بہتر ہے اور اگر ذمیمہ ہیں تو انکا لیجانا ہرگز مناسب نہیں پس انکو دور کرنا چاہیئے اور انکے بجائے عمدہ صفات پیدا کرنا چاہئیں۔ اچھا اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکو عمدہ صفات سے پُر کرو جو بمنزلہ لعل کے ہیں تو خالی ہی رکھو کیونکہ اسکے ان صفات رذیلہ سے پُر ہونے سے جو کہ از قسم صفات جسمانیہ ہوں یہ بہتر ہے کہ وہ بالکل خالی ہو کہ نہ اسمیں صفات حمیدہ ہوں نہ ذمیمہ۔

(ف اس تقریر پر تینی میں پائے نسبت ہے اور موصوف اسکا صفات ہے)۔

شرح شبیری

غلام کا وظیفہ کی کمی کی شکایت بادشاہ کو لکھنے کا قصہ

رقعہ پر جنگ و پر ہستی و کیں ۔۔۔ می فرستد پیش شاہ نازنیں

یعنی ایک رقعہ لڑائی اور دعوی اور کینہ سے بھرا ہوا (وہ غلام) بادشاہ نازنین کے پاس بھیجتا ہے مطلب یہ کہ اس غلام نے ایک رقعہ جو کہ بہت ہی کینہ اور شکوہ و شکایت سے بھرا ہوا تھا بادشاہ کے پاس بھیجا۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

کالبد نامہ است اندروے نگر ۔ ہست لائق شاہ را آنگہ ببر

یعنی جسم ایک خط ہے اسکے اندر دیکھ لے کہ بادشاہ کے لائق (بھی) ہے؟ پھر لیجانا جسم سے مراد اخلاق جسمانی مطلب یہ کہ تمھارے جو یہ اخلاق جسمانی ہیں یہ بھی ایک خط کے مشابہ ہیں اور تم انکو شاہ شاہاں کے آگے پیش کرنیکے لئے لیجارہے ہو۔ تو پہلے دیکھ لو کہ آیا بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کی قابل بھی ہیں یا نہیں۔ اگر قابل ہوں تو لیجاؤ ورنہ کیوں شرمندگی اٹھاتے ہو آگے اس نامہ کے دیکھنے کا اور امتحان کرنے کا طریق بیان فرماتے ہیں کہ

گوشۂ رو نامہ را بکشا بخواں ۔ بیں کہ حرفش ہست در خورد شہاں

یعنی ایک کونہ میں جا اور نامہ کو کھولکر پڑھ اور دیکھ کہ اسکے الفاظ بادشاہوں کے لائق ہیں؟ مطلب یہ کہ خط اچھی طرح جب سمجھ میں آیا کرتا ہے کہ جب اسکو علیحدگی میں بیٹھکر اسکو غور سے دیکھا جاوے اسی طرح تم اس نامۂ اخلاق جسمانی کو علیحدگی میں یعنی خلوت میں جاکر دیکھو اور انکے اندر غور کرو۔ اور دیکھو کہ یہ اس شاہنشاہ کی خدمتمیں پیش کرنے کی قابل ہیں یا نہیں۔

گر نباشد در خور آنرا پارہ کن ۔ نامۂ دیگر نویس و چارہ کن،

یعنی اگر لائق نہو تو اسکو پھاڑ ڈال اور دوسرا خط لکھ اور علاج کر۔ مطلب یہ کہ اگر تمھارے اخلاق اس قابل نہوں اور وہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہونے کے قابل نہوں تو انکو زائل کرو اور انکی جگہ اخلاق حمیدہ پیدا کرو۔ اور پھر ان اخلاق حمیدہ کو لیکر جاؤ۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

لیک فتح نامۂ تن زپ مداں ۔ ورنہ ہر کس سر دل دیدے عیاں

یعنی لیکن نامۂ تن کا کھولنا آسان مت جانو ورنہ ہر شخص دل کا بھید ظاہر طور پر دیکھ لیا کرتا۔

نامہ بکشادن چہ دشوار ست و صعب ۔ کار مردان است نے طفلان لعب

یعنی خط کو کھولنا کتنا ہی (یعنی بہت زیادہ) دشوار اور سخت ہے (یہ) کام مردوں کا ہے نہ کہ کھیل لڑکوں کا۔ مطلب یہ کہ اس نامۂ اخلاق کو دیکھنا اور اسکا امتحان کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے بہت دشوار کام ہے ورنہ اگر آسان ہوتا تو ہر شخص اپنی حالت باطنی کو دیکھ لیا کرتا مگر یہ تو بڑے مردان کار کا کام ہے کوئی لڑکوں کا کھیل نہیں ہے لہذا چاہیئے کہ جب اسکی ضرورت پڑے اور اخلاق کو امتحان کرو تو کسی شیخ مبصر سے مشورہ کرو اور اس سے پوچھکر کام کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

جملہ بر فہرست قانع گشتہ ایم　　زانکہ در حرص و ہوا آغشتہ ایم

یعنی ہم سب کے سب فہرست پر قانع ہوگئے ہیں اسلیئے کہ حرص و ہوا میں ملے ہوئے ہیں (فہرست سے مراد اعمال ظاہرہ ہیں کہ جسطرح فہرست مضامین کتاب کی ایک مجمل اطلاع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اعمال ظاہرہ سے کچھ تھوڑی سی خبر اخلاق کی ہو جاتی ہے باقی جو امور کہ پوشیدہ ہیں اور جو انکی حقیقت ہے اسکی اطلاع نہیں ہوتی) مطلب یہ کہ ہم لوگ اعمال ظاہرہ پر قانع ہوگئے ہیں اور انکی حقیقت پر نظر نہیں کرتے اسی لیئے ہمکو اپنے اعمال کی اور اخلاق کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ وہ اعمال بظاہر بہت عمدہ ہیں مگر جب انکی اصلیت اور حقیقت پر نظر کیجاتی ہے تب حقیقت کھلتی ہے اور اعمال ظاہرہ پر قناعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم لوگ حرص و ہوا میں لگے ہوئے ہیں اسلیئے ہمکو حقیقت کی خبر نہیں ہوتی۔

باشد آں فہرست دامے عامہ را　　تا چناں دانند متن نامہ را

یعنی وہ فہرست عوام کیلئے ایک جال ہوتی ہے یہانتک کہ وہ خط کے متن کو اسی طرح جانتے ہیں مطلب یہ کہ فہرست میں جو سرنامہ اور سرخیاں عمدہ عمدہ لکھ رکھی ہیں اس سے عوام کو دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت عمدہ ہے مگر مضمون کو جب دیکھا جاوے تو حقیقت کھلتی ہے۔ اسی طرح ظاہر اعمال تو بہت ہی عمدہ ہیں نماز بھی ہے روزہ بھی ہے تمام باتیں ہیں۔ لیکن جب حقیقت میں نظر کی تو کسی میں ریا ہے اور کسی میں عجب و کبر ہے۔ مگر عوام دھوکہ میں آجاتے ہیں اور وہ ظاہر اعمال ہی کو دیکھکر معتقد ہو جاتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

باز کن سرنامہ را گردن متاب　　زیں سخن واللہ اعلم بالصواب

یعنی سرنامہ کو پڑھو اور اس بات سے گردن تابی مت کرو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ اپنے اخلاق کا امتحان پیش کرنے سے قبل کرلو۔ پھر پیش کردو اور اس ہمارے قول سے گردن تابی مت کرو اور نصیحت مانو۔ آگے حقیقت کی خدا کو خبر ہے آگے اس جانچ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ

ہست آں عنواں چو اقرار زباں　　متن نامہ سینہ را کن امتحاں

کہ موافق ہست با اقرار تو　　تا منافق وار نبود کار تو

یعنی کہ وہ عنوان اقرار زبان کی طرح ہے۔ تو سینہ کے نامہ کے متن کا امتحان کر کہ وہ تیرے اقرار کے موافق ہے؟ تاکہ تیرا کام منافقوں کی طرح نہو۔ مطلب یہ کہ تم جو زبان سے اطاعت حق کا اقرار کر رہے ہو تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ اقرار تمھارے قلب کے مطابق ہے یا نہیں اور وہ اقرار صرف زبان ہی سے ہے یا دل سے بھی ہے۔ پس اگر زبان اور دل کی ایک حالت ہے تب تو امتحان صحیح ہوا اور اگر دونوں میں اختلاف ہے اور اقرار لسانی قلب کے موافق نہیں ہے تو تم امتحان میں خام ہوئے اور تم پھر اپنی حالت کو درست کرو۔ آگے اسی کی ایک مثال دیتے ہیں کہ

چوں جوالے بس گرانے می بری　　زاں نباید کم کہ در وے بنگری

یعنی جبکہ تم ایک بہت بھاری گون لیجا رہے ہو تو اس سے تو کم نہونا چاہیئے کہ تم اسکے اندر دیکھ لو

کہ چہ داری در جوال از تلخ و خوش　　گر ہمی ارزد کشیدن را بکش،

یعنی کہ تو گون میں کیا رکھتا ہے تلخ اور عمدہ سے اگر کھینچنے کے لائق ہو تو کھینچو۔

ورنہ خالی کن جوالت را ز سنگ　　باز خر خود را ازیں بیگار و ننگ

یعنی ورنہ اپنی گون کو پتھروں سے خالی کر لو پھر اپنے کو اس بیگار سے اور شرم سے چھڑالو۔

در جوال آں کن کہ می باید کشید　　سوئے سلطانان و شاہان رشید

یعنی گون میں وہ چیز کر کہ جو بادشاہوں اور سلطانوں کی طرف لیجانے کے قابل ہو۔

زشت نبود کایں جوال پر ز ریگ　　می کشی و باشد آں ہم مردہ ریگ

یعنی کیا یہ برا نہیں ہے کہ یہ گون ریت سے بھری ہو۔ تم لیجا رہے اور وہ بھی مال میراثی ہو۔

چوں نمی تانی کہ پر لعلش کنی　　ہم تہی بہتر کہ ہم جنس تنی

یعنی اگر تم اسکو لعل سے پر نہیں کر سکتے تو جنس تن سے ہونے سے خالی ہونا بہتر ہے (کہ ہم جنس تنی میں کہ بمعنی از اور تنی میں یا نسبت کی ہے۔ عبارت یوں ہو گی کہ چوں پر لعلش نمی توانی کردن پس او از اشیاء ہمجنس تن خالی بہتر است) مطلب یہ کہ اگر تم کوئی گون بھر کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے چلے تو کم از کم یہ تو چاہیئے کہ اسکو کھولکر دیکھو کہ اسکے اندر کیا ہے اگر وہ شے بادشاہوں کے پاس لیجانیکی ہو تو لیجاؤ ورنہ اگر اینٹ پتھر ہی بھرے ہوئے ہوں تو اس بیگار سے اور شرمندگی اٹھانے سے کیا فائدہ بہتر ہے کہ گون خالی کردو اور کچھ بھی نہ لیجاؤ کہ

ان اینٹ پتھروں کے لیجانے سے تو یہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ لیجاؤ۔ اسی طرح اگر تمہارے اخلاق اس قابل نہیں کہ وہ درگاہ خداوندی میں پیش ہو سکیں یعنی اخلاق ذمیمہ ہوں تو اول تو یہ کرو کہ ان کو زائل کر کے اخلاق حمیدہ پیدا کرو اور اگر یہ نہ کر سکو تو بس پھر بالکل خالی ہو جاؤ کہ نہ ذمیمہ ہوں نہ حمیدہ ہوں۔ اور وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اخلاق ذمیمہ کو تو دور کر دو مگر ابھی اخلاق حمیدہ راسخ نہ ہوں تو یہی مرتبہ تم کو حاصل ہو جاویگا۔ لہذا چاہیئے کہ اول دیکھ لو اور امتحان کر لو اور پیش کرو آگے اسی پر ایک حکایت لاتے ہیں۔

شرح حبیبی

حکایت ایک بڑے بھاری دستار والے عالم کی اور اُس پگڑی کو ایک اُچکّے کے اچک لینے کی اور اُن عالم صاحب کے کہنے کی اوّل اسکو کھولکر دیکھ پھر لیجائیو

یک فقیہے ژندہا برچیدہ بود	در عمامہ خویش در پیچیدہ بود
تا شود زفت و نماید آں عظیم	چوں در آمد سوئے محفل در حطیم
ژندہا از جامہا پیراستہ	ظاہر دستار ازاں آراستہ
ظاہر دستار چوں حلّہ بہشت	چوں منافق اندروں رسوا و زشت
پارہ پارہ دلق و پنبہ و پوستین	در درونِ آں عمامہ بد دفین
روئے سوئے مدرسہ کردہ صبوح	تا بدیں ناموس یابد او فتوح
در رہ تاریک مردے جامہ کن	منتظر استادہ بود از بہر فن

دررہ بود او از سرش دستار را | پس رواں شد تا بسازد کار را
پس فقیہش بانگ برزد کاے پسر | باز کن دستار را آنگہ ببر
اینچنیں کہ چار پرہ مے پری | باز کن آں ہدیہ را کہ می بری
باز کن آنرا بدست خود بمال | آنگہاں خواہی ببر کردم حلال
چونکہ بازش کرد آنکو می گریخت | صد ہزاراں ژندہ اندر رہ بریخت
زاں عمامہ زفت نابایست او | ماند یک گز کہنہ در دست او
برزمین زد خرقہ را کاے بے عیار | زیں دغل ما را برآوردے زکار
اینچہ مکرست وچہ تزویرست وشید | کہ فگندی مر مرا در قید صید
شرم ناید مر ترا زیں ژندہا | از دغل بفگندیم اے پُر دغا
گفت بنمودم دغل لیکن ترا | از نصیحت باز گفتم ماجرا

اوپر چونکہ مولانا نے عوام کے اپنے ظاہری اعمال کی درستی سے اپنی صلاح قلب پر استدلال کرنیکا ذکر فرمایا تھا اسکے بعد اس استدلال کی غلطی ظاہر فرماکر ہدایت فرمائی تھی کہ خود دل کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیسا ہے اس مناسبت سے یہ حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک فقیہ نے بہت سے چیتھڑے جمع کرکے اپنے عمامہ میں لپیٹ رکھے تھے تاکہ وہ بڑا ہو جائے اور جب وہ حطیم میں آئے تو شاندار معلوم ہو اندرونی حالت تو یہ تھی مگر ظاہر دستار کو اعلی قسم کے کپڑوں کے ٹکڑوں سے آراستہ کر رکھا تھا اس بنا پر ظاہر دستار کی تو ایسی حالت تھی جیسے جگہ بہشت ہو اور باطن میں ایسا برا تھا جیسا منافق کیونکہ اسمیں گدڑی روئی اور پوستین کے ٹکڑے مخفی تھے۔ غرض کہ وہ یہ دستار سر پر رکھکر مدرسہ کو چلا۔ تاکہ ظاہری ٹیپ ٹاپ کی بدولت ان کے کچھ ہاتھ لگے رستہ میں اندھیرا تھا اور اسمیں ایک اچکا کھڑا ہوا تھا کہ وہ آئے تو میں چالاکی سے اسکا عمامہ لے اڑوں جب یہ پہونچے تو اس نے فوراً ان کے سر سے عمامہ اتارا۔ اور لے اڑا۔ تاکہ

اس سے اپنا کام نکالے جب وہ لیکر چلدیا تو اس فقیہہ نے آواز دی کہ میاں ذرا اسے کھولکر دیکھ لو
پھر لیجا ؤ تم یوں ہوا کے گھوڑے پر سوار جارہے ہو ذرا اس ہدیہ کو جسکو تم لئے جارہے ہو کھولکر تو دیکھو
میرے کہنے سے ذرا اسے کھولو اور ہاتھ سے ملکر دیکھو پھر اگر تمہارا جی چاہے تو لیجاؤ میری طرف سے اجازت
ہے جوں ہی اُس بھاگنے والے نے کھولا اسکے کھولتے ہی سیکڑوں چیتھڑے اسمیں سے رستہ میں نکل پڑے
اور اسکے اتنے بڑے نازیبا عمامہ میں سے صرف ایک گز پرانا کپڑا اسکے ہاتھ میں رہ گیا۔ اُس نے اُس
کپڑے کو زمین پر پٹک دیا اور کہا کہ او نکمے تو نے مجھے اس فریب سے اور کام سے بھی کھویا ارے یہ کیسا
مکر اور دہوکہ اور فریب تھا کہ تو نے مجھے اس شکار کا مقید کیا یعنی اس عمامہ کے اڑانے کی فکر میں ڈالا او
دغا باز تجھے شرم نہیں آتی کہ یہ چیتھڑے جمع کرکے تو نے فریب سے مجھے شکست دی۔ اُس نے کہا یہ ضرور ہے
کہ میں تیرے دہوکہ کا باعث ہوا۔ مگر خیر خواہی سے تجھسے اسکی کچی حالت بھی بیان کردی۔ اب یہاں سے
ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

شرح شبیری

حکایت ایک بڑے بھاری دستار والے عالم کی اور اُس پگڑی کو ایک اُچکے کے اُچک لینے کی اور اُن عالم صاحب کے کہنے کی اول اسکو کھولکر دیکھ پھر لیجائیو

یک فقیہے ژندہا برچیدہ بود　　در عمامہ خویش بہ پیچیدہ بود

یعنی ایک فقیہہ نے بہت سے چیتھڑے چن لئے تھے اور اپنے عمامہ میں لپیٹ لئے تھے۔

تا شود زفت و نماید آں عظیم　　چوں در آید سوے محفل حطیم

یعنی تاکہ وہ عمامہ ڈبل ہوجاوے اور وہ بڑا دکھائی دے جبکہ وہ محفل کی طرف مجمع میں آوے۔
مطلب یہ کہ بہت سے چیتھڑے وغیرہ جمع کرکے پگڑی میں بھر لئے تھے تاکہ عمامہ بڑا سا ہوجاوے اور
جب مجمع میں جاویں تو معلوم ہو کہ بہت بڑا عمامہ ہے تو یہ مولوی بھی خوب بڑھیا ہی ہوں گے۔

ژندہا از جامہ ہا پیراستہ ظاہر دستار از آں آراستہ

یعنی چیتھڑوں کو کپڑوں سے سنوارے ہوئے اور پگڑی کے ظاہر کو اُس سے سنوارے ہوئے یعنی اُن چیتھڑوں کے اوپر سے ایک کپڑا لپیٹ کر سب کو خوبصورت اور عمدہ بنا رکھا تھا۔

ظاہر دستار چوں حُلّہ بہشت چوں منافق اندروں رسوا و زشت

یعنی پگڑی اوپر سے تو بہشت کے حلہ کی مانند تھی اور باطن منافق کی طرح رسوا اور برا تھا۔

پارہ پارہ دلق و پنبہ و پوستین در دروں آں عمامہ بد دفین

یعنی گدڑی اور روئی کے اور پوستین کے ٹکڑے ٹکڑے اس عمامہ کے اندر مدفون تھے۔

روئے سوئے مدرسہ کردہ صبوح تا بدیں ناموس یابد او فتوح

یعنی صبح کو مدرسہ کا قصد کئے ہوئے تھا تاکہ اس عزت سے کچھ فتوحات پاوے یعنی اس پگڑی کی عزت سے وہاں تنخواہ وغیرہ ملتی ہوگی صاحب منصب کو ظاہری عزت کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہذا یہ بھی اسی لئے صبح ہی مدرسہ کو چلے جا رہے تھے تاکہ تنخواہ وغیرہ جو کچھ ملنا ہو ملے۔

در رہ تاریک مردے جامہ کن منتظر استادہ بود از بہر فن

یعنی راہ تاریک میں ایک آدمی اُچکا کام کیلئے منتظر کھڑا ہوا تھا یعنی کسی تاریک راہ میں کوئی اُچکا بھی کھڑا تھا کہ کوئی اُدہر کو آوے تو میں اُس سے کچھ اُچک لوں۔

در ربود او از سرش دستار را پس دواں شد تا بسازد کار را

یعنی وہ اُن عالم کے سر پر سے پگڑی کو اُچک کر بھاگا تاکہ کام بناوے مطلب یہ کہ وہ اُچکا جو تاک میں کھڑا تھا جب یہ اُسکے مقابل پہونچے تو انکی پگڑی کو اُس نے اُچک لیا اور پھر لیکر بھاگا تاکہ کچھ کام چلاوے کیونکہ اوپر سے تو وہ پگڑی بہت خوبصورت تھی اُس نے سمجھا کہ خوب قیمتی ہے لہذا اُچک کر لے بھاگا۔

پس فقیہش بانگ بر زد کائے پسر باز کن دستار را آنگہ ببر

یعنی عالم نے اُسکو آواز دی کہ اے صاحبزادے پگڑی کو کھول لے اسوقت لیجائیو۔

ایں چنیں کہ چار پرہ مے پری باز کن آں ہدیہ را کہ می بری

یعنی تو جو اسطرح چار پروں سے اُڑا جا رہا ہے جس ہدیہ کو تو لیجا رہا ہے ذرا کھولکر تو دیکھ لے۔

باز کن آنرا بدست خود بمال | آنگہاں خواہی ببر کردم حلال

یعنی اُسکو کھول لے اور ہاتھ سے ٹٹول لے اُسوقت تو اگر چاہے تو لیجا۔ میں نے مباح کی۔ مطلب یہ کہ جب وہ اُچکا لیکر پگڑی کو بھاگا تو عالم صاحب نے کہا کہ میاں ذرا اسکو کھول کر دیکھ لے پھر بھی اگر تیری کام کی ہو اور تجھے پسند آوے تو لیجانا میں نے معاف کی مگر تو دیکھ تو لے کہ یہ کیا نور بھری ہے۔

چونکہ بازش کرد آنکو میگریخت | صد ہزاراں ژندہ اندر رہ بریخت

یعنی جب اُس شخص نے جو کہ بھاگ رہا تھا اُسکو کھولا تو لاکھوں چیتھڑے راہ میں گر پڑے۔

زاں عمامہ زفت نابایست او | ماند یک گز کہنہ در دستِ او

یعنی اُسکے ڈبل نالایق عمامہ میں سے ایک گز پُرانا کپڑا اُسکے ہاتھ میں رہگیا۔ مطلب یہ کہ جب اُسکو کھولا تو سارے چیتھڑے تو بکھر گئے اور وہ کپڑا جو اُس پر لپیٹا ہوا تھا ایک آدہ گز کا ٹکڑا اُس اُچکے کے ہاتھ میں رہگیا

بر زمین زد خرقہ را کای بے عیار | زین دغل ما را بر آوردی ز کار

یعنی اُس نے اس کپڑہ کو زمین پر دے مارا اور بولا کہ اے مکار تو نے اس دہوکہ سے ہمیں کام سے نکالا مطلب یہ کہ جب اُسکی یہ حالت دیکھی تو بہت خفا ہوا اور بولا کہ اے مکار تو نے مجھے ان چیتھڑوں کو بھر کر دہوکہا دیا۔ اور میں کہیں اور جا کر کچھ مال اُچکتا تو نے مجھے اُس سے بھی رکھا۔

اینچہ مکر ست وچہ تزویر ست فیشید | کہ فگندی مر مرا در قید صید

یعنی یہ کیا مکر اور دہوکا اور دغا بازی ہے کہ تو نے مجھے شکار کی قید میں ڈالا۔ یعنی میں نے تجھے شکار کیا تھا مگر تیری اس مکاری نے مجھی کو قید میں ڈال دیا کہ اب میں خود ہی پچتا رہا ہوں۔

شرم نایدمر ترا زیں ژندہا | از دغل بفگندیم اے پُر دغا

یعنی تجھے ان گدڑوں سے شرم نہیں آتی تو نے مجھے دہوکہ میں ڈالا اے مکار۔ مطلب یہ کہ اب وہ اُچکے صاحب خفا ہو رہے ہیں کہ ارے مکار تو نے اسکے اندر گودڑ بھر کر مجھے دہوکہ دیا اور مجھے دوسرے کام سے بھی رکھا اسکو سنکر وہ عالم صاحب جواب دیتے ہین کہ۔

گفت بنمودم دغل لیکن ترا | از نصیحت باز گفتم ماجرا

یعنی اُس عالم نے کہا کہ لیکن میں نے مکر کو خیر خواہی سے تجھے بتا دیا اور اصلی بات کہدی۔ مطلب یہ کہ اُن عالم صاحب نے کہا کہ اگرچہ اُس سے تجھے دہوکا ہوا مگر میں نے پھر تجھے بتا تو دیا اور آگاہ تو کر دیا۔

بڑا افسوس لوگوں پر ہے کہ دہوکہ دیتے ہیں اور پھر اطلاع بھی نہیں کرتے کہ یہ دہوکہ ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ تم لوگ کسیکے بتانے پر مت رہو بلکہ خود عبرت حاصل کرو کیونکہ تمام چیزیں اپنے تغیرات میں تم کو ہوشیار کر رہی ہیں تم اس کون و فساد سے سبق لو۔

شرح حبیبی

دنیا کا اہل دنیا کو بزبان حال نصیحت کرنا اور وفا کے طالبوں کو اپنی بیوفائی کو دکہلانا اور اپنی برائی کو بتلانا

ہمچنین دنیا اگرچہ خوش شگفت — عیب خود را بانگ زد با جملہ گفت
اندریں کون و فساد اے اُستاد — آن دغل کون و نصیحت آن فساد
کون میگوید بیا من خوش پیم — وان فسادش گفت رو من لاشیم
اے زخوبے بہاراں لب گزاں — بنگر آں سردی و زردی خزاں
روز دیدے طلعت خورشید خوب — مرگ او را یاد کن وقت غروب
بدر را دیدی بریں خوش چار طاق — حسرتش را ہم بہ بیں اندر محاق
کودکے از حسن شد مولائے خلق — بعد پیری شد خرف رسوائے خلق
گرتن سیمیں بتاں کردت شکار — بعد پیری بیں تن چوں پنبہ زار
اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز — فضلۂ آنرا بہ بیں در آب ریز
مرخبیث را گو کہ آں خوبیت کو — آن فریب و حسن و مرغوبیت کو

بر طبق کو عشوۂ و نرمی و خوت — بر سبد کو جلوۂ و نغزی و بوت

گو بیا و آں دانہ بدمن دام آں — چوں شدی تو صید شد دانہ نہاں

بس انامل رشک استاداں شدہ — در صناعت عاقبت لرزاں شدہ

نرگس چشم خماری ہمچو جان — آخر اعمش بیں و آب از وے چکان

حیدرے کاندر صف شیران رود — آخر او مغلوب موشے می شود

طبع تیز دور بیں محترف — چوں خبر پیرش بہ بیں آخر خرف

زلف و جعد مشکبار عقل بر — آخر او دم زشت پیر خر

خوش بہ بیں کونش زوال با گشاد — و آخر آں رسوائیش بین و فساد

زانکہ او بنمود پیدا دام را — پیش تو برکند سبلت خام را

پس مگو دنیا بتزویرم فریفت — ورنہ عقل من زدامش می شگیفت

طوق زرین و حمائل بیں ہلہ — غل و زنجیرے شدہ است و سلسلہ

ہمچنیں ہر جزو عالم می شمر — اول و آخر در آرش در نظر

ہر کہ آخر بیں ترا او مسعود تر — ہر کہ آخر بین ترا او مطرود تر

روئے ہر یک چوں مہ فاخر بیں — چونکہ اول دیدہ شد آخر بہ بین

تا نباشی ہمچو ابلیس اعورے — نیم بیند نیم نے چون ابترے

دید طین آدم و دینش ندید — اینجہان دید آنجہاں بینش ندید

فضل مرداں بر زناں اے بو شجاع | نیست بہر قوت و کسب و ضیاع

ورنہ شیر و پیل را بر آدمے | فضل بودے بہر قوت اے عمی

فضل مردان بر زن ای حالے پرست | زان بود کہ مرد پایاں بین ترست

مرد کارند عاقبت بینی خم ست | او ز اہل عاقبت چون زن کم است

از جہاں دو بانگ می آید بضد | تا کدامی را تو باشی مستعد۔

آن یکے بانگش نشور اتقیا | واں دگر بانگش فریب اشقیا

بانگ خار و بانگ اشگوفہ شنو | بعد ازان شو بانگ خارش را گرو

من شگوفہ خارم اے فخر کبار | گل بریزد من بمانم شاخ خار

بانگ اشگوفہ اش کہ اینک گلفروش | بانگ خار او کہ سوئے ما بکوش

این پذیرفتی بمانی زاں دگر | کہ محب از ضد محبوب است کر

آن یکے بانگ اینکہ اینک حاضرم | بانگ دیگر بنگر اندر آخرم

حاضری ام ہست چوں مکر و کمیں | نقش آخر ز آئینہ اول بہ بیں

چون یکے زیں دو جواں اندر شدی | آن دگر را ضد و نا درخور شدی

اے خنک آنکو ز اول آن شنید | کش عقول و مسمع مردان شنید

خانہ خالی یافت جا نزا او گرفت | غیر آنش کژ نماید یا شگفت

کوزۂ نو کو بہ خود بوئے کشید | آن خبث را آب نتواند برید

در جہاں ہر چیز چیزے می کشد | کفر کافر را و مرشد را رشد

کہربا ہم ہست و مقناطیس ہست / تا تو آہن یا کہے آئی بہ شست

بُرد مقناطیس ار تو آہنے / ور کہی بر کہربا بر می تنی

آن یکے چون نیست با اخیار یار / لاجرم شد پہلوئے فجار جار

آن یکے را صحبت خار اختیار / لاجرم شد پہلوئے ہر خار خوار

ہست موسی پیش قبطی بس ذمیم / ہست ہامان پیش سبطی بس رجیم

جان ہامان جاذب قبطی شدہ / جان موسی جاذب سبطی شدہ

معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب / معدۂ آدم جذوب گندم آب

گر تو نشناسی کسے را از ظلام / بنگر او را کوشسازیدست امام

زانکہ ہر کرہ پئے مادر رود / تا بدان جنسیتش پیدا شود

آدمی را شیر از سینہ رسد / شیر خر از نیم زیرینہ بود

بیان اس امر کا کہ عارف کو غذا نورِ حق سے ملتی ہے جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارشاد نبوی ہے کہ ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی کہ میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں تو وہ مجھے کھلاتے پلاتے ہیں اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ بھوک خدا کا کھانا ہے کہ اُس سے صدیقین کے ابدان زندہ رہتے ہیں یعنی بھوک میں اللہ کا کھانا پہونچتا ہے۔

عدل قسّام ست و قسمت کردنی است / این عجب کہ جبر نے و ظلم نیست

جبر بودے کے پشیمانی بُدے / ظلم بودے کے نگہبانی بُدے

روز آخر شد سبق فردا بود / راز ما را روز کے گنجا بود

حاصل آنکہ در دخول و در ایاب / در نگر واللہ اعلم بالصّواب

جس طرح اس فقیہ نے ایک جہت سے اُس اُچکّے کو دھوکہ میں ڈالا تھا اور ایک جہت سے اُسے آگاہ کیا تھا یوں ہی دنیا بھی ہے کہ اگرچہ وہ اپنی خوبی سے دہوکہ دیتی ہے مگر اپنے عیوب کو باآواز بلند لوگوں سے بیان بھی کرتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا کی دو حالتیں ہیں۔ ایک بننا جسکو کون کہتے ہیں۔ دوسرے بگڑنا جسے فساد کہتے ہیں تو اس کا بناؤ تو دہوکا ہے اور بگاڑ نصیحت۔ چنانچہ اس کا بناؤ تو کہتا ہے کہ میں اچھا ہوں۔ تم میری طرف راغب ہو اور بگاڑ کہتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں تم اس طرف کیوں متوجہ ہوتے ہو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جو شخص خوبی بہار پر مٹا ہوا ہے اس سے کہدو کہ اے وہ شخص جو خوبی بہار کو دیکھکر فرط لذّت سے ہونٹ کاٹتا ہے تو دہوکا نہ کہا بلکہ سردی کے زمانہ اور موسم خزان کی زردی کو بھی پیش نظر رکھہ اور سمجھہ کہ یہ حالت ہمیشہ نہ رہے گی بلکہ محض چند روزہ ہے علی ہذا جو لوگ حُسن آفتاب یا ماہتاب پر فریفتہ ہیں اُن سے کہدو کہ تم خوشنما آفتاب کے عمدہ شکل کو دیکھتے ہو۔ مگر تم کو اسکی موت کو بھی یاد رکھنا چاہئے جو غروب کے وقت اُسے حاصل ہوگی۔ یا تم نے اس خوشنما آسمان پر چودہویں رات کے چاند کو تو دیکھ لیا لیکن تم کو اسکے اس حسرت کو بھی دیکھنا چاہئے جو اُسکو آفتاب کے ساتھ اجتماع کی حالت میں بنے زوال نور پر ہوگی اور جو لوگ لڑکوں کے حُسن پر مائل ہیں ان کو واضح ہو کہ ایک لڑکا جو اپنے حُسن کے سبب مخلوق کا آقا اور حاکم بنا ہوا ہے۔ بڑھاپے کیوقت اُس کی یہ گت بنے گی کہ اُسکے حواس درست نہ رہیں گے۔ اور یہی مخلوق اُسکو بے قدر سمجھی گی۔ پس اگر تم کو ان سیم تن بتوں کے تن سیمین نے پھانس لیا ہے تو تم کو اسکے آخری حالت پر غور کرنی چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ یہ حسن بالکل ناپائیدار ہے۔ اور بڑھاپے کے بعد اس کی یہ حالت ہوگی کہ وہ روئی کا کھیت معلوم ہوگا۔ اور جو شخص عمدہ غذاؤں پر فریفتہ ہے اس سے کہدو کہ اے وہ شخص جو مرغن غذاؤں کو مطمح نظر بنائے ہوئے ہے تو ذرا اُٹھ اور پاخانہ جاکر ذرا ان کا فضلہ دیکھ اور اس پاخانہ سے کہہ کہ وہ تیری خوبی اور فریب اور حسن اور مرغوبی جو پہلے تھی اب کہاں ہے اور طباق میں جو تیرا ناز اور نرمی اور ایک خاص سرشت تھی یا ٹوکرے میں جو تیرا جلوہ اور نفاست اور بو تھی اب کہاں ہے۔ اس کا تجھے وہ یہ جواب دیگا کہ وہ حُسن و خوبی ایک دانہ تھی اور میں ایک جال تھا اور مقصود تیرا پھانسنا تھا۔ جب تو پھنس گیا تو وہ دانہ پردہ عدم میں مستور ہوگا۔ جب یہ حالت ہے تو کیا یہ مناسب ہے کہ عمدہ

غذاؤں کو مطمح نظر بنایا جاوے ہرگز نہیں۔ اور دیکھو بہت سی ایسی انگلیاں جنپر کاریگری میں استادوں کو رشک ہوتا تھا ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کانپنے لگیں اور کچھ بھی کام نہ دے سکیں علی ہذا بہت سی نشیلی آنکھیں جو نرگس کے مشابہ اور جان کی طرح محبوب تھیں دیکھ لو کہ وہ چندھی ہوگئیں اور ان سے پانی جاری ہوگیا نیز وہ بہادر جو شیروں کی صف میں گھس جانے والے ہیں ضعف سے اُن کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ کمزور انہیں دبا لیتے ہیں نیز ایک بیشہ ور کی تیز اور دوربین طبیعت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بڈھے گدھے کی طرح مسلوب الحواس ہوجاتی ہے ایضا مشکبار اور عقل چھین لینے والے زلف و گیسو آخر میں بڈھے گدھے کی دم ہوجاتے ہیں۔ اب تم خوب غور کرو کہ ابتداء ان زلفوں اور گیسوؤں وغیرہ کا بناؤ نہایت خوشش آیندہ ہے اور انجام ان کا بگاڑ اور خرابی ہے پس چونکہ دنیا تم کو اپنا جال دکھا چکی ہے اور سینکڑوں ناقصوں کی تمہارے سامنے موچھیں اُکھیڑ چکی یعنی ان کو ذلیل و خوار کرچکی ہے۔ لہذا اب تم یہ نہ کہنا کہ مجھے دنیا نے اپنے مکر سے دھوکا دے لیا ورنہ میری عقل اسکے جال میں نہ آتی کیونکہ جب وہ اپنی حالت ظاہر کرچکی ہے تو پھر دھوکا کیسا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ہم مضمون سابق کی تکمیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو لوگوں کو طوق زریں اور بدھیاں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر انجام ان کا یہ ہے کہ طوق و زنجیر ہوجاتے ہیں چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ قصہ کوتاہ تم دنیا کی ایک ایک چیز کو فرداً فرداً گن جاؤ اور انکے ابتدا و انتہا پر نظر کرو۔ ہر ایک کا انجام تمہیں فساد ہی پاوے گا۔ پس جو لوگ آخرت کو دیکھتے ہیں وہ سعادتمند ہیں اور جو لوگ دنیا پر نظر کرتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں وہ مردود ہیں۔ پس تم دنیا کی ہر مرغوب چیز کا منہ ایسا سمجھو جیسے چاند کا لہذا تم اوّل ہی پر قناعت نکرو بلکہ اُسکے آخر کو بھی دیکھو یعنی جسطرح چاند کا ایک حصہ منور ہوتا ہے اور دوسرا تاریک یوں ہی مرغوبات دنیویہ کی بھی ابتدا دلکش ہے مگر آخر خراب۔ پس تم صرف اول ہی پر قناعت نکرو بلکہ آخر کو بھی دیکھو تاکہ تم ابلیس کی طرح کانے نہو۔ کیونکہ اُسکی یہی حالت ہے کہ وہ آدھا حصہ دیکھتا ہے اور آدھے کو نہیں دیکھتا۔ چنانچہ اُس نے آدم علیہ السلام کی مٹی تو دیکھی اور دین نہ دیکھا اور انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین کہدیا اور اس نے اُن کی ناسوتیت تو دیکھی مگر اُنکو غیب میں نہ دیکھا۔ دیکھو مردوں کو جو عورتوں پر فضیلت ہے وہ اس وجہ سے

نہیں ہے کہ ان میں قوت زیادہ ہے یا یہ ان سے زیادہ کما سکتے ہیں اور جائداد پیدا کر سکتے ہیں ورنہ
قوت کے اعتبار سے تو ہاتھی اور شیر کو انسان سے افضل ہونا چاہیئے تھا بلکہ مردوں کو عورتوں پر اس
لحاظ سے فضیلت ہے کہ مرد بہ نسبت عورتوں کے زیادہ انجام بین ہوتے ہیں پس جو مرد عاقبت بینی میں
ناقص ہیں وہ عاقبت بین لوگوں سے یوں ہی کم ہوں گے جیسے عورتیں مردوں سے۔ الحاصل دنیا سے
دو مختلف آوازیں نکلتی ہیں دیکھیئے تم کس کو سنتے اور کسپر کاربند ہونے کیلئے مستعد ہوتے ہو اُن دونوں
میں سے ایک آواز کی خاصیت تو یہ ہے کہ پرہیزگار اُس سے زندہ ہوتے ہیں اور دوسری آواز سے
بدبخت لوگ فریب کھاتے ہیں اور یہ دو آوازیں شگوفوں اور کانٹوں یعنی مطلوبات و مہروب عنہا کی
آوازیں ہیں۔ پس تم شگوفہ اور خار دونوں کی آوازیں سنو اسکے بعد خار کی آواز کے تابع ہو جاؤ اور شگوفہ
کی آواز کو چھوڑ دو۔ خار تو کہتا ہے کہ خبردار پھول کے پاس نہ پھٹکنا کیونکہ یہ بیوفا ہے اور تھوڑے عرصہ
میں گر جائیگا اور میں کانٹوں کی شاخ رہجاؤنگا۔ اور شگوفہ کہتا ہے کہ دیکھ یہ گلفروش موجود ہے
تو مجھے خرید لے مگر کانٹا روکتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھ ہماری طرف رُخ نہ کرنا کیونکہ تجھے میں تو مطلوب
نہیں بلکہ پھول مطلوب ہے اور پھول تھوڑے عرصہ میں فنا ہو جاویگا اور میں رہجاؤنگا پس تجھے خواہ
مخواہ حسرت ہوگی پس یہ دو آوازیں مختلف ہیں جن میں سے صرف تم ایک کو قبول کر سکتے ہو اب اگر تم نے
شگوفہ کی آواز کو قبول کر لیا تو کانٹے کی آواز کے قبول کرنے سے رہگئے اور اگر کانٹے کی آواز قبول کرلی
تو شگوفہ کی آواز قبول کرنے سے رہگئے۔ کیونکہ جو آواز تم کو محبوب ہوگی دوسری آواز اُسکی ضد ہوگی
اور قاعدہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی ضد سے بہرا ہوتا ہے لہذا وہ نتیجہ لازم ہے جو بیان کیا گیا ہے
جب یہ صورت ہے تو تم کو اُس آواز کو قبول کرنا چاہیئے جو مفید ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ کانٹے
کی آواز ہے لہذا اُسیکو قبول کرنا چاہیئے۔ اب ہم اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے بیان کرتے ہیں تاکہ
خوب ذہن نشین ہو جاوے۔ سنو ہم نے بیان کیا ہے کہ اشیاء دنیویہ کی دو آوازیں ہیں ایک تو
یہ کہ میں موجود ہوں اور میری موجودہ حالت لائق قبول ہے اسلئے مجھے قبول کر لو۔ اور دوسری آواز یہ
ہے کہ میری موجودہ حالت سے دھوکہ نہ کھاؤ بلکہ میرے نتیجہ اور انجام کو دیکھو۔ اور چونکہ میرا انجام
اچھا نہیں ہے اسلئے مجھے قبول نہ کرو۔ میری موجودہ حالت مثل ایک فریب اور گھات کے ہے لہذا
تم کو مجھ سے بچتے رہنا چاہیئے۔ اور میرے نتیجہ کی صورت کو میری ابتداء کے آئینہ میں دیکھنا چاہیئے

یہ تو اشیاء دنیویہ کی دو حالتیں تھیں۔ اب سمجھو کہ ابتدا و انتہا کی یہ آوازیں بمنزلہ دو گونوں کے ہیں پس تم جس گون میں داخل ہو جاؤ گے دوسرے کے خلاف اور اسکے ناقابل ہو جاوگے۔ بس تمکو چاہئے کہ ان میں سے ایک کو خوب سمجھکر اختیار کرو اور ہم تمکو بتلاتے ہیں کہ بڑے مزہ میں اسکے جس نے ابتدا ہی میں وہ آواز یعنی آواز انجام سن لی جسکو اہل اللہ کی عقول اور کانوں نے سنا ہے اور اس آواز نے خانۂ دل کو اپنے مزاحم سے خالی پاکر اسمیں گذر کیا اور اسکی ضد اسکو نازیبا اور عجیب معلوم ہونے لگی۔ بس تمکو اسی آواز کو سننا چاہئے اور اسی گون میں داخل ہونا چاہئے۔ دیکھو اگر تم اس آواز کو ابتداءً نہ سنو گے اور اسکی ضد کو دل میں جگہ دوگے تو اسکا نکلنا نہایت دشوار ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب نیا لوٹا پیشاب کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ تو اس ناپاکی کو پانی اس سے جدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسکے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ اسے آگ میں ڈالا جاوے۔ اس بنا پر اس کے دور کرنے کیلئے تمکو بھی مجاہدات شاقہ کی ضرورت ہوگی چونکہ یہاں کوزہ کے پیشاب کو جذب کرنیکا ذکر آگیا اسلئے اب مولانا جذب کی بحث کیطرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیان بالا سے تمکو معلوم ہوا کہ کوزہ پیشاب کو جذب کرتا ہے مگر یہ امر کچھ کوزہ ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب ہے اور عالم میں ہر چیز اپنے مناسب دوسری چیز کو کھینچتی ہے۔ چنانچہ کفر کافر کو کھینچتا ہے اور ہدایت مہتدی کو وہکذا القیاس جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ عالم میں کہربا بھی ہے اور مقناطیس بھی یعنی اچھے اور برے دونوں کے جاذب موجود ہیں اور مقصود اسکا یہ ہے کہ آدمی خواہ گھاس ہو اور خسکن ہو یا لوہا اور قسی القلب۔ بہر حال پھندے میں پھنس جاوے۔ بس اگر وہ لوہا ہوگا تو مقناطیس اسے کھینچ لیگا۔ اور اگر گھاس ہوگا تو کہربا کو لپٹ جاویگا چنانچہ دیکھ لو جو شخص کہ اچھے لوگوں کا دوست نہیں وہ بدکاروں کا ہمنشین ہے اور جو شخص کہ کانٹوں یعنی برے لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ انہیں ذلیل کانٹوں کے پہلو میں جاکر بیٹھتا ہے اور اہل اللہ کے پاس نہیں جاتا برخلاف اسکے جو لوگ فجار سے متنفر ہیں وہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرتے ہیں وہ انکے ندیم اور جلیس ہیں غرض کہ جذب و انجذاب سے کوئی خالی نہیں بلکہ ہر ایک اپنے ہم جنس کو جاذب اور اسکی طرف منجذب ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام قبطی کی نظر میں مذموم ہیں اسلئے وہ ان سے گریزاں ہے اور ہامان سبطی کی نظر میں نہایت مردود ہے اسلئے وہ اس سے گریزاں ہے اور ہامان

قبطی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سبطی کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ علیٰ ہذا معدۂ خر گھاس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور معدۂ انسان گیہوں کے عرق کو غرض کہ ہر چیز اپنی مجانس کو جاذب اور متضاد کو دافع ہے۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب ہم تم کو ایک نہایت مفید اصول بتلاتے ہیں خوب غور سے سنو۔ وہ اصول یہ ہے کہ اگر تم کو اپنی تیرہ درونی کے سبب کسی کی حالت نہ معلوم ہو تو یہ دیکھو کہ وہ کسکی طرف مائل ہے۔ اور اس نے کسکو اپنا پیشوا بنا رکھا ہے پس اگر اس نے کسی اچھے کو پیشوا بنا رکھا ہے تو سمجھو کہ وہ طبیعت سلیم رکھتا ہے۔ اور اگر اس نے کسی برے کو پیشوا بنایا ہے تو سمجھو کہ فاسد المزاج ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکی جنس معلوم ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ پیروی دلیل مجانست ہے پس ہمارا دعویٰ ثابت ہے نیز آدمی چونکہ شریف ہے اسلئے اسکو غذا بھی مقام شریف یعنی سینہ سے ملتی ہے۔ اور گدہا چونکہ خسیس ہے اسلئے اسکو غذا بھی مقام خسیس یعنی نصف اسفل سے ملتی ہے یہ بھی ثبوت ہی ہمارے دعوے کا کیونکہ اس سے ثابت ہے کہ انجذاب ہر شے کا اپنے مجانس اور مناسب کی طرف ہوتا ہے اور ہر شے اپنے مناسب کو جاذب ہے اب سمجھو کہ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اختلاف و تفاوت اغذیہ کے نہ جبر ہے اور نہ ظلم۔ بلکہ تقسیم کرنے والے کا سراسر عدل اور اسکی منصفانہ تقسیم ہے۔ کیونکہ اگر جبر ہوتا تو مغتذی کو تفویت غذا پر ندامت کیوں ہوتی پس یہ ندامت خود دلیل ہے اسکی کہ وہ خود اسکا طالب ہے اور اگر ظلم ہوتا تو حفاظت حفاظت چہ معنی دارد۔ کیونکہ ظلم مقتضی ہے ترک حفاظت کو پس حفاظت کیسی اچھا اب ختم ہو گیا آگے کل سنیو ہمارے اسرار ایسے کہاں ہیں جو ایک دن میں ختم ہو جائیں۔ خلاصہ تمام گفتگو کا یہ ہے کہ تم کو چاہئے کہ جس چیز کو تم اختیار کرو اور جسکو چھوڑو اسکے نتیجہ کو دیکھ لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شرح شبیری

دنیا کا اہل دنیا کو بزبان حال نصیحت کرنا اور وفا کے طالبوں کو اپنی بیوفائی دکھلانا اور اپنی برائی کو بتلانا +

ہمچنیں دنیا اگرچہ خوش شگفت　　عیب خود را بانگ زد با جملہ گفت

یعنی اسی طرح دنیا نے اگرچہ خوب عمدہ معلوم ہوتی ہے اپنے عیوب کو باآواز دہل سب سے کہدیا مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر دنیا سے دہوکہ ہوتا ہے اور اسکی ظاہری حالت ایسی ہے کہ اسپر انسان فریفتہ ہوجاتا ہے مگر اس نے اپنی حالت سے اپنے عیوب اور فنا کو بالکل ظاہر کردیا ہے۔

اندریں کون و فساد اے اُستاد　　آں دغل کون و نصیحت واں فساد

یعنی اے استاد اس وجود و عدم کے اندر وہ دہوکہ تو وجود ہے اور فساد کو نصیحت جانو۔ مطلب کہ دنیا میں جو تغیرات وجود اور عدم کے ہورہے ہیں ان تغیرات ہی سے دنیا نصیحت کررہی ہے کہ اسمیں وجود بمنزلہ اس دہوکے کے ہے کہ اُس سے آدمی فریب کہاجاتا ہے اور اسکا عدم بجائے نصیحت کے ہے کہ اسوقت اُس شے کی اصل حالت معلوم ہوتی ہے اور اسکی ناپائداری اور فنا آنکھ کے سامنے آکر اسکی اصلیت کو ظاہر کردیتا ہے۔

کون میگوید بیا من خوش پیم　　واں فسادش گفتہ رو من لاشیم

یعنی وجود تو کہتا ہے کہ آ میں خوش قدم ہوں اور وہ اسکا فساد کہتا ہے کہ جا میں لاشے ہوں مطلب یہ کہ وجود شے تو انسان کو اُسپر فریفتہ کردیتا ہے مگر پھر اُسکا بگڑنا۔ اور اسکا عدم اُسکے لاشے ہونیکو بتلاتا ہے اور وجود کا تقاضا تو اُسکی طرف میلان ہے مگر عدم اُسکی طرف سے نفرت کو پیدا کرتا ہے جس طرح کہ اُس بکری کا ظاہر تو خوش رنگ اور دلربا تھا مگر وہ اندر سے جو نور بھری نکلی اُسکو سب ناظرین ملاحظہ فرما ہی آئے ہیں بس دنیا بھی ظاہر میں بہت ہی دلفریب ہے مگر آخر میں جب اُسکی اصلی حالت دکھلائی دیتی ہے اسوقت اُس سے بالکل ہی نفرت ہوجاتی ہے آگے اسی کی مثالیں دیتے ہیں کہ۔

اے ز خوبی بہاراں لب گزاں　　بنگر آں سردی و زردی خزاں

یعنی اے وہ شخص جو کہ بہار کی خوبی کی وجہ سے لب کو کاٹ رہا ہے خزاں کی سردی اور زردی کو دیکھ مطلب یہ کہ اول باغ میں بہار کی موسم میں سب پودے کسقدر خوشرنگ معلوم ہوتے تھے مگر انجام کار دیکھو کہ خزاں میں کسقدر برے ہوگئے ہیں۔

روز دیدی طلعت خورشید خوب　　مرگ او را یاد کن وقت غروب

یعنی دن کے وقت تو نے خورشید خوب کی چمک دیکھی ہے تو اُسکی موت کو غروب کے وقت یاد کر۔

مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب ذنکو کسقدر خوبصورت ہوتا ہے مگر دیکھ لو آخر شام کو ہم سے غروب فنا ہو جاتا ہے۔

بدر را دیدی برین خوش چارطاق — حسرتش را ہم بہ بین اندر محاق

یعنی تم نے بدر کو اس خوبصورت آسمان پر دیکھا ہے تو حالت محاق میں اسکی حسرت کو بھی دیکھ مطلب یہ کہ دیکھو چاند بدر ہونیکی حالت میں آسمان پر کسقدر خوبصورت معلوم ہوتا ہے مگر آخر دلوں میں جبکہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اسکی کیا حالت ہو جاتی ہے کہ جسم بھی کم ہو جاتا ہے نور بھی کم ہو جاتا ہے تو دیکھو باوجود اس حسن و خوبی کے انجام یہ ہوا (چارطاق بڑے خیمہ کو کہتے ہیں اسلئے کہ اسکے چاروں طرف دروازے ہوتے ہیں اور چونکہ جو خیمہ بڑا ہوتا ہے وہ عادۃً بلند بھی ہوتا ہے لہذا آسمان کو چارطاق کہنے لگے ہیں) آگے اور مثال ہے کہ۔

کودکے از حسن شد مولائے خلق — بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

یعنی ایک لڑکا حسن کی وجہ سے لوگوں کا آقا ہو گیا اور بڑھاپے کے بعد بڈھا خرانٹ لوگوں میں رسوا ہو گیا مطلب یہ کہ دیکھو ایک لڑکا بچپن میں حسن و خوبی کیوجہ سے تمام لوگوں کو اپنے اوپر فریفتہ کئے ہوئے ہوتا ہے مگر انجام کار یہ ہوتا ہے کہ بڈھا ہو جاتا ہے اور پھر کوئی بھی نہیں پوچھتا بلکہ اور نفرت کرتے ہیں۔

گر تن سیمیں بتاں کردت شکار — بعد پیری بین تنے چوں پنبہ زار

یعنی اگر بتوں کے بدن سیمیں نے تجھے شکار بنایا ہے تو بڑھاپے کے بعد دیکھ کہ ایک بدن روئی کے ڈھیر کی طرح ہے۔

اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز — فضلۂ آنرا بہ بیں در آبریز

یعنی اے وہ شخص جس نے کہ عمدہ عمدہ غذاؤں کو دیکھا ہے اٹھ اُن کے فضلہ کو طہارت خانہ میں دیکھ (کہ کیسا عمدہ ہے)۔

مر خبث را گو کہ آں خوبیت کو — آں فریب و حسن و مرغوبیت کو

یعنی نجاست سے کہہ کہ وہ تیری خوبی کہاں ہے اور وہ فریفتگی اور حسن اور مرغوبی تیری کہاں ہے۔

بر طبق کو عشوۂ و نرمی و خوت — بر سبد کو جلوۂ و لغزی و بوت

یعنی طبق کے اوپر والا تیرا عشوہ اور نرمی اور خصلت کہاں ہے اور ٹوکرے کے اوپر والا جلوہ اور عمدگی اور خوشبو تیری کہاں ہے۔ مطلب یہ کہ طہارت خانہ میں جو اس عمدہ عمدہ غذا کا فضلہ پڑا ہے اس سے ذرا جا کر پوچھو تو کہ وہ جو تیری عمدگی اور دلفریبی طبق اور ٹوکرے میں رکھے ہوئے ہونے کے وقت تھی وہ اب کہاں گئی۔ اور کیا ہوئی تو وہ جواب دیگا کہ۔

گویدا وآں دانہ بد من دام آں　　چوں شدی تو صید شد دانہ نہاں

یعنی وہ کہتا ہے کہ وہ (حسن و خوبی) تو دانہ تھا اور میں اسکا جال تھا جب تو شکار ہوگیا تو دانہ پوشیدہ ہوگیا۔ مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ اے میاں مقصود تو تم کو اس گندگی میں پھنسانا تھا اس پھنسانے کیلئے وہ حسن و خوبی پیدا کر دی گئی تھی جس طرح کہ شکار کیلئے جال میں دانہ ڈال دیا کرتے ہیں تو جب شکار آجاتا ہے تو دانہ تو اٹھا لیتے ہیں اور جال رہجاتا ہے۔ بس اسی طرح وہ حسن و خوبی تو جاتی رہی اور میں جو بمنزلہ جال کے تھا رہگیا ہوں۔ آگے اسی کی اور مثال ہے کہ۔

بس انامل رشک استاداں شدہ　　در صناعت عاقبت لرزاں شدہ

یعنی بہت سی انگلیاں صنعت میں رشک استادوں کی ہیں اور انجام کار لرزاں ہوگئی ہیں یعنی دیکھو بہت سی انگلیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ایسی ایسی صنعتیں کرتی ہیں کہ بڑے بڑے استاد نہیں کر سکتے مگر آخر پھر بیکار ہو جاتی ہیں۔

نرگس چشم خماری ہمچو جاں　　آخر اعمش بین و آب از وے چکاں

یعنی خمار والی جان جیسی آنکھ کی نرگس کو آخر میں چندھا دیکھو کہ اس سے پانی ٹپک رہا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو وہ آنکھ جو کہ نرگس کی طرح تھی اور سیکڑوں کی جان کی برابر تھی اور مخمور رہا کرتی تھی آج چندھی ہوگئی ہے۔ آنکھیں سے پانی چل رہا ہے خراب ہوگئی ہے۔ (اللھم احفظنا اللھم عافنا)۔

حیدرے کاندر صف شیراں رود　　آخر او مغلوب موشے می شود

یعنی وہ دلاور کہ جو شیروں کی صف میں چلا جاوے آخر وہ ایک چوہے سے مغلوب ہو جاتا ہے یعنی ضعیفی میں کمزور سے کمزور شے سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

طبع تیز و دور بین و محترف　　چوں خر پیرش بہ بین آخر خرف

یعنی طبیعت تیز اور دور بیں اور حرفہ والی کو دیکھو اور آخر کار اسکو بڈھے گدھے کی طرح خرانٹ دیکھو

یعنی ایسے تیز طباع لوگ جو مشہور زمانہ ہیں آخر کار ایک روز بڈہے گدہے کی طرح خرانٹ ہو جاتے ہیں

زلف و جعد مشکبار عقل بر　　　آخر او دم زشت پیر خر

یعنی زلف اور گھونگر والے مشکبار عقل کو اڑانیوالے بال آخر میں بڈہے گدہے کی خراب دم ہو جاتی ہے
یعنی ایسے ایسے خوبصورت بال آخر میں گدہے کی دم کی طرح بچے گھستے ہوئے ہو جاتے ہیں۔

خوش ببین کونش زاول باکشاد　　　و آخر آں رسوائیش بین و فساد

یعنی اول اسکے وجود کو جو کہ باکشادگی ہے دیکھو اور آخر میں اسکی رسوائی اور فساد کو دیکھو +

زانکہ او بنمود پیدا دام را　　　پیش تو بر کند سبلت خام را

یعنی چونکہ اس نے جال کو ظاہر کر دکھلایا ہے اور تیرے آگے ہی خام (آدمی) کی مونچھ اکھاڑی ہے

پس مگو دنیا بہ تزویرم فریفت　　　ورنہ عقل من ز دامش می شگفت

یعنی پس یہ مت کہو کہ دنیا نے حیلہ بہانہ سے مجھے فریفتہ کر لیا ورنہ میری عقل تو اسکے جال سے صبر کرتی تھی۔ مطلب یہ کہ دیکھو ان مثالوں سے معلوم ہو گیا کہ دنیا نے اپنی حالت کو بالکل صاف طور پر ظاہر کر رکھا ہے تو اب تم یہ مت کہو کہ ہمکو دنیا نے فریفتہ کر رکھا ہے اور ہم مجبوراً اسکی طرف کھنچے جارہے ہیں۔ کیونکہ اس نے تو صاف صاف حالت کو ظاہر کر دیا ہے۔ پھر کیوں دہوکہ میں آتے ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

طوق زرین و حمائل بین ہلہ　　　غل و زنجیرے شدست و سلسلہ

یعنی ہاں ذرا سونے کے ہار و حمائل کو دیکھو کہ طوق و زنجیر ہو گئے ہیں اور سلسلہ مطلب یہ کہ یہ دنیا کی عمدہ عمدہ اشیاء آخر میں دیکھو کہ یہی طوق و زنجیر ہو جاتی ہیں۔

ہمچنیں ہر جزو عالم مے شمر　　　اول و آخر در آرش در نظر

یعنی اسی طرح عالم کے ہر ہر جزو کو گن لو۔ اور اس کے اول و آخر کو نظر میں لاؤ +

ہر کہ آخر بیں تر او مسعود تر　　　ہر کہ آخر بیں تر او مطرود تر

یعنی جو شخص کہ آخر بیں زیادہ ہے وہ نیکبخت زیادہ ہے اور جو آخور بیں زیادہ ہے وہ مردود زیادہ ہے یعنی جو شخص کہ انجام کار دیکھنے والا ہے وہ تو مسعود ہے اور جو انجام بین نہیں ہے وہ مطرود و مردود ہے۔

رحِ ہر یک چوں مہ فاخرہ بیں   چونکہ اول دیدہ شد آخر بہ بیں

یعنی ہر ایک کے چہرہ کو مہ فاخر کی طرح دیکھو اور جبکہ اول دیکھا گیا تو آخر کو بھی دیکھو۔ مطلب یہ کہ ایک چہرہ جو چاند جیسا تھا اُسکو اُس حسن وخوبی کے وقت میں تو دیکھا ہی تھا اب اُسکے انجام کو بھی ذرا ملاحظہ کر لو۔

تا نباشی ہمچو ابلیس اعوری   نیم بیند نیم نے چوں ابتری

یعنی تاکہ تو شیطان کی طرح کانا نہو کہ آدھی چیز کو دیکھے اور آدھی کو ابتر کی طرح نہ دیکھے۔

دید طین آدم و دینش ندید   اینجہان دید آنجہان بینش ندید

یعنی ابلیس نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو دیکھا اور اُن کے دین کو نہیں دیکھا۔ اس جہان کو تو دیکھا اور اُس جہان کے دیکھنے والے کو نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ جب تم کسی شے کے اول کو دیکھو تو اُسکے انجام کو بھی دیکھو تاکہ تم ابلیس کی طرح نہو جاؤ۔ کہ اس نے آدم علیہ السلام میں صرف مٹی ہی دیکھی کہ یوں کہا کہ خلقتہ من طین اور انکے کمالات پر نظر نہیں کی کہ اُنمیں دو چیزیں تھیں ایک تو یہ جسم جو کہ اس جہان والا تھا اور ایک شے ایسی تھی کہ وہ اُس جہان کو دیکھنے والی تھی تو شیطان نے اُسکو نہیں دیکھا۔ آدھی چیز کو دیکھا اور آدھی کو نہیں دیکھا تو اگر تم بھی اول کو دیکھو گے اور انجام کو نہ دیکھو گے تو تم بھی اُسی کی مثل ہو جاؤ گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ انجام بینی ایسی شے ہے کہ اسی کی بدولت مردوں کو عورتوں پر فضیلت دیگئی ہے فرماتے ہیں کہ

فضل مردان بر زنان اے بوشجاع   نیست بہر قوت و کسب و ضیاع

یعنی اے بوشجاع مردونکو عورتوں پر جو فضیلت ہے وہ قوت اور کمائی اور کنبہ کی وجہ سے نہیں ہے۔

ورنہ شیر و پیل را بر آدمی   فضل بودے بہر قوت اے عمی

یعنی ورنہ شیر اور ہاتھی کو آدمی پر قوت کی وجہ سے فضیلت ہوتی اے چچا۔

فضل مردان بر زنان حالی پرست   زان بود کہ مرد پایان بین تر است

یعنی مردوں کی فضیلت عورتوں پر حال پرست اسلئے ہے کہ مرد انجام بین ہے۔

مرد کاندر عاقبت بینی خم است   او ز اہل عاقبت چون زن کم است

یعنی مرد جو کہ انجام بینی میں ٹیڑھا ہے وہ اہل عاقبت سے عورت کی طرح کم ہے۔ مطلب کہ ایسا شخص

مرد انکو جو عورتوں پر فضیلت ہے وہ اسی انجام بینی کی وجہ سے ہے ورنہ اگر قوت کی وجہ سے ہوتی تو آدمی پر ہاتھی گھوڑے وغیرہ کو فضیلت ہوتی حالانکہ نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ فضیلت اس انجام بینی ہی کی وجہ سے ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

از جہان دو بانگ می آید بضد ‌ ‌ ‌ ‌ تا کدامی را تو باشی مستعد

یعنی جہان میں دو ضدیں آوازیں آتی ہیں تاکہ (دیکھا جاوے کہ) تو کسکے لئے مستعد ہوتا ہے۔

آن یکے بانگش نشور اتقیا ‌ ‌ ‌ ‌ وین دگر بانگش فریب اشقیا

یعنی اسکی وہ ایک آواز تو متقیوں کا نشور ہے اور یہ دوسری اسکی آواز شقی لوگوں کا فریب ہے مطلب یہ کہ دنیا میں ضدیں بزبان حال اپنی حالت کے متعلق بیان کر رہی ہیں۔ ایک تو وہ آواز ہے کہ اس سے متقیوں کی ارواح کو تازگی ہوتی ہے اور وہ جو دوسری آواز ہے وہ بدبخت لوگوں کو فریب دینے والی ہے تو اب یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم کسکے لئے مستعد ہوتے ہو۔ اور کسکو طلب کرتے ہو۔

بانگ خار و بانگ اشگوفہ شنو ‌ ‌ ‌ ‌ بعد ازاں شو بانگ خارش را گرو

یعنی کانٹے کی آواز اور گلدستہ کی آواز سنو اور اسکے بعد اسکے خار کی آواز کا گروی ہو جا۔ مطلب یہ کہ تم دنیا میں برے بھلے سب کی حالت کو دیکھ رہے ہو گل وخار کی حالت کو بھی دیکھ رہے ہو۔ تو تم حالتیں تو دونوں کی دیکھو مگر پھر آخر کی آواز کے تابع ہو جاؤ کہ انجام کار وہی رہجاویگا اور گل تو فانی ہے اسکا اول تو خوشرنگ ہے مگر آخر اسکو بقا نہیں ہے۔ اور خار کی جو حالت ہے وہ مستقل ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

من شگوفہ خارم اے فخر کبار ‌ ‌ ‌ ‌ گل بریزد من بمانم شاخ خار

یعنی (خار کہتا ہے کہ) اے فخر کبار میں گلدستہ کا خار ہوں پھول تو گر جاویگا اور میں شاخ خار رہجاؤنگا (شگوفہ خار میں اضافت مقلوبی ہے) مطلب یہ کہ خار کہتا ہے کہ اے لوگو میں پھولوں کا خار ہوں تو یہ پھول تو گر جاویں گے اور انجام کار میں ہی رہجاؤنگا لہذا اسی سے دل لگانا چاہیے۔

بانگ اشگوفہ اش کہ اینک گلفروش ‌ ‌ ‌ ‌ بانگ خار او کہ سوئے ما مکوش

یعنی اسکے گلدستہ کی آواز یہ ہے کہ یہ گلفروش ہے اور اسکے خار کی آواز ہے کہ ہماری طرف کو مت کوشش کرو۔ مطلب یہ کہ پھول تو اپنی خوشنمائی اور خوشرنگی کی طرف بلا رہا ہے اور کانٹا کہہ رہا ہے

کہ ذرا ہماری طرف ست آنا۔

ایں پذیرفتی بماندی زاں دگر — کہ محب از ضد محبوب است کر

یعنی تو نے اسکو قبول کرلیا تو اُس دوسرے سے رہگیا کہ محب محبوب کی ضد سے بہرا ہوتا ہی۔ مطلب یہ کہ دو آوازیں ضدین کی آرہی ہیں بس اگر تم نے ایک کو قبول کرلیا تو دوسرا تم سے چھوٹ جاویگا اور تمکو اُس دوسرے کی اصلی حالت معلوم نہو گی حبک الشی یعمی و یصم۔

آں یکے بانگ ایں کہ اینک حاضرم — بانگ دیگر بنگر اندر آخرم

یعنی ایک آواز تو یہ ہے کہ میں یہ حاضر ہوں اور دوسری آواز یہ ہے کہ میرے انجام میں دیکھ۔ مطلب یہ کہ عالم میں جو ضدین کی آوازیں آرہی ہیں تو ایک تو اپنے اس وجود موجود کی طرف ہی اشارہ کررہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ جو ہے بس یہی ہے اور دوسری شے انجام کی طرف اشارہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ۔

حاضری ام ہست چوں مکر و کمیں — نقش آخر ز آئینہ اول بہ بیں

یعنی کہ میری حاضری تو مکر و کمین کی طرح ہے نقش آخر کو آئینہ اول سے دیکھلے۔ مطلب یہ کہ وہ شے کہہ رہی ہے کہ میرا یہ وجود تو اسوقت مکر و کمین ہے کہ گھات میں ہے ایک دم آہی پڑے گی لہذا اسی وقت انجام کو دیکھ لو تو اچھی بات ہے۔

چوں یکے زیں دو جوال اندر شدی — آں دگر را ضد و نادر خور شدی

یعنی جبکہ ان دو گونوں میں سے تو ایک کے اندر چلا گیا تو اُس دوسری ضد کے تو نامناسب ہوگیا۔ مطلب یہ کہ اُن ضدین میں سے اگر تم نے ایک کو لے لیا تو پھر دوسری سے تمکو مناسبت نہ رہے گی بلکہ جسکو اختیار کرلیا ہے اُسی کے ہو رہو گے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اے خنک آنکو ز اول آں شنید — کش عقول و مسمع مرداں شنید

یعنی اچھا ہے وہ شخص جس نے کہ اول شے کو سن لیا جسکو کہ مردوں کے کان اور عقلیں سنتی ہیں۔

خانہ خالی یافت جا را او گرفت — غیر آنش کژ نماید یا شگفت

یعنی گھر کو خالی پایا تو اُس نے جگہ کو لے لیا اور اسکے علاوہ کج دکھائی دیتا ہے۔ یا عجیب۔ مطلب یہ کہ جبکہ ایکمرتبہ قلب خالی تھا تو اُسمیں ایک شے نے جگہ پکڑ لی اور وہ ایک شے اُسمیں جانشین ہوگئی

تو اب اسکے علاوہ جو شے بھی ہے وہ کج معلوم ہوتی ہے۔ اگر پہلے اچھی شئے نے جگہ پکڑ لی تو دوسری بری چیزیں بری معلوم ہوتی ہیں اور اگر بری شے نے جگہ پکڑلی تو اچھی چیزیں بری معلوم ہونے لگیں گی۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

کوزۂ نو کو بخود بولے کشید　　آں خبث را آب نتواند برید

یعنی نیا کوزہ جس نے کہ اپنے اندر پیشاب کو کھینچ لیا اس ناپاکی کو پانی قطع نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ کہ اگر کسی نئے سکورہ کو پیشاب میں ڈالدو اور وہ پیشاب اسکے اندر خوب بس جاوے پھر اسکو نکالو تو خواہ کتنا ہی دھویا جاوے اسکے اندر سے وہ بدبو وغیرہ زائل نہوگی اسی طرح اگر قلب میں کوئی بری شئے جاگزیں ہوگئی تو وہ بھی نہیں نکلتی اور اسی طرح ان دونوں میں انکا عکس سمجھ لیا جاوے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

درجہاں ہر چیز چیزے می کشد　　کفر کافر را و مرشد را رشد

یعنی دنیا میں ہر چیز ایک چیز کو کشش کرتی ہے کفر تو کافر کو کھینچتا ہے اور ہدایت والے کو ہدایت مطلب یہ کہ دنیا میں ہر شئے اپنے مناسب کو جذب کرتی ہے کفر کافر کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ہدایت مومن اور ہدایت والے کو کشش کرتی ہے (مرشد بفتح سوم اسم مفعول)۔

درجہاں ہر چیز چیزے جذب کرد　　گرم گرمی را کشید و سرد سرد

یعنی جہاں میں ہر چیز نے ایک چیز کو جذب کیا گرم نے گرمی کو کھینچا اور سرد نے سردی کو۔

کہربا ہم ہست و مقناطیس ہست　　تا تو آہن یا کہی آئی بہ شست

یعنی کہربا بھی ہے اور مقناطیس بھی ہے تاکہ (دیکھا جاوے کہ) تو لوہا ہے یا کاہ ہے۔ کہ جال میں آوے گا۔

برد مقناطیس ار تو آہنی　　ور کہی بر کہربا بر می تنی،

یعنی اگر تو لوہا ہے تو مقناطیس لے گیا۔ اور اگر تو گھاس ہے تو تو کہربا پر تنا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں دیکھو مقناطیس بھی ہے کہربا بھی ہر ایک اپنے مناسب کو کشش کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں نیک و بد سب ہیں ہر ایک اپنے مناسب کی طرف کھنچ رہا ہے اور اسی کے پاس جا رہا ہے

آں یکے چوں نیست با اخیار یار　　لاجرم شد پہلوئے فجار جار

یعنی وہ ایک جو کہ نیکوں کا ساتھی نہیں ہے آخر کار وہ فاجروں کے پہلو کا پڑوسی ہوا۔

آں یکے را صحبت خار اختیار　　لاجرم شد پہلوئے ہر خار خوار

یعنی اس ایک کیلئے کانٹے کی صحبت اختیار ہوئی تو آخر کار ہر ذلیل کانٹے کے پہلو میں ہوا۔
یعنی اگر کسی کو بدوں کی صحبت میسر آئی تو وہ اسی میں خوش ہے اور نیکوں سے وہ بچتا ہے اور اسی طرح اسکا عکس۔

ہست موسیٰ پیش قبطی بس ذمیم　　ہست ہامان پیش سبطی بس رجیم

یعنی فرعونیوں کے سامنے تو موسیٰ علیہ السلام بہت مذموم ہیں اور موسیٰ ع والوں کے آگے ہامان قابل رجم ہے۔

جان ہامان جاذب قبطی شدہ　　جان موسیٰ جاذب سبطی شدہ

یعنی ہامان کی جان قبطی کیلئے جاذب ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی جان سبطی کیلئے جاذب ہوئی۔

معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب　　معدۂ آدم جذوب گندم آب

یعنی گدہے کا معدہ جذب میں گھاس کو کھینچتا ہے اور آدمی کا معدہ گیہوں اور پانی کا جذب کرنے والا ہے۔ (گندم آب بحذف عاطف)۔

گر تو نشناسی کسے را از ظلام　　بنگر او را کوش ساز ید ست امام

یعنی اگر تو کسی کو ظلمتوں کی وجہ سے پہچان نہ سکے تو اس شخص کو دیکھ جس نے اسکو امام بنا رکھا ہے مطلب یہ کہ جب معلوم ہوا کہ نیک نیکوں کی طرف جاتا ہے اور بد بدوں کی طرف تو اگر تم کسی کامل کو بوجہ ظلمتوں کے جو تمھارے قلب پر پڑی ہوئی ہیں نہ پہچان سکو تو تم یہ کرو کہ اسکے تابعین کو دیکھو کہ ان میں سے اکثر کی کیا حالت ہے جو اکثر کی حالت ہو بس وہی اس متبوع کی حالت سمجھو آگے اسکی وجہ بیان کرتے ہیں کہ۔

زانکہ ہر کرہ پئے مادر رود　　تا بداں جنسیتش پیدا شود

یعنی اسلئے کہ ہر بچہ ماں کے پیچھے جاتا ہے یہانتک کہ اسکی جنسیت اس سے ظاہر ہوجاتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہو لیتا ہے اور اسی کے پیچھے چلتا ہے کیونکہ اسکی ہمجنس وہی ہے تو اسی طرح جو نیک ہیں انکے توابع بھی نیک ہی ہونگے۔ اور اسی مناسبت کی نظیر لاتے ہیں کہ۔

آدمی را شیر از سینہ رسد　　شیر خر از نیم زیرینہ رسد

یعنی آدمی کو تو دودھ سینہ میں سے پہونچتا ہے۔ اور گدھے کو نیچے کے آدھے جسم میں سے پہونچتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو انسان اشرف المخلوقات ہے لہذا اسکا دودھ تو سینہ میں سے آتا ہے۔ اور گدہا جو ارذل ہے اسکو جسم زیرینہ میں سے ملتا ہے یہی مناسبت پر دال ہے۔ آگے اسی مضمون بالا کے متعلق ایک سرخی لکھتے ہیں اس سرخی سے مقصود اسی مضمون کی تائید ہے۔ اور وہ اسی ہی کے متعلق ہے۔ اسکے آگے جو اشعار ہیں انکا مضمون اس سرخی سے نہیں ملتا بلکہ وہ بھی اسی مضمون بالا ہی سے متعلق ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل کبھی مولانا نے ایسا کیا نہیں کہ سرخی کو ماقبل کے متعلق کیا ہو بلکہ حسب عادت مصنفین سرخی مابعد ہی کے متعلق ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ سرخی سے اگلے اشعار میں سرخی کے مضمون سے کوئی ربط سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر کسی صاحب کو کوئی اور توجیہ اس سے بہتر سرخی کو مابعد کے متعلق کرنے کی سمجھ میں آوے تو وہ اضافہ فرمادیں۔

بیان اس امر کا کہ عارف کو غذا نور حق سے ملتی ہے جیسا کہ اس سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ارشاد نبوی ہے کہ ابیت عند ربی یطعمنی ویسقین۔ کہ میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں تو وہ مجھے کھلاتے پلاتے ہیں اور قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کہ بھوک خدا کا کھانا ہے کہ اس سے صدیقین کے ابدان زندہ رہتے ہیں یعنی بھوک میں اللہ کا کھانا پہونچتا ہے

مطلب اسکا یہ ہے کہ اوپر جو بیان ہوا ہے وہ اس امر کا ہے ہر شے کو اپنے مناسب غذا ملتی ہے

عارف کو نور حق کی غذا ملتی ہے۔ جیسا کہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اور چونکہ اوپر ذکر تھا کہ "آدمی را شیر از سینہ رسد" الخ پس اسی کے مناسب فرماتے ہیں کہ عارف کی غذا نور حق ہے اور اس کے یہی مناسب ہے آگے اشعار میں بھی یہی مضمون ہے۔

عدل قسام است و قسمت کردنیست ۔۔۔ اے عجب کہ جبر نے و ظلم نیست

یعنی عدل تقسیم کرنے والا ہے اور ایسا تقسیم کرتا ہے کہ تعجب ہے کہ نہ جبر ہے اور نہ ظلم ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو عدل نے ہر شئے کو اسکے مناسب چیز دی ہے اور پھر عجب یہ کہ نہ جبر ہے نہ ظلم ہے۔ اپنے اختیار سے کوئی اچھی چیز کو لیتا ہے اور کوئی بری شے کو لیتا ہے چونکہ یہاں ممکن تھا کہ کسی کو یہ شبہ ہوتا کہ تمہیں کیا خبر شاید جبر و ظلم ہی ہو اس شبہ کو کس خوبی سے رفع فرماتے ہیں کہ

جبر بودے کے پشیمانی بدے ۔۔۔ ظلم بودے کے نگہبانی بدے

یعنی جبر ہوتا تو پشیمانی کب ہوتی اور ظلم ہوتا تو نگہبانی کب ہوتی۔ مطلب یہ کہ اگر جبر ہوتا اور کچھ اختیار نہ ہوتا تو پھر مافات پر پشیمانی کیوں ہوتی۔ کہ افسوس یہ کیوں کیا انسان سمجھتا کہ میں تو مجبور محض تھا میں کیا کروں جو ایسا ہو گیا۔ پس اس پشیمان ہونے ہی سے معلوم ہوا کہ جبر نہیں بلکہ اختیار ہے کیونکہ دیکھو اگر کسی کے ہاتھ میں رعشہ ہو اور وہ کسی بڑے آدمی کے آگے ہلے تو کچھ پشیمانی نہیں ہوتی کیونکہ جانتا ہے کہ اسکے ہلنے میں میں مجبور ہوں اور ایک یہ کہ خود کسی بڑے آدمی کے آگے کھڑا ہو کر ہاتھ ہلانے لگے تو پھر پشیمان ہوگا۔ کہ میں نے ایسا کیوں کیا بڑی بے ادبی ہوئی پس اس پشیمان ہونے اور نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ اول میں مجبور تھا۔ اور دوسرے میرا اختیار سے کیا۔ اسی طرح جب اپنے کاموں پر پشیمانی ہوتی ہے تو پھر جبر محض کہاں ہے۔ علیٰ ہذا اگر ظلم ہوتا تو حق تعالیٰ نگہبانی کیوں فرماتے کہیں فرشتے مقرر ہیں اور کہیں اعضا نگہبانی کیلئے دئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم بھی نہیں ہے بس نہ ظلم ہے اور نہ جبر ہے بلکہ ہر شئے کو اسکے مناسب ہی شئے دی گئی ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

روز آخر شد سبق فردا شود ۔۔۔ راز ما را روز کے گنجا شود

یعنی دن آخر ہو گیا سبق کل کو ہوگا اور ہمارے راز کیلئے دن کب گنجائش والا ہوتا ہے مطلب یہ کہ یہ بیان بہت طویل ہے دن اس بیان کیلئے کافی نہیں ہیں۔ لہذا اسکو ترک کرو۔ پھر دیکھا

جاویگا کبھی بیان کرینگے آگے ان سبکا ماحصل بیان کرتے ہیں کہ۔

حاصل آنکہ در دخول و در ایاب　　در نگر و اللہ اعلم بالصواب

یعنی حاصل یہ ہے کہ آنے میں اور جاتے میں غور کرو و اللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ ہر شے کے وجود و عدم میں غور کرو۔ اور اس سے عبرت حاصل کرو۔ باقی ٹھیک بات کی اللہ کو خبر ہے آگے مولانا پھر دنیا دارونکو خطاب فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

دنیا پر مغرور ہونیوالوں کو اور نفس کے گرفتارونکو خطاب

اے بکردہ اعتماد و اتقے　　بردم و بر جا پلوسی فاسقے

قبہ بر ساختستی از حباب　　آخر آں خیمہ است بس واہی طناب

رزق چوں برق است اندر نور آں　　راہ نتوانند دیدن رہرواں

اینجہاں واہل او بیحاصل اند　　ہر دو اندر بیوفائی یکدل اند

زادۂ دنیا چو دنیا بیوفا است　　گرچہ رو آرد بتو آں رو قفا است

اہل آں عالم چو آں عالم زبر　　تا ابد در عہد و پیماں مستمر

محو دو پیغمبر ہم کے ضد شدند　　معجزات از عہد گر کے بستدند

کے شود پژمردہ میوہ آں جہاں　　شادی عقبے نگردد اندہاں

نفس بے عہد است زاں او کشتنی است　　او دنی و قبلہ گاہ آں دنی است

نفسہا را لائق است ایں انجمن　　مردہ را در خور بود گور و کفن

نفس اگرچہ زیرک است و خورده‌داں ۔۔۔ قبلہ اش دنیا است او را مرده‌داں

آب وحی حق بدیں مرده رسید ۔۔۔ شد ز خاک مردهٔ زنده پدید

تا نیاید وحی تو غرّه مباش ۔۔۔ تو بداں گلگونۂ طال لقاش

بانگ و صیتے جو کہ آں خامل نشد ۔۔۔ تاب خورشیدے کہ آں آفل نشد

آں ہنرہائے دقیق و قال و قیل ۔۔۔ قوم فرعون اند اجل چوں آب نیل

رونق و طاق و طرنب و سحر شاں ۔۔۔ گرچہ خلقاں را کشد گردنکشاں

سحرہائے ساحراں داں جملہ را ۔۔۔ مرگ چوبے داں کہ آں شد اژدہا

جادوییہا را ہمہ یک لقمہ کرد ۔۔۔ یک جہاں پر شب بد آنرا صبح خورد

نور ازاں خورشید شد افزوں و بیش ۔۔۔ بل ہمانست کو بوده است پیش

در اثر افزوں شد و در ذات نے ۔۔۔ ذات را افزونی و آفات نے

حق ز ایجاد جہاں افزوں نشد ۔۔۔ آنچہ اول آں نبود اکنوں نشد

لیک افزوں شد اثر ز ایجاد خلق ۔۔۔ در میاں ایں دو افزونیست فرق

شد فزونی اثر اظہار او ۔۔۔ تا پدید آید صفات و کار او

ہست افزونی ہر ذاتی دلیل ۔۔۔ کو بود حادث بعلتہا علیل

نکتہ شد باریک اینجا اے رفیق ۔۔۔ لیک بشنو تو مقالات دقیق

چونکہ مولانا ترک دنیا کی ترغیب دے رہے تھے اور بیچ میں تقسیم طعام و جذب و انجذاب کی بحث استطراداً آگئی تھی۔ اسلئے اس سے فارغ ہوکر پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص جو اہل دنیا کی مکر اور انکی چکنی چپڑی باتوں پر پورا بھروسہ کئے ہوئے ہے یاد رکھ کہ تو نے اپنے لئے بلبلہ کا خیمہ بنایا ہے۔ اور یہ خیمہ آخر میں نہایت کمزور ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ

چاپلوسی محض فریب ہے اور فریب یوں ہی بے سود ہوتا ہے جیسے برق کہ گو وہ روشن ہوتی ہے مگر اس سے چلنے والوں کو رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ تجھے جاننا چاہیئے کہ یہ عالم ناسوت اور اسکے وابستگان کسی مصرف کے نہیں اور دونوں بیوفائی میں متفق ہیں اور ابناء دنیا یوں ہی بیوفا ہیں جیسے خود دنیا ہے۔ گو وہ تیری طرف متوجہ بھی ہوں تو بھی اس توجہ کو اعراض سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ محض چند روزہ ہے اور انجام اسکا اعراض ہے۔ برخلاف اہل دنیا کے اہل عقبیٰ اپنی نیکی سے عقبیٰ کی طرح اپنے عہد و پیمان پر ثابت قدم ہیں اور کبھی بیوفائی نہیں کرتے اہل عقبیٰ کی وفاداری کا ثبوت تو یہ ہے کہ دو پیغمبر آپس میں کبھی مخالف نہیں ہوتے۔ اور انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ ایک نے دوسرے کا معجزہ چھینا ہو۔ برخلاف اہل دنیا کے کہ وہ ایک دوسرے کی دولت کے درپئے رہتے ہیں۔ اور عقبیٰ کی وفاداری کا ثبوت یہ ہے کہ اُس جہاں کے میوے پژمردہ نہیں ہوتے۔ اور اُسکی خوشی مبدل بہ غم نہیں ہوتی۔ برخلاف دنیا کے کہ اسکے میووں اور اسکی خوشی میں یہ بات نہیں۔ پس تم دنیا اور اہل دنیا کو چھوڑو اور عقبیٰ اور اہل عقبیٰ سے تعلق پیدا کرو اور یاد رکھو کہ نفس بھی بدعہد اور بیوفا ہے اسلئے یہ بھی مارنے کے قابل ہے۔ پس تم اسے بھی مار دو اور اس سے وابستگی نہ پیدا کرو۔ کیونکہ یہ خود بھی خسیس ہے اور اسکا مطمح نظر یعنی دنیا بھی خسیس ہے اسلئے شرفا کو اس سے تعلق رکھنا اور اسکی اطاعت کرنا زیبا نہیں اور یہ اسکے مطمح نظر یعنی دنیا سے تعلق رکھنا زیبا ہے۔ کیونکہ یہ محفل تو انہیں لوگوں کے مناسب ہے جو غلبۂ نفس سے سراپا نفس ہو گئے ہیں کیونکہ وہ مردہ ہیں اور یہ انکے لئے بمنزلہ گور و کفن کے ہے۔ اور گور و کفن مردہ کے مناسب ہے۔ نہ کہ زندہ کے یاد رکھو کہ نفس کتنا ہی دانا اور باریک بیں ہو لیکن چونکہ اسکا مطمح نظر دنیا ہے اسلئے وہ مردہ ہی ہے ہاں جبکہ وحی حق کا آب حیات اس تک پہونچتا ہے اور وہ مرجع نور الہام حق بنتا ہے اسوقت یہ مردہ مٹی سے زندہ ہو کر نکلتا ہے۔ لیکن جب تک حق سبحانہ کی طرف سے وحی نہ آئے یعنی وہ محل انوار و الہامات نہ بنے اسوقت تک لوگوں کے اس کہنے سے کہ اس شخص کے بقا اور اسکا وجود بہت دنوں سے ہے دہوکا نہ کھانا چاہیئے۔ اور ان لوگوں کے اُسکی طرف وجود اور بقا کو منسوب کرنے سے اسے زندہ نہ سمجھنا چاہیئے اسلئے کہ یہ حیات ظاہری محض ایک یاد و ذکر ہے جو عنقریب فنا ہونے والا ہے۔ جسکے فنا ہونیکے بعد یہ شہرت بھی فنا ہو جائیگی۔ (پس گلگونہ طال بقاش میں اضافت بادنے ملابست ہے اور حاصل گلگونہ کہ منشار قولہم طال بقارہ ہے۔ اور

طال بقاره جملہ خبریہ ہے نہ کہ دعائیہ واللہ اعلم) پس تمکو وہ شہرت طلب کرنی چاہیئے جو کبھی مضمحل نہ ہوگی
اور وہ اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ حیات ابدی حاصل ہو لہذا حیات ابدی حاصل کرنی چاہیئے۔ جو
نور حق کے حصول سے حاصل ہوتی ہے۔ پس تم کو اس آفتاب کی روشنی حاصل کرنی چاہیئے جو کبھی غروب
نہ ہوگا۔ اور اسوجہ سے وہ روشنی ہی دائم رہیگی۔ تاکہ تم کو حیات دائم حاصل ہو اب ہم تمکو ان اشیاء
دنیویہ کی حقیقت بتلاتے ہیں جو بلنشا ہیں تمہارے دنیا کے ساتھ وابستگی کا سو سنو کہ وہ نازک پیشہ
اور تحقیق علوم دنیویہ وغیرہ ہیں۔ نازک پیشوں اور تحقیقات علمیہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بمنزلہ قوم
فرعون کے ہیں اور موت آب نیل کی طرح انکو فنا کر دینے والی ہے اور ٹیپ ٹاپ اور شان وشوکت
اور انکا افسوں یہ سب گو لوگو نکو خواہی نخواہی اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ لیکن ان سب کی مثال ایسی ہے
جیسے ساحران فرعون کی جادوگریاں۔ اور موت ایک لاٹھی ہے جو اژدہا بنکر ان سب جادوگریوں کو
کھا جاتی ہے۔ اور اسکے ان سبکو نگل جانیکی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے ایک جہاں تاریکی شب سے پر ہو۔
اور صبح اُس تمام تاریکی کو کھا جاوے۔ اب یہاں ہم تم کو ایک فائدہ زائد بتلانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ گو نور
اس تمام تاریکی کو کھا جاتا ہے جو تمام عالم کو پر کئے ہوئے تھی مگر نور میں اس کھانے سے کچھ بھی زیادتی نہیں
ہوتی بلکہ وہ اُسی طرح رہتا ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا اسکے اثر میں تو زیادتی ہوتی ہے مگر اسکی ذات میں کچھ
زیادتی نہیں ہوتی۔ کیونکہ نفس ذات قابل زیادت ونقص نہیں اگر کسی امر خارج کے سبب ذات میں اضافہ
ہو تو وہ دوسری بات ہے دیکھو عالم کے پیدا کرنے سے حق سبحانہ کے اندر کوئی اضافہ نہیں ہوا اور جو وہ
پہلے نہ تھے اس ایجاد سے وہ نہ ہوگئے۔ مگر ایجاد عالم سے اثر میں بیشک زیادتی ہوئی۔ لیکن اثر ذات
کی زیادتی اور چیز ہے اور نفس ذات کی زیادتی اور شئے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس ایجاد عالم
سے نفس ذات حق سبحانہ میں تو کوئی زیادتی نہ ہوئی۔ ہاں اسکے اثر میں زیادتی ہوئی۔ اور وہ زیادتی
اثر اس ذات کا ظہور ہے۔ کہ ایجاد عالم سے افعال وصفات ظاہر ہوئیں۔ اور ظہور افعال وصفات
ظہور ذات ہے۔ ذات واجب سے ہم نے زیادتی کی اس لئے نفی کی کہ قبول زیادت کی صورت میں
اسکا حادث ہونا لازم آئیگا۔ اسلئے کہ ہر ذات کی زیادتی دلیل ہے اسکی کہ وہ حادث اور معلول علل ہے
کیونکہ افزونی ذات بحتہ کے یہ معنی ہیں کہ اسکا کوئی جز پہلے معدوم ہوا اور پھر موجود ہو جاوے۔ بس یہ
جز لامحالہ حادث ہوگا اور جب ایک جز حادث ہوا تو کل بھی ضرور حادث ہوگا۔ نیز لازم ہے کہ وہ ذات

قبل اس جزو کے ناقص ہو اور نقصان منافی ہے وجوب کے اسلئے لازم ہے کہ جسقدر ذوات پہلے موجود تھی وہ بھی حادث ہو اور چونکہ ہر حادث معلول ہے اسلئے لازم ہے کہ وہ بھی معلول ہو۔ یہ ایک باریک بات ہے اور کچھ ضروری بھی نہیں اسلئے اسکو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور دیگر باریک اور مفید مضامین سننے چاہیئیں **ف** واضح ہو کہ "ذات را، افزونے وآفات نے،، ایک حکم عام ہے جو شامل ہے واجب وممکن دونوں کو اور یہ ایک دلیل مستقل سے ثابت ہے جسکو مولانا نے کسی وجہ سے بیان نہیں فرمایا۔ اور قبول زیادت سے لزوم حدوث یہ دلیل مختص ہو۔ ذات واجب تعالیٰ کیساتھ اور ذوات ممکنہ کی عدم قبول زیادت سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ انکا عدم قبول زیادت دوسری دلیل سے ثابت ہے جسکو مولانا نے بیان نہیں فرمایا۔ اسکو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ اور دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔

شرح شبیری

دنیا پر مغرور ہونیوالوں کو اور نفس کے گرفتاروں کو خطاب

اے بکردہ اعتماد و اتقی — بر دم و بر چاپلوسی فاسقی

یعنی اے وہ شخص جو کہ ایک فاسق کے دھوکہ اور چاپلوسی پر مضبوط بھروسہ کئے ہوئے ہے۔

قبۂ بر ساختستی از حباب — آخر آں خیمہ است بس واہی طناب

یعنی تو نے ایک قبہ بلبلے کا بنایا ہے آخر کار وہ خیمہ بہت ہی کمزور طنابوں پر ہے۔ مطلب یہ کہ اے شخص تو نے جو دنیا دار فاسق و فاجر کی باتوں پر بھروسہ کر رکھا ہے یہ اعتماد بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی بلبلہ کا خیمہ بناوے تو ظاہر ہے کہ وہ خیمہ بہت ہی کمزور اور واہی ہوگا۔ اسی طرح تمھارا یہ اعتماد بھی واہی اور بے بنیاد ہے۔

زرق چوں برق است اندر نور آں + راہ نتوانند دیدن رہرواں

یعنی مکر بجلی کی طرح ہے کہ اسکے نور میں راہ چلنے والے راہ نہیں چل سکتے۔ مطلب یہ کہ اس دنیا کا مکر و فریب ایسا ہے جیسا کہ بجلی کی چمک کہ بجلی کی چمک میں جسطرح کوئی راہرو راہ نہیں چل سکتا۔ اسی طرح اس مکر و فریب کے ذریعہ سے راہ حق طے نہیں ہو سکتی۔

این جہان و اہل او بے حاصل اند ہر دو اندر بیوفائی یک دل اند

یعنی یہ جہان اور اسکے اہل سب بیحاصل ہیں اور دونوں بیوفائی میں ایک دل ہیں یعنی دنیا اور اہل دنیا سب کے سب بیوفا ہیں اور دونوں کی حالت یکساں ہے۔

زادۂ دنیا چو دنیا بیوفاست گرچہ رو آرد بتو آں رو قفاست

یعنی دنیادار دنیا ہی کی طرح بیوفا ہے اگرچہ وہ تیری طرف منہ لاوے وہ منہ گدّی ہی ہے مطلب یہ کہ جس طرح دنیا بیوفا ہے اسی طرح اہل دنیا بھی بیوفا ہیں اور اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں راہ راست پر چل رہے ہیں مگر جو دنیا میں راہ راست دکھلائی دیتی ہے وہ اصل میں اور حقیقت میں کج ہوتی ہے۔

اہل آں عالم چو آں عالم زبر تا ابد در عہد و پیماں مستمر

یعنی اس عالم والے اس عالم ہی کی نیکی کی وجہ سے ہمیشہ تک عہد و پیماں میں مستمر ہیں۔ مطلب یہ کہ اس جہان والے بیوفا نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے عہد و پیماں میں پختہ ہوتے ہیں ان کو کسی سے حسد یا بیوفائی وغیرہ نہیں ہوتا۔ آگے اسکے نظائر فرماتے ہیں کہ۔

خود دو پیغمبر بہم کے ضد شدند معجزات ہمدگر کے بستدند

یعنی دو پیغمبر کب آپس میں ضد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے معجزات کو کب لیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو پیغمبر جو اس جہان والے ہیں انکو آپس میں ضد نہیں ہوتی۔ اور ایک دوسرے کے معجزات پر حسد نہیں ہوتا کہ ایک یوں سمجھے کہ میں دوسرے کے معجزے لیلوں بلکہ ہر شخص دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم اور دوسرے کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

کے شود پژمردہ میوہ آنجہاں شادی عقبیٰ نگردد اندہاں

یعنی اس جہان کے میوے پژمردہ کب ہوتے ہیں اور آخرت کی شادی غم کب ہوتی ہے مطلب یہ کہ طاعات سے جو ثمرات ملتے ہیں وہ کبھی پژمردہ نہیں ہوتے۔ علیٰ ہذا وہاں کی خوشی کو غم زائل نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہمیشہ خوشی ہی رہتی ہے۔

نفس بے عہد است زاں رو کشتنی است او دنی و قبلہ گاہ او دنی است

یعنی نفس بیوفا ہے اسلئے قابل مار ڈالنے کے ہے۔ وہ کمینہ ہے اور اسکا قبلہ گاہ (یعنی دنیا) بھی کمینہ ہی ہے

نفس ہا را لائق است این انجمن — مردہ را در خور بود گور و کفن

یعنی نفوس کیلئے یہی انجمن (یعنی دنیا) لائق ہے کہ گور و کفن مردہ ہی کے مناسب ہوا کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ گور و کفن مردہ ہی کے مناسب ہے کہ زندہ کو کوئی گور و کفن نہیں دیتا اسی طرح یہ دنیا بھی نفس ہی کے مناسب ہے، روح کا مسکن یہ نہیں ہے۔

نفس اگرچہ زیرک است و خردہ داں — قبلہ اش دنیا است او را مردہ داں

یعنی نفس اگرچہ ہوشیار اور باریک باتوں کا جاننے والا ہو (لیکن) اسکا قبلہ (چونکہ) دنیا ہی ہے اسکو مردہ ہی جانو۔ مطلب یہ کہ نفس اگرچہ کتنا ہی ہوشیار اور چالاک ہو مگر چونکہ اسکا قبلہ و کعبہ دنیا ہے اسلئے وہ بمنزلہ مردہ ہی کے ہے۔ اسکی زیرکی اور ہوشیاری کو زندگی نہ کہیں گے کیونکہ اسکو حیات اصلی حاصل نہیں ہے تو وہ بمنزلہ مردہ ہی کے ہے۔ آگے بعض نفوس کو مستثنیٰ فرماتے ہیں کہ۔

آب وحی حق بدیں مردہ رسید — شد ز خاک مردۂ زندہ پدید

یعنی وحی حق کا پانی جو اس مردہ کو پہونچا تو خاک مردہ سے زندہ ظاہر ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اگر اس نفس کو وحی حق کا پانی ملگیا تو وہ بھی زندہ ہو گیا اور اسکو حیات ابدی حاصل ہو گئی۔

تا نیاید وحی زو غرّہ مباش — تو بداں گلگونۂ طال بقاش

یعنی جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ آوے تو اس طال بقاش کے پوڈر سے مغرور مت ہو۔ (طال بقاش سے مراد نفس و عاہی) مطلب یہ کہ لوگ جو تم کو دعائیں دیتے ہیں اور تمھاری تعریفیں کہتے ہیں تم اس سے مغرور مت ہو جانا بلکہ اپنی حالت کو وحی حق کے مطابق کرو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر مطابق نہیں ہے تو بہتر نہیں ہے انکی تعریفوں سے مغرور مت ہو بلکہ

بانگ و صیتے جو کہ آں خامل نشد — تاب خورشیدے کہ آں آفل نشد

یعنی وہ آوازہ اور ذکر خیر ڈھونڈھو جو گمنام نہو اور اس خورشید کی چمک (ڈھونڈھو) جو کہ غروب نہو۔ مطلب یہ کہ وہ اصلی حالات تلاش کرو جنکو زوال نہو۔ اور وہ ظاہر ہے کہ احوال باطن ہی ہیں آگے اضداد دنیا کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

آں ہنرہائے دقیق و قال و قیل — قوم فرعون اند اجل چوں آب نیل

یعنی دنیا کے دقیق ہنر اور قال و قیل قوم فرعون ہیں اور موت آب نیل کی طرح ہے۔ مطلب یہ کہ

دنیا کے بڑے بڑے دقیق ہنروں کی مثال قوم فرعون جیسی ہے کہ گمراہ و گمراہ کن ہیں اور ان کیلئے موت آب نیل کی طرح ہے کہ جس آب نیل نے اُن سبکو ہلاک کر دیا تھا اسی طرح موت ان سبکو ہلاک کر دیتی ہے یہاں ایک تاریخی فائدہ بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ بظاہر آب نیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم فرعون دریائے نیل میں غرق ہوئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ نیل تو مصر کے بالکل کنارہ ہی پر تھا اور فرعون نے بنی اسرائیل کو مصر سے بہت آگے نکلکر پایا ہے پھر قرآن شریف میں لفظ یم وغیرہ ہے جسکے معنی دریا کے نہیں ہیں بلکہ فرعون سمندر میں غرق ہوا ہے اور اسکو آب نیل اسلئے کہا کہ قاعدہ ہے کہ جب پانی گہرا ہوتا ہے تو اسکا رنگ نیلا معلوم ہوا کرتا ہے اور اگر بہت ہی زیادہ گہرا ہو تو رنگ سیاہ معلوم ہوا کرتا ہے تو چونکہ جہاں یہ غرق ہوا ہے اُسکا رنگ نیلا تھا اسلئے مولانا نے اور ایک جگہ شیخ سعدیؒ نے بھی آب نیل سے اسکو تعبیر کیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔ چونکہ یہاں دنیا کے کاموں کو قوم فرعون سے مثال دی ہے اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ

رونق و طاق و طرب سحر شاں ۔۔۔ گرچہ خلقاں را کشد گردن کشاں

یعنی اُن کے جادو کی رونق اور ترق بھڑک اگرچہ مخلوق کو گردن کشاں کھینچ رہی ہیں۔ (مگر)

سحر ہائے ساحراں داں جملہ را ۔۔۔ مرگ چوبے داں کہ آں شد اژدہا

یعنی سبکو جادوگروں کا جادو جانو اور موت ایک لکڑی ہے جو کہ اژدہا ہو گئی۔

جادوئیہا را ہمہ یک لقمہ کرد ۔۔۔ یک جہاں پر شب بداں را صبح خورد

یعنی تمام جادوؤں کو ایک لقمہ کر گیا ایک جہاں پر شب تھا اسکو صبح کھا گئی۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ کام قوم فرعون کی طرح ہے تو انکی چمک دمک کو دیکھکر تم ان پر فریفتہ مست ہو جانا۔ بلکہ انکو صرف جادوگر ونکا جادو سمجھو کہ انھوں نے نظر بندی کر رکھی ہے اسوجہ سے یہ اشیاء ذیشان اور پر رونق معلوم ہوتی ہیں ورنہ جسطرح وہ لاٹھی اژدہا بنکر سبکو ہضم کر گئی تھی اسی طرح موت ان سب چیزوں کو فنا کر دیگی۔ اور اسکے بعد پھر کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ اور پھر ایسی مثال ہو جاویگی جیسے کہ رات کے بعد صبح آوے تو رات کا کہیں نام و نشان نہیں رہتا۔ ایک دم غائب ہو جاتی ہے اسی طرح موت سے یہ سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں آگے ایک فائدہ استطراداً بیان فرماتے ہیں کہ۔

نور ازاں خورشید ہم در فرون نہ شد ۔۔۔ بل ہماں سانست کو بودست پیش

یعنی نور اُس کھالینے سے زیادہ نہیں ہوا بلکہ اتنا ہی ہے جتنا کہ پہلے تھا۔

در اثر افزوں شد و در ذات نے　　　ذات را افزونی و آفات نے

یعنی اثر میں زیادتی ہوئی ذات میں نہیں ہوئی ذات کیلئے زیادتی کمی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ نور نے جو صبح کو کھالیا یا اژدہانے اُن سانپونکو کھالیا اس کھالینے سے ان چیزوں میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی اسلئے کہ منطق کا مسئلہ ہے کہ لا تشکیک فی الماھیات تو ذات میں زیادتی کمی نہیں ہوتی بلکہ زیادتی کمی صفات میں ہوا کرتی ہے۔ ذات من حیث الذات میں کوئی زیادتی کمی نہیں ہوتی یہ تو کل ذوات کیلئے تھا کہ کسی میں زیادتی کمی نہیں ہوتی۔ آگے خاص ذات حق کی نسبت فرماتے ہیں کہ۔

حق ز ایجاد جہاں افزوں نشد　　　انچہ اول آں نبود اکنوں نشد

یعنی حق تعالیٰ ایجاد جہان سے زیادہ نہیں ہوئے جو وہ اول نہیں تھے اب نہیں ہوئے +

لیک افزوں شد اثر ز ایجاد خلق　　　درمیاں ایں دو افزونیست فرق

یعنی لیکن ایجاد خلق سے اثر میں زیادتی ہوگئی ہے اور ان دونوں زیادتیوں میں بہت فرق ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کیا اس سے ذات حق میں (نعوذ باللہ) کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ اور کوئی بات اس ایجاد خلق سے ذات حق میں ایسی پیدا نہیں ہوگئی کہ جو پہلے نہ تھی۔ بلکہ الآن کما کان اُسکی ذات میں کوئی زیادتی یا کمی ممکن ہی نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ ہاں ایجاد خلق سے اثر ظاہر ہوا یعنی صفات حق کا ظہور ہوگیا۔ جیسا کہ اظہر ہے اور ظہور اثر و صفات میں اور زیادتی فی الذات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کہاں وہ کہاں یہ اور چونکہ یہاں کہا تھا کہ لیک افزوں شد اثر تو آگے خود ہی افزونی اثر کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہست افزونی اثر اظہار او　　　تا پدید آید صفات و کار او

یعنی اثر کی زیادتی اُسکا اظہار ہے تاکہ اُسکی صفات اور کام ظاہر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ افزونی اثر مراد اظہار اثر ہے تاکہ اُس اظہار سے صفات حق ظاہر ہوں جیسا کہ ارشاد ہے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق تو دیکھئے ایجاد خلق سے مقصود معرفت تھی کہ عالم کو دیکھکر استدلال وجود صانع پر کریں اور پھر معرفت حاصل ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ

ہست افزونی ہر ذات دلیل　　کو بود حادث بعلتہا علیل

یعنی ہر ذات کی زیادتی دلیل ہے کہ وہ حادث ہے اور علتوں کے ساتھ علیل ہے۔ مطلب یہ کہ ذات میں جو تغیر تبدل ہوتا ہے یہ تغیر تبدل اس امر پر دال ہے کہ وہ ذات حادث ہے اور معلل بعلت ہے۔ جب تو اسمیں یہ تغیر تبدل ہو رہا ہے ورنہ ذات حق جو کہ قدیم ہے اسمیں یہ تغیر وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے چونکہ یہ مضامین مشکلہ دقیقہ ہو گئے تھے اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ

نکتہ شد باریک اینجا اے رفیق　　لیک بشنو تو مقالات دقیق

یعنی اسجگہ اے ساتھی نکتے باریک ہو گئے۔ لیکن تو باریک باتوں کو سن۔ مطلب یہ کہ یہ باتیں تو بہت باریک ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتیں تم انکو تو چھوڑو اور دوسرے نازک اور لطیف مضامین سنو۔ جو سمجھ میں ہی آویں۔ آگے آیت فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ جب حق آیا تو باطل مٹ گیا اور اسکا ربط اوپر کے مضمون سے یہ ہے کہ اوپر بیان کیا تھا کہ امور دنیا امور آخرت کے آگے بالکل ہیچ ہیں چونکہ مولانا کا ذہن اس مضمون کی طرف منتقل ہوا تھا اسی لئے فرمایا تھا کہ یہ باتیں بہت باریک ہو گئی ہیں انکو چھوڑ کر اور نازک اور لطیف باتیں سنو ان سے وہی ترجیح الآخرۃ علی الدنیا کا مضمون بیان کرنا تھا اور اسی کے مناسب آگے مضمون ہے۔

شرح حبیبی

آیت فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لاتخف الخ کی تفسیر

گفت موسیٰ سحر ہم حیران کنی است　　چوں کنم کایں خلق را تمیز نیست

گفت حق تمیز را پیدا کنم　　عقل بے تمیز را بینا کنم

چونکہ معجزہات را ظاہر کنم　　عقل را در دیدنش فاخر کنم

دیدہ بخشم عقل بے تمیز را　　کور سازم جاہل ناچیز را

گرچہ چون دریا برآوردند کف | موسیا تو غالب آئی لاتخف
بود اندر عہد خود سحر افتخار | چون عصا شد مار آنہا گشت عار
ہر کسے را دعوے حسن و نمک | سنگ مرگ آمد نمکہا را محک
سحر رفت و معجزہ موسیٰ گذشت | ہر دو را از بام بود افتاد طشت
بانگ طشت سحر جز لعنت نماند | بانگ طشت دین بجز رفعت نماند
چون محک پنہان شدہ است از مرد و زن | در صف آ ای قلب اکنون لاف زن
وقت لافستت محک چون غائب است | می برندت از عزیزے دست دست
ہر دست عزی و نازے در فزود | چون محک آمد چرا گشتے کبود
قلب می گوید ز نخوت ہر دمم | اے زر خالص من از تو کے کمم
زر ہمی گوید بلے اے خواجہ تاش | لیک می آید محک آمادہ باش
مرگ تن ہدیہ است بر اصحاب راز | زر خالص را چہ نقصان است گاز
قلب اگر در خویش آخر بین بدے | آن سیہ کآخر شد او اول شدے
چون شدے اول سیہ اندر لقا | دور بودے از نفاق و از شقا
کیمیائے فضل را طالب بدے | عقل او بر زرق او غالب بدے
چون شکستہ دل شدے از حال خویش | جابرا شکستگان دیدے بہ پیش
عاقبت را دید او اشکستہ شد | از شکستہ بند در دم بستہ شد
فضل مسہا را سوئے اکسیر راند | آن زر اندود از کرم محروم ماند
اے زر اندودہ مکن دعوی بہ بین | کہ نماند مشتریت اے عمے چنین،

نور محشر جسم شان بینا کند	چشم بندی ترا رسوا کند
بنگر آنہا را کہ آخر دیدہ اند	حسرت جانہا و رشک دیدہ اند
منگر آنہا را کہ حالے دیدہ اند	سر فاسد ز اصل سر بریدہ اند
پیش حالے بیں کہ در جہل است و شک	صبح صادق صبح کاذب ہر دو یک
صبح کاذب صد ہزاراں کارواں	داد بر باد ہلاکت اے جواں
صبح صادق را طلب کن اے عزیز	تا ز صدق او شوی صاحب تمیز
نیست نقدے کش غلط انداز نیست	وائے آں جاں کش محک و گاز نیست
باز او سوئے غلام و کتبش	کہ سوی شہ می نویسد نامہ خوش

چونکہ اوپر عصائے موسیٰ کے سحر ہائے فرعون کو نگل جانے کا ذکر تھا اس مناسبت سے مولانا مضمون ذیل تحریر فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے اللہ جادو بھی دنگ کر دینے والی شے ہے جس طرح کہ معجزہ۔ پس ایسی حالت میں نہایت پریشان ہوں کہ کیا کروں جس سے لوگوں کو معجزہ اور جادو میں تمیز ہو جاوے۔ کیونکہ ان لوگوں میں قوت ممیزہ نہیں ہے جو دونوں میں امتیاز کر سکتی ہے۔ اسکے جواب میں حق سبحانہ نے فرمایا کہ میں تمیز کو پیدا کر دونگا اور انکی غیر ممیز عقول کو بینا کر دوں گا تاکہ یہ معجزہ اور جادو میں امتیاز کر سکیں اور جبکہ میں آپ کے معجزے ظاہر کرونگا تو اسکے ساتھ عقول کو ان کے دیکھنے کا فخر بھی بخشونگا۔ اور بعض عقول غیر ممیزہ کو چشم بصیرت عطا کرونگا۔ لیکن یہ حکم کلی نہیں بلکہ اکثری ہے کیونکہ معاندوں کو بینا نکرونگا بلکہ ان کو اور اندھا کر دونگا۔ پس آپ مطمئن رہیں اور کچھ خوف نکریں کیونکہ اگر یہ لوگ دریا کی طرح جوش زن ہیں مگر غالب آپ ہی ہوں گے جس سے معجزہ اور سحر کا فرق اہل بصیرت کے نزدیک واضح ہو جاویگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور باوجودیکہ جادو اسوقت نہایت قابل فخر چیز تھا مگر جب لاٹھی اژدہا بنی تو وہ سب کا سب بجائے موجب افتخار ہونے کے موجب ننگ و عار ہو گیا۔ اب سمجھو کہ دنیا میں ہر شخص اپنی حسن و خوبی معنوی کا مدعی ہے۔ لیکن موت کی کسوٹی انکی تمام ادعائی محاسن کی قلعی کھولدینے والی ہے گو

لوگوں کے ادعائی محاسن صورت میں محاسن حقیقیہ کے مشابہ ہوں۔ مگر دونوں میں بہت فرق ہے دیکھو سحر فرعونی اور معجزۂ موسیٰ متشابہ تھے مگر دونوں میں بہت فرق تھا چنانچہ جادو بھی فنا ہو گیا اور معجزۂ موسیٰ بھی گذر گیا۔ اور بام ہستی سے ہر ایک کا طشت گرا یعنی دونوں نے شہرت حاصل کی مگر باوجود اس تشابہ و اشتراک کے دونوں میں ایک بڑا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ طشت سحر کی آواز تو لعنت اور پھٹکار ہی اور طشت دین کی آواز رفعت و منزلت رہی غرض کہ ایک نے اپنا برا اثر چھوڑا اور ایک نے اچھا۔ پس اس تفاوت آثار سے تفاوت حقائق ہر دو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے اب مولانا غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ او کھوٹے سونے یعنی مدعی حسن و کمال موت کی کسوٹی ہنوز مخفی ہے اسلئے تو کھروں کی صف میں کھڑا ہو کر خوب شیخیاں بگھار لے۔ چونکہ ابھی کسوٹی سامنے نہیں ہے۔ اسلئے ابھی وقت ہے۔ کہ تو شیخیاں مارلے اور لوگ تیری قدر کر کے تجھے ہاتھوں ہاتھ لیجائیں۔ اور ہر وقت تیری عزت اور ناز بڑھتا رہے۔ لیکن جب کسوٹی آئیگی اسوقت پوچھا جاویگا کہ آپ تو کھرے ہونیکے مدعی تھے اب سیاہ کیوں ہو گئے۔ اصلی سونا کہتا ہے کہ کھوٹا سونا مجھ سے ہر دم کہتا ہے کہ زر خالص میں تجھ سے کب کم ہوں۔ تم پوچھوگے کہ خالص سونا اسکا کیا جواب دیتا ہے پس میں کہتا ہوں کہ اسکا وہ یہ جواب دیتا ہے کہ بجا ارشاد ہے۔ لیکن کسوٹی آتی ہے ذرا اسپر کسے جانے کیلئے تیار رہئے۔ اسوقت آپکو اپنے دعوی کی حقیقت معلوم ہوگی۔ غرض کہ موت ناقصین کیلئے مضر ہے کیونکہ انکے نقصان کو ظاہر کرتی ہی برخلاف کمل اہل اللہ کے کہ اُن کیلئے ہدیہ کی طرح نافع ہے۔ اور جسطرح سونے کو قینچی سے کچھ نقصان نہیں ہوتا بلکہ فائدہ ہوتا ہے کہ اسکا کمال ظاہر ہوتا ہے یوں ہی اہل اللہ کو موت سے ضرر نہیں ہوتا بلکہ نفع پہنچتا ہے اس کھوٹے سونے (مدعی کمال) نے سخت غلطی کی کہ انجام کو نہ سوچا۔ اگر وہ اپنے انجام کو دیکھتا تو وہ بجائے آخر میں سیاہ ہونیکے اول ہی سیاہ ہو جاتا یعنی جو کھوٹ اسکا موت کے بعد ظاہر ہوا ہے اسکو اول ہی ظاہر کر دیتا ۔ اور جب وہ اپنا کھوٹ اول ہی ظاہر کر دیتا تو نفاق اور محرومی سے دور رہتا۔ اور فضل حق سبحانہ کا طالب ہوتا۔ جو کیمیا کی طرح قلب ماہیت کرنیوالا ہے اور اُسکی عقل اُسکے مکر پر غالب ہوتی اور جب وہ اپنی حالت کی خرابی کو دیکھکر شکستہ دل ہوتا۔ تو وہ اپنے سامنے کوئی کو ٹوٹکا جوڑنے والا دیکھتا یعنی کوئی شیخ اسے ملتا اور اسکی اصلاح کرتا۔ جو شخص انجام بین ہوتا ہے وہ شکستگی اور عجز و نیاز اختیار کرتا ہے اور ایسی حالتیں عادت اللہ جاری ہے کہ

کوئی ٹوٹنے کا درست کرنے والا یعنی شیخ کامل اسے ملتا ہے۔ جو اسکی اصلاح کرتا ہے لہذا وہ شیخ اسے بھی ملتا اور اسکی حالت درست کر دیتا۔ کرم حق سبحانہ تانبے کی مانند ناقصین اور مظہر نقصان ہی کو شیخ کامل تک پہونچاتا ہے۔ جو کہ بمنزلہ کیمیا کے ہے اور وہ ناقصین جو اس تانبے کی طرح جسپر سونے کا جھول پھرا ہوا ہے مظہر کمال ہیں۔ وہ اس عنایت سے محروم رہتے ہیں۔ پس اے سونیکے جھول والے تانبے کی طرح ناقص مظہر کمال تو یاد رکھ کہ تیرے خریدار اور قدردان ہمیشہ یوں ہی اندھے نہ رہیں گے جس طرح کہ وہ اب ہیں۔ بلکہ نور محشر انکی آنکھیں روشن کریگا۔ اور تیری نظر بندی کی قلعی کھولے گا۔ اسلئے تو اپنی اس روش کو چھوڑ اور ان لوگوں پر نظر کر جنھوں نے نتیجہ پر نظر کی ہے اور اس سبب سے ارواح کیلئے موجب حسرت اور آنکھوں کیلئے موجب رشک ہو گئے ہیں۔ اور انپر نظر مت کر جنھوں نے حالت موجودہ ہی پر نظر کی ہے۔ اور عقل معاش کا تعلق عقل معاد سے منقطع کر دیا ہے۔ اسلئے جو لوگ حالت موجودہ ہی پر نظر کرتے ہیں وہ جہل اور شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے نزدیک صبح صادق اور صبح کاذب دونوں یکساں ہیں یعنی حق و باطل مشابہ بحق میں انکو کوئی امتیاز نہیں پس ایسوں کی تقلید کرنے والے کی بھی یہی حالت ہوگی۔ اور وہ صبح کاذب کو صبح صادق سمجھ جاویگا یعنی باطل مشابہ بحق کو حق سمجھ جاویگا جسکا انجام ہلاکت ہوگا۔ یاد رکھو کہ صبح کاذب نے ہزاروں قافلوں کو برباد کر دیا ہے اور باطل مشابہ حق سے دہوکہ کھا کر لاکھوں آدمی تباہ ہو چکے ہیں پس تم اس سے دہوکہ کھا نہ کھانا اور باطل کو حق نہ سمجھنا۔ بلکہ اصلی حق کو طلب کرنا۔ تاکہ اسکی اصلیت کی سبب تم صاحب رشد ہو جاؤ دیکھو جو نقد بھی ہے اسکے لئے اسکا ایک شبیہ بھی ہے جو لوگونکو اپنے ظاہر سے دہوکہ دیتا ہے اور ہر حق کے مقابلہ میں ایک باطل بھی ہے جو صورت میں اسکے مشابہ ہے پس ایسی حالتمیں سخت ضرورت ہے قوت ممیزہ کی اور بڑی خرابی ہے اسکے لئے جسکے پاس قوت ممیزہ کی سوئی اور قینچی نہو۔ کیونکہ وہ ضرور دہوکہ کھا جاویگا۔ اچھا اب غلام اور اسکی تحریر کی طرف لوٹنا چاہیے۔ اچھا سنو کہ اب وہ بادشاہ کو ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی عرضی لکھ رہا ہے یہانتک بیان فرما کر مولانا کو پھر جوش ہوتا ہے اور اس قصہ کو چھوڑ کر پھر مدعیان باطل کی خبر لیتے ہیں۔

شرح شبیری

آیت فاوجس فی نفسہٖ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف الخ کی تفسیر

گفت موسیٰ سحر ہم حیران کنی است　　　چون کنم کاین خلق را تمیز نیست

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جادو بھی ایک حیران کن چیز ہے تو میں کیونکر کروں کہ مخلوق کو تمیز نہیں ہے مطلب یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے مقابلہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ اے اللہ لوگوں کو تمیز تو ہے نہیں اور جس طرح معجزہ ایک حیران کن شے ہے اسی طرح سحر بھی ایک عجیب چیز ہے۔ تو یہ لوگ دونوں کو ایک سمجھیں گے تو اب میں کیا کروں۔ اور کس طرح ان لوگوں کے سامنے معجزہ اور سحر میں فرق دکھلاؤں اسپر ارشاد حق ہوتا ہے کہ۔

گفت حق تمییز را پیدا کنم　　　عقل بے تمییز را بینا کنم

یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمیز کو پیدا کر دونگا اور بے تمیز کی عقل کو بینا کر دوں گا۔

چونکہ معجزات را ظاہر کنم　　　عقل را در دیدنش فاخر کنم

یعنی میں جب آپ کے معجزات کو ظاہر کرونگا تو عقل کو اُن کے دیکھنے کیلئے فخر والی کر دونگا۔

دیدہ بخشم عقل بے تمیز را　　　کور سازم جاہل ناچیز را

یعنی میں عقل بے تمیز کو آنکھ بخشدونگا اور جاہل بے قدر کو اندھا بنا دونگا مطلب یہ کہ حکم حق ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) میں جب آپکے معجزات کو ظاہر کرونگا تو اُن کو جادو سے الگ کرنے اور تمیز دینے کیلئے لوگوں کی عقول کو درست اور بینا کر دونگا۔ کہ وہ ان میں فرق کرینگے۔ ہاں جو بالکل ہی جاہل ہوگا اور وہ اپنی اصلاح چاہے ہی گا نہیں جیسا ہمکو پہلے سے علم ہے تو اُس کو ہم ہدایت نہ کریں گے بلکہ اور زیادہ اندھا بنا دینگے اور ارشاد ہے کہ۔

گرچہ چوں دریا برآوردند کف　　　موسیا تو غالب آئی لا تخف

یعنی اگرچہ یہ لوگ دریا کی طرح جھاگ لائے ہیں (مگر) اے موسیٰ تم ہی غالب آؤ گے ڈرو مت۔ مطلب یہ کہ اگرچہ یہ ساحرین بے انتہا ہیں مگر ان سب پر تم اکیلے غالب آجاؤ گے لہذا کوئی خوف کی بات نہیں ہے

بود اندر عہد خود سحر افتخار　　　چوں عصا شد مار آنہا گشت عار

یعنی جادو اپنے زمانہ میں قابل فخر تھا (مگر) جب عصا سانپ ہوا تو وہ سب (سحر) قابل عار ہوگئے یعنی اُسکے آگے سب بیقدر اور فضول ہو گئے۔

ہر کسے را دعوی حسن و نمک　　　سنگ مرگ آمد نمکہا را محک

یعنی ہر شخص کو حسن و نمک کا دعویٰ ہے اور موت کا پتھر ان نمکوں کیلئے کسوٹی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر شخص اپنے حسن و نمک پر فخر کرتا ہے مگر جب موت آتی ہے اسوقت سب کی حالت کھلجاتی ہے۔ کہ کون حسین و نمکین ہے اور کون نہیں ہے۔ تو موت سب کے لئے کسوٹی کی طرح ہے۔

سحر رفت و معجزۂ موسیٰ گذشت ہر دو را از بام بود افتاد طشت

یعنی سحر گیا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ گذر گیا اور دونوں کا طشت کوٹھے پر سے گر چکا تھا۔ یعنی دونوں مشہور ہو چکے تھے۔

بانگ طشت سحر جز لعنت نماند بانگ طشت دین بجز رفعت نماند

یعنی جادو کے طشت کی آواز تو بجز لعنت کے نہیں رہی اور دین کے طشت کی آواز بجز رفعت کے نہیں رہی۔ مطلب یہ کہ دونوں مشہور ہوئے مگر جادو کی شہرت کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسپر اور زیادہ لعنت ہوئی اور معجزہ موسوی کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج تک دین کی رفعت ہو رہی ہے۔ اور مرتبہ بڑھتا چلا جا رہا ہے تو دیکھو کہ اب دونوں کے فنا ہونیکے بعد موت کی کسوٹی نے دونوں کی اصلی حالت کو ظاہر کر دیا۔ آگے مولانا مدعیان کمال کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

چوں محک پنہاں شد است از مرد و زن در صف آای قلب اکنوں لاف زن

یعنی جب مرد و زن سب سے کسوٹی پوشیدہ ہو گئی ہے تو اسے کھوٹے صف میں آ اور اب شیخی بگھار۔

وقت لاف ستت محک چوں غائب است می برندت از عزیزی دست دست

یعنی جبکہ کسوٹی غائب ہے تو تیری شیخی کا وقت ہو کہ لوگ تجھے عزت سے ہاتھوں ہاتھ لیجا رہے ہیں۔

ہر دمت عزے و نازے در فزود چوں محک آمد چرا گشتی کبود

یعنی ہر دم تیری عزت اور ناز بڑھ رہا تھا جب کسوٹی آگئی تو تو زرد کیوں ہو گیا۔ (چونکہ موت کو اوپر کسوٹی سے تشبیہ دی تھی تو یہاں مدعی کمال کو زر قلب سے تشبیہ دی ہے اور کامل حقیقی کو زر خالص سے) مطلب یہ کہ مولانا خطاب فرماتے ہیں کہ اے مدعی کمال ابھی موت جو تیری قلعی کھولدیگی ظاہر نہیں ہوئی اور ابھی تجھ تک نہیں پہونچی تو ایسے وقت میں تو خوب شیخی بگھار لے کہ اس وقت تو لوگ تجھے خوب عزت کی نظر سے دیکھیں گے اور ہاتھوں ہاتھ لیجاویں گے اسوقت تو یہ حالت ہو گی۔ پھر خطاب فرماتے ہیں کہ میاں کھوٹے کچھ روز ہوئے تو تمھاری عزت و ناز بڑھتا چلا جا رہا تھا اور تم خوب سرخرو رہتے تھے

اب جو کسوٹی مرگ آئی تو تم زرد اور بے عزت کیوں ہو گئے ہو یعنی وہ تمہارا سارا کمال کہاں جاتا رہا حقیقت کھلتے ہی سارے کمالات دیکھے تو سراسر عیوب تھے۔ آگے کاملین اصلی کا مقولہ بزبان زر خالص نقل فرماتے ہیں کہ۔

قلب می گوید ز نخوت ہر دمم — اے زر خالص من از تو کے کمم

یعنی کھوٹا مجھ سے نخوت کی وجہ سے ہر دم کہہ رہا ہے کہ اے زر خالص میں تجھ سے کب کم ہوں۔ مطلب یہ کہ مدعیان کمال کاملین کی برابری کا دعوی کرتے ہیں تو۔

زر ہمی گوید بلے اے خواجہ تاش — لیک می آید محک آمادہ باش

یعنی زر خالص کہتا ہے کہ ہاں بھائی (ٹھیک ہے) لیکن کسوٹی آتی ہے (کسے جانے کیلئے) آمادہ رہنا مطلب یہ کہ کاملین انکے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ ہاں بھائی تم میری بالکل برابر بلکہ مجھسے بڑھے ہی ہوئے ہو مگر کسوٹی آنے والی ہے اسوقت سب کی حقیقت کھلجاویگی تو ذرا تیار رہنا تاکہ کسوٹی پر رکھے جانے سے تمہارے کمالات خوب خوب ظاہر ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مرگ تن ہدیہ است بر اصحاب راز — زر خالص را چہ نقصان ست گاز

یعنی بدن کی موت اصحاب راز کیلئے تو ہدیہ ہے۔ زر خالص کو قینچی سے کیا نقصان۔ مطلب یہ کہ ظاہری تن کی موت اولیاء اللہ کیلئے بطور ہدیہ کے ہے۔ تو بھلا ہدیہ سے کسی کو نقصان بھی پہونچا ہے انکی مثال زر خالص جیسی ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ تو بھلا زر خالص کو اگر کاٹ دیا جاوے تو کیا اسمیں کوئی نقصان آویگا۔ ہرگز نہیں بلکہ اس سے تو اور بھی اسکا کمال ظاہر ہوگا۔ کہ اوپر سے گرد وغیرہ بیٹھ گئی تھی اسلئے وہ چمک باقی نہ رہی تھی اور اب اندر سے چمکتا دمکتا نکل آیا۔ اسی طرح اس تن ظاہر کے ملنے کی وجہ سے کاملین کے نور روحانی پر ایک حجاب پڑگیا تھا اور گرد بیٹھ گئی تھی موت کے بعد انکے کمالات ظاہر ہوئے اور وہ نور روحانی چمکا۔ بخلاف کھوٹے سونے کے کہ اگر اسکو کاٹا جاوے تو اندر سے سیاہ نکلے گا اسلئے کہ اسکی ٹیپ ٹاپ تو اوپر ہی اوپر سے ہے اندر تو جیسے ہیں سب جانتے ہیں اسی طرح مدعیان کاذب بھی اول تو اپنے دعاوے باطلہ سے اپنے بازار کمال کو خوب رونق دیتے ہیں مگر جب موت آتی ہے اسوقت تمام کمالات زائل ہو کر اندر سے سیاہ باطن نکل آتے ہیں والعیاذ باللہ اللھم احفظنا منہ آگے فرماتے ہیں کہ۔

قلب اگر در خویش آخر بیں بدے آں سیہ کا خر شد اول شدے

یعنی کھوٹا اگر اپنی حالت میں آخر بیں ہوتا تو جو سیاہ کہ آخر میں ہوا ہے اول ہو جاتا۔

چوں شدے اول سیہ اندر لقا دور بودے از نفاق و از شقا

یعنی جب اول ہی لقا میں سیاہ ہو جاتا تو نفاق اور شقاوت سے دور ہو جاتا۔

کیمیائے فضل را طالب بدے عقل او بر زرق او غالب بدے

یعنی کیمیائے فضل کا طالب ہوتا تو اسکی عقل اسکے مکر پر غالب ہوتی۔ مطلب یہ کہ یہ مدعیان کاذب اگر اول ہی اپنے انجام میں نظر کرتے اور یہ جانتے کہ یہ ہمارا کمال ظاہری ایکدن کھلے گا اور پھر سب میں رسوائی ہوگی اور یہ سیاہی باطن ایکدن رنگ لانے والی ہے تو وہ اول ہی مجاہدات و ریاضات کر کے اپنے دعوے کمالات کو فنا کر دیتا تو آج اس نفاق و شقاوت سے چھوٹ کیمیائے فضل کا طالب ہوتا۔ تو فضل ہو جاتا اور مکر پر عقل غالب ہو جاتی۔ جیسا کہ زر خالص اول آگ میں پڑتا ہے تو اسپر جو میل کچیل مٹی وغیرہ لگجاتی ہے وہ سب الگ ہو کر اندر سے چمکتا ہوا سونا نکل آتا ہے اسی طرح کاملین اول میں مجاہدات و ریاضات سے رذائل نفس کو دور فرماتے ہیں جو کہ مٹی وغیرہ کی طرح تھے تب وہ آج کامل ہوتے ہیں اور ان پر فضل حق مبذول ہوتا ہے مگر چونکہ اس مدعی کاذب نے ایسا نہیں کیا لہذا یہ کورے کے کورے ہی رہے۔

چوں شکستہ دل شدے از حال خویش جابرا شکستگاں دیدے بہ پیش

یعنی اگر اپنے حال پر شکستہ دل ہوتا تو شکستہ دلوں کے جوڑنے والے کو سامنے دیکھتا مطلب یہ کہ اگر یہ کھوٹا شکستگی اختیار کرتا اور دعوے کو چھوڑتا تو حق تعالیٰ کسی شیخ کامل کو جو شکستہ دلونکے جوڑنے والا ہوتا اسکے لیئے ہدایت کیلئے بھیجدیتے۔ اور آج یہ بھی کامل اکمل ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عاقبت را دید او اشکستہ شد از شکستہ بند در دم بستہ شد

یعنی جس نے کہ انجام پر نظر کی وہ تو شکستہ ہوگیا بند شکستگی سے فوراً بستہ ہوا۔ مطلب یہ کہ جس نے انجام بینی اور شکستگی اختیار کر کے دعوے کو ترک کر دیا تو اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آج وہ شکستگی سے چھوٹ گیا اور شیخ کامل نے آکر اسکو بھی کامل بنا دیا۔

فضل سہارا سوئے اکسیر راند آں زر اندود از کرم محروم ماند

یعنی فضل نے تانبوں کو اکسیر کی طرف چلایا۔ اور جھول والا کرم سے محروم رہا۔ مطلب یہ کہ جو اپنے کو ناقص کہہ رہے تھے اور دعوے کمال نہ کر رہے تھے فضل حق نے انکو تو شیوخ کے پاس پہونچا دیا۔ جو اکسیر کی طرح تھے اور یہ تانبے کی طرح تھے لہذا اکسیر سے ملنے سے یہ بھی سونا ہوگئے اور جو اول ہی سے مدعیان کمال تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے اسلئے کہ جب وہ اول ہی سے مدعی کمال ہیں پھر ان کو کامل بنانے کی کوئی حاجت نہ سمجھی گئی مگر چونکہ اصل میں تو کامل نہ تھے لہذا فضل حق سے محروم رہے اور کوئی شیخ کامل نہ مل سکا جیسے کہ جھول چڑھا ہوا تانبا ہوتا ہے کہ اسکو سونا سمجھکر کوئی اکسیر کے پاس نہیں لیجاتا کیونکہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو خود ہی سونا ہے مگر ایکدن وہ جھول بھی اتر جاتا ہے اور تانبا کا تانبا رہجاتا ہے لہذا خدا کیلئے دعوے کو ترک کرو اور انکساری اور تواضع اور شکستگی اختیار کرو کہ فضل و کرم تم پر مبذول ہو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

اے زراندوده مکن دعوے بہ بیں ... کہ نماند مشتریت اعمے چنیں

یعنی اے سونیکے جھول والے دیکھ دعویٰ مت کر کیونکہ تیرے خریدار اسی طرح اندھے نہ رہیں گے بلکہ

نور محشر چشم شان بینا کند ... چشم بندی ترا رسوا کند

یعنی نورِ محشر انکی آنکھ کو بینا کر دیگا اور تیری نظر بندی کو رسوا کر دیگا۔ مطلب یہ کہ اے مدعی کاذب آج تو اُن لوگوں کو بہکا کر اپنے کمالات کا معتقد بنالے مگر یاد رکھ کہ ایکدن انکی آنکھ بھی کھلنے والی ہے اور قیامت کے روز اصل حالات منکشف ہونے والے ہیں اُس روز تیری اس نظر بندی کی حقیقت اور تیرا یہ دعویٰ کاذب انکو معلوم ہوگا تو بہت فضیحتہ ہوگا۔ اور سب کے سامنے رسوائی ہوگی لہذا تم اول ہی سے اپنے انجام کو سوچکر ترک دعویٰ کردو۔ کیونکہ انجام بینی میں بڑے بڑے فائدے ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بنگر آنہا نرا کہ آخر دیدہ اند ... حسرت جانہا و رشک دیدہ اند

یعنی آخر بیں لوگوں کو دیکھو کہ وہ جانوں کے محسود اور آنکھوں کیلئے قابل رشک ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جو حضرات انجام بیں ہیں انکو دیکھو کہ اُس انجام بینی کی بدولت آج محسود ارواح مقدسہ اور قابل رشک ہوگئے ہیں تو اگر تم بھی انجام بیں ہوگے تمکو بھی یہ مرتبہ حاصل ہوجاویگا۔

منگر آنہا را کہ حالے دیدہ اند ... سرفاسد ز اصل سر بریدہ اند

یعنی اُن لوگوں کو مت دیکھو جنھوں نے کہ موجودہ حالت ہی پر نظر کی ہے اور سر فاسد کو اصلی سے قطع کر لیا ہے مطلب یہ کہ جو لوگ حالت موجودہ کو دیکھنے والے ہیں اور اُنھوں نے اُس عالم سے قطع تعلق کر لیا ہے اور دنیا ہی میں منہمک ہو گئے ہیں اُنکو مت دیکھو اور اُن جیسے مت بنو اسلئے کہ۔

پیش حالے بین کہ در جہل است و شک — صبح صادق صبح کاذب ہر دو یک

یعنی دیکھو موجودہ حالت کو دیکھنے والے کے سامنے جو کہ جہل و شک میں مبتلا ہے صبح صادق اور صبح کاذب دونوں ایک ہیں (حالانکہ)

صبح کاذب صد ہزاراں کارواں — داد بر باد ہلاکت اے جواں

یعنی اے جوان صبح کاذب نے لاکھوں قافلے برباد کر کے ہلاک کر ڈالے (صبح صادق سے مراد حق اور کاذب سے باطل) مطلب یہ کہ جو شخص انجام بین نہیں ہے اور اُسکی نظر صرف موجودہ حالت ہی پر ہے اُسکے نزدیک حق و باطل دونوں ایک ہی ہیں۔ اُسکو دونوں میں کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی، حالانکہ ظاہر ہے کہ باطل نے لاکھوں کو گمراہ کیا ہے جیسے کہ صبح کاذب کو اگر کوئی قافلہ صبح صادق سمجھکر چل کھڑا ہو تو رہزن اُسکو لوٹ لیتے ہیں۔ اور ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح باطل نے لاکھوں کو برباد کیا ہے تو اسکی خطا یہ ہے کہ ان دونوں میں یہ فرق و تمیز نہیں کرتا۔ اور اگر خود تمیز نہیں تھی تو کسی ایسے کی تلاش کرتا جسکو تمیز ہوتی۔ تو وہ تمکو بھی باتمیز کر دیتا۔ لہذا اب جسطرح ہو سکے حق کو طلب کرو۔ اور باطل کو ترک کرو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

صبح صادق را طلب کن اے عزیز — تا ز صدق او شوی صاحب تمیز

یعنی اے عزیز صبح صادق کو طلب کر تا کہ اُسکے صدق کی بدولت تو صاحب تمیز ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ جب حق کو تلاش کرو گے تو اُسکی برکت سے تمہارے باطن میں ایک نور پیدا ہو گا اور وہ نور تمکو حق تک رہنما ہو جاویگا۔ اور جو چیزیں کہ باطل بصورت حق ہیں اُنکو پہچان سکو گے ورنہ اگر وہ نور باطن حاصل نہو گا تو اُنکی پہچان ہونا بہت مشکل ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

نیست نقدے کش غلط انداز نیست — وائے آں جان کش محک و گاز نیست

یعنی کوئی نقد ایسا نہیں ہے کہ اسکا کوئی غلط انداز نہو تو اُس جان پر افسوس ہے جسکے پاس کسوٹی اور قینچی نہو۔ مطلب یہ کہ ہر کھرے کی صورت میں کھوٹے اور حق کی صورت میں باطل ہر جگہ موجود رہتے ہیں

پس ضرورت اسکی ہے کہ ان میں پہچان ہو اور شناخت کرکے باطل کو چھوڑا جاوے اور حق کو لیا جاوے مگر وہ شخص بڑا قابل حسرت ہو کہ جسکو اسکی پہچان کی کسوٹی یعنی نور باطن حاصل ہو لہذا اول وہ نور حاصل کرو۔ اور وہ حاصل ہوتا ہے اہل نور کی خدمت سے لہذا کسی شیخ کامل کو تلاش کرکے اسکے قدموں میں جا پڑو تاکہ تمکو وہ نور باطن حاصل ہو جاوے اور تم بھی صاحب نور اور صاحب تمیز ہو جاؤ۔ آگے اس غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

باز رو سوئے غلام و کتبتش کو سوئے شہ می نویسد نامہ خوش

یعنی پھر غلام اور اسکے خط (کے قصہ) کی طرف چلو۔ کہ وہ بادشاہ کو ایک خط خوش لکھ رہا ہے (خوش کہدینا بطور طعن کے ہے) مطلب یہ کہ اسکے قصہ کو بیان کرو۔ اتنا لکھکر مولانا کو پھر جوش ہوا اور اوپر جو مدعی کے دعوے کی خرابی بیان فرمائی ہے آگے بھی اسکو زجر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میاں اس دعوے کو ترک کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤگے ابھی اس غلام کا قصہ رہگیا جوش میں اس مضمون کو بیان فرمانے لگے ہیں۔

شرح حبیبی

مدعی کو دعوی کرنے سے روکنا اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے اتباع کا حکم کرنا

بو مسیلم گفت من خود احمدم دین احمد را بفن برہم زدم
بو مسیلم را بگو کم کن بطر غرۂ اول مشو آخر نگر
این قلاوزی مکن از حرص جمع پس روئے کن تا رود در پیش شمع
شمع مقصد را نماید ہمچو ماہ کاین طرف دانہ است یا خود دامگاہ
گر نخواہی ورنہ خواہی با چراغ دیدہ گرد دنقش باز و نقش زاغ

گرچه این زاغان دغل افروختند، — بانگ بازان سفید آموختند

بانگ هدهد گر بیاموزد قطا، — راز هدهد کو و پیغام سبا،

بانگ بر رسته ز بر بسته بدان — تاج شاهان را ز تاج هدهدان

حرف درویشان و نکته عارفان — بسته اند این بی حیایان بر زبان

هر هلاک امت پیشین که بود — زانکه چندل را گمان بردند عود

بود شان تمییز کان مظهر کند — لیک حرص و آز کور و کر کند

کوری کوران ز رحمت دور نیست — کوری حرص ست کان معذور نیست

چار میخ شه ز رحمت دور نے — چار میخ حاسدی مغفور نے

ماهیا آخر نگو بنگر به شست — بد گلوئے چشم آخر بینت بست

با دو دیده اول و آخر به بین — هین مباش اعور چو ابلیس لعین

اعور آن باشد که حالے دید و بس — چون بهائم بے خبر از پیش و پس

چون دو چشم گاو در جرم تلف — همچو یک چشم است کش نبود شرف

نصف قیمت ارزد آن دو چشم او — که دو چشمش راست مسند چشم تو

ور کنی یک چشم آدم زادهٔ — نصف قیمت لازم است از جادهٔ

زانکه چشم آدمی تنها بخود — بے دو چشم یار کارے میکند،

چشم خر چون اولش بے آخرست — گر دو چشمش هست حکمش اعورست

این سخن پایان ندارد آن خفیف — می نویسد رقعه در طمع رغیف

مسیلمہ کذاب نے لکھا تھا کہ میں خود احمد یعنی انکی طرح متبوع ہوں مجھے اُن کے اتباع کی ضرورت

نہیں اور میں نے دین احمد کو تباہ کر دیا۔ اور بہت سے لوگوں کو اس سے مرتد کر دیا ہے۔ مگر اس سے
کہدو کہ اے کج طینت اور ابتدا پرست پھول انجام کو دیکھ یہ تیری تلبیس قائم رہنے والی نہیں ہے۔ دین
احمد صلے اللہ علیہ وسلم تو عروج ہی پاویگا۔ مگر تو خود برباد ہو جائیگا۔ تو جماعت بڑہانیکے لئے رہنما
بن بلکہ تو پیچھے چل تاکہ شمع نبوت تیرے آگے آگے چلے اس سے تو بیخطر ہو جاویگا۔ اور رستہ کے
مہالک سے بے تکلف محفوظ رہیگا۔ کیونکہ شمع کی خاصیت ہے کہ وہ چاند کی طرح خود بخود مقصد
کو واضح کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ اس طرف دانہ ہے یا جال لگا ہوا ہے یعنی نفع ہے یا ضرر
اور چراغ کی خاصیت ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے چار و ناچار باز اور کوّے میں امتیاز ہوتا ہے
علیٰ ہذا مدعیان کمال کو چاہیئے کہ وہ شیخ کا اتباع کریں اور اُنکی ہمسری نکریں اس سے اُن کو
فائدہ یہ ہوگا کہ استعداد کے بُرے نتائج سے محفوظ رہیں گے اور بدون کاوش کے نفع و ضرر اور
خیر و شر پر مطلع ہونگے اب مدعیان باطل کی قلعی کھولتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگرچہ ان کوّونکی طرح
حریص مدعیان کمال نے مکر کو رونق دی ہے اور سفید بازونکی مانند اہل اللہ کی بولی سیکھ کر حقائق
و معارف بگھارتے ہیں مگر اس سے وہ اہل اللہ نہیں ہوسکتے کیونکہ ان میں وہ صفات نہیں جو
اہل اللہ میں ہوتی ہیں دیکھو اگر مرغ سنگخوار ہدہد کی بولی سیکھ لے تو اس سے وہ ہدہد نہیں ہوسکتا
کیونکہ اسکے پاس وہ راز سلیمان کہاں ہے جسکا وہ حامل تھا یعنی وہ پیغام سبا کہاں ہے
پس تمکو پابند دام ہوا و ہوس اور اُس سے آزاد لوگونکی آوازوں اور تاج شاہی اور تاج ہدہد میں
فرق کرنا چاہیئے اور اشتراک اصوات و تیجان فی بعض الصفات سے دہوکا نہ کھانا چاہیئے
دیکھو ان کے پاس کچھ بھی باطنی دولت نہیں بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ ان بیچاؤں نے فقراء
و عرفا کے ملفوظات اور نکتے رٹ رکھے ہیں ہم تمکو ان سے بچنے کی اسلئے ترغیب دیتے ہیں کہ ایسے
لوگوں کے دہوکے میں آجانا نہایت خطرناک ہے پہلی امتیں جسقدر ہلاک ہوئی ہیں اسی وجہ سے
ہوئی ہیں کہ اُنھوں نے پتھروں کو عود یعنی نااہلوں کو اہل سمجھ لیا اور انکا اتباع شروع کر دیا۔
تمکو شاید شبہ ہو کہ جب یہ جرم غلط فہمی سے کیا گیا تو ہلاک کیوں ہوئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ وہ
معذور نہ تھے کیونکہ انکو فطرۃً اسقدر قوت ممیزہ عطا ہوئی تھی کہ وہ انبیا کے کمالات اور مدعیان
کمال کے فریب کو ظاہر کر دیتی مگر حرص جاہ و مال وغیرہ کی خاصیت ہے کہ وہ اندہا اور بہرا بنا دیتی

ہے نہ حق کو دیکھنے دیتی ہے۔ اور نہ سننے دیتی ہے۔ اس نے انکو اندھا اور بہرا بنا رکھا تھا اسلئے وہ
عفو کے مستحق نہ تھے کیونکہ جو لوگ فطرۃً قوت ممیزہ اور بصیرت نہیں رکھتے۔ وہ بیشک رحمت کے
مستحق ہیں مگر جو اندھا پن حرص سے پیدا ہو ایسا اندھا پن عذر نہیں۔ اور حق سبحانہ کا شکنجہ یعنی
فطرۃً قوت ممیزہ کی کمی تو رحمت حق سے دور نہیں ہے۔ لیکن حسد کا شکنجہ جسمیں آدمی باختیار خود
پھنستا ہے مستحق معافی نہیں ہے۔ اری مچھلی (مکلف) تو ذرا کانٹے کو بھی غور سے دیکھ لے اور سمجھ لے
کہ یہ غذا جسکے حاصل کرنے کیلئے تو جا رہی ہے تیری جان لیکر رہیگی مگر تو دیکھے کیونکر تیری انجام
بیں آنکھ کو تو تیرے حیثور پن نے بند کر رکھا ہے۔ تو اسے چھوڑ اور دونوں آنکھیں کھول تو حالت
موجودہ اور انجام دونوں کو دیکھ۔ اور ابلیس ملعون کی طرح کانی نہ بن۔ جو شخص صرف موجودہ حالت
پر نظر کرتا ہے اور جانوروں کی طرح آگے پیچھے کی خبر نہیں رکھتا وہ کانا ہے جیسے ابلیس اور اسکے متبعین۔
دیکھو چونکہ بیل کی دو آنکھیں حق وجوب ضمان تلف میں مثل آدمی کے ایک آنکھ کے ہیں (نقلہ
القہستانی عن فخر القضاۃ کذا فی الشامیۃ) کیونکہ انہیں شرف استبداد حاصل نہیں جو کہ آدمی
کی آنکھ کو ہے اسلئے انکی دونوں آنکھوں کا معاوضہ انکی قیمت کا نصف ہے۔ کیونکہ انکی دونوں
آنکھیں راہ بینی میں مستقل نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بلکہ انکا اعتماد آدمی کی آنکھ پر ہے اور
وہ محتاج ہیں آدمی کی آنکھ کے (اور ہذا التعلیل صاحب الہدایۃ لوجوب ربع القیمۃ فی فقاٴ عین
واحدۃ اللبقرۃ والحمار ونحوہما وقال لانہ انما یمکن اقامۃ العمل بہا بارلعۃ اعین وعینا ہا وعینا المستعمل
فکانہا ذوات اعین اربعۃ فیجب الربع بفوات احدہا ومقتضے ہذا التعلیل ان یجب فی العینین
نصف القیمۃ کما قال بہ فخر القضاۃ فیمکن ان یکون مولانا رضی اللہ عنہ سلک ہذا المسلک ورجحہ
باجتہادہ) اور اگر آدمی کی ایک آنکھ پھوڑ دیجاوے تو بحکم شریعت ایک آنکھ کا معاوضہ نصف
قیمت (یعنی دیت) ہوگا کیونکہ آدمی کی آنکھ مستقل بنفسہ ہے۔ اور بدون معاون کی آنکھوں کے
کام کرتی ہے نیز جانوروں کی آنکھیں حالت موجودہ کو دیکھتی ہیں اور انجام کو نہیں دیکھتیں برخلاف
آدمی کے اسلئے انکی دونوں آنکھیں مثل ایک آنکھ کے ہیں۔ اور وہ دو آنکھوں کے باوجود بھی حکم میں
کانے کے ہیں (یہ ایک نکتہ ہے نہ کہ علت اسلئے اسکا اطراد ضروری نہیں اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا
کہ اس تعلیل کا مقتضا تو یہ ہے کہ سب جانوروں کا حکم ایک سا ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں) خلاصہ یہ کہ

گائے بیل اور گدہے کیلئے صرف دو ظاہری آنکھیں ہیں جو انسان کی بمنزلہ ایک ظاہری آنکھ کے ہیں اسلئے وہ انسان کے مقابلہ میں کانے ہیں اور انسان کیلئے دو ظاہری آنکھیں ہیں اور ایک چشم باطنی ہے پس چونکہ اسکی دونوں ظاہری آنکھیں آپس میں تو مقصد میں متحد ہیں اور چشم باطن کے خلاف کیونکہ وہ دونوں اول ہیں ہیں اور چشم باطن آخر ہیں۔ اسلئے اسکی دونوں ظاہری آنکھیں حکم میں ایک آنکھ کے ہیں اور دوسری آنکھ اسکی چشم باطن ہے۔ پس جسکی چشم باطن کو ہے وہ کانا ہوگا اُس شخص کے مقابلہ میں جسکی دونوں آنکھیں ظاہری و باطنی سالم ہیں۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہی ہوگی اب نوکر وہ خفیف الحرکۃ غلام رومی کی طبع میں عرضی لکھتا ہے۔

شرح شبّیری

مدعی کو دعویٰ کرنے سے روکنا اور انبیا علیہم السّلام اور اولیاء کرام کے اتباع کا حکم کرنا

بو مسیلم گفت من خود احمدم　　دین احمد را بفن برہم زدم

یعنی بو مسیلم نے کہا کہ میں خود احمد (صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح) ہوں اور میں نے دین احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چالاکی سے درہم برہم کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ میں خود پیغمبر ہوں مجھے کسی کی اتباع کی حاجت نہیں ہے اور خاصکر اس دین کا اتباع تو کیا کرونگا جسکو میں نے چالاکی سے بہت سا ضرر پہونچایا ہے کہ اُدہر سے لوگونکو بہکا کر مرتد کر دیا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بو مسیلم را بگو کم کن بطر　　غرّۂ اول مشو آخر نگر

یعنی مسیلمہ کذاب سے کہدو کہ اکڑ مت موجودہ حالت پر مغرور مت ہو انجام کو دیکھ۔

ہین قلاوُزی مکن از حرص جمع　　پس روے کن تا رود در پیش شمع

یعنی ہاں جماعت کی بڑہانے کی حرص سے رہبری مت کر اتباع اختیار کر تاکہ شمع آگے آگے چلے۔

شمع مقصد را نماید ہمچو ماہ　　کایں طرف دانہ است یا خود دامگاہ

یعنی شمع چاند کی طرح مقصود کو دکھلا دیتی ہے کہ اس طرف دانہ ہے یا جال ہے۔

گر بخواہی ور نخواہی با چراغ دیدہ گردد نقش باز و نقش زاغ

یعنی خواہ تم چاہو یا نہ چاہو چراغ کے ساتھ تو باز کا نقش اور کوے کا نقش ظاہر ہو ہی جاویگا مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ یوسیلم جو اتباع احمد صلے اللہ علیہ وسلم سے عار کرتا ہے اس سے کہہ دو کہ اے تو اس حالت موجودہ کو مت دیکھ بلکہ انجام پر نظر کر کہ اسوقت تو بے شک تیری قدر ہو رہی ہے اور تیرا بازار خوب گرم ہے مگر انجام کار جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے کہ دین احمد صلے اللہ علیہ وسلم کو عروج اور ترقی ہوگی اور تجھے ذلت و خواری ہوگی لہذا انجام کو سوچ کر اس حرص سے کہ کچھ لوگ اتباع کرلیں گے تو خوب تعریفیں ہوا کریں گی اور ہم بھی بڑے لوگوں میں شمار ہونے لگیں گے متبوع مت بن کہ اسمیں بڑی بڑی خرابیاں ہیں تو تو اتباع اختیار کرلے تاکہ شمع ہدایت تیرے آگے آگے ہو۔ اور تو اسکا اتباع کرتا ہوا حق و باطل کو اور نافع و مضر کو دیکھتا ہوا چلا جاوے جیسے کہ شمع ہوتی ہے کہ جب آگے شمع چلتی ہے تو رستہ صاف معلوم ہو جاتا ہے اور ہر چیز متمیز ہوتی ہے تو رستہ کو پہچان کر چلتے ہیں اسی طرح اس شمع ہدایت کے اتباع سے تم بھی بخوف و خطر راہ حق طے کر سکوگے اور حق و باطل میں تمیز ہو جاویگی یوسیلمہ سے مراد یہاں مولانا کی مطلق مدعی کا ذب ہے تو مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اے مدعی کمال اپنے شیخ سے الگ ہو کر مستقلاً اس راہ میں قدم مت رکھو اور ابھی متبوع مت بنے جاؤ۔ بلکہ کچھ روز تابع بن لو اسکے بعد خود ہی متبوع بنجاؤگے پھر تو تم بچوگے اور لوگ تمکو بڑا مانیں گے اور بے اتباع کے تو یوں ہی رہوگے۔ حضرت حافظ رح اسی کو فرماتے ہیں

درمکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزی پدر شوی

مگر ہاں یہ یاد رہے کہ اگر اتباع اس نیت سے ہوا کہ ہم بڑے بنجاویں تب بھی نہوگا بس اتباع محض ہو کہ جس سے مقصود رضائے حق ہو اور کوئی مقصود نہو سا اور یہ مذہب ہو کہ

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

بس اتباع شیخ سے مقصود یہی ہو کہ یہ اللہ والے ہیں ان کے اتباع سے خدا راضی ہوگا جب یہ نیت خالص ہوگی بس ایک وہ دن آویگا کہ تم کامل بنجاؤگے اور لوگ خود بخود تمھارا اتباع کرینگے اور پھر تم سچے صاحب کمال ہوگے چونکہ مصرع دیدہ گردد نقش باز و نقش زاغ میں حق کو باز سے اور

باطل کو زاغ سے تشبیہ دی ہے تو آگے اہل حق اور اہل باطل کو بھی ان ہی باز و زاغ سے تشبیہ دیکر اہل باطل کی قلعی کھولتے ہیں کہ۔

گرچہ ایں زاغان دغل افروختند　　بانگ بازان سپید آموختند

یعنی اگرچہ ان کوؤں نے کھوٹ کو روشن کیا ہے اور سپید بازوں کی آواز انھوں نے سیکھ لی ہے (مگر)

بانگ ہدہد گر بیاموزد قطا　　راز ہدہد کو و پیغام سبا

یعنی اگر قطا ہدہد کی آواز سیکھ لے تو ہدہد والا راز اور سبا کا پیام کہاں ہے۔ (قطا ایک جانور سنگخوار ہوتا ہے) مطلب یہ کہ اگرچہ ان مدعیان کاذب نے کاملین کی باتیں سیکھ لی ہیں اور انکے ملفوظات یاد کر کے لوگوں کو بہکاتے ہیں کہ اُن باتوں کو سنکر ان کو بھی بزرگ سمجھا جاتا ہے مگر تم یوں تو دیکھو کہ ان کے پاس صرف زبانی جمع خرچ ہی ہے یا کچھ باطن میں بھی رکھتے ہیں اسکی ایسی مثال سمجھو کہ اگر ہدہد کی بولی کی قطا جو سنگخوار جانور ہے نقل اتارے اور اسی طرح بولنے لگے تو اس بولنے سے اسکو ہدہد نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اسکو پیام سلیمانی بھی یاد ہے یا نہیں جو انھوں نے سبا میں بھیجا تھا پس اگر وہ یاد نہیں ہے تو معلوم ہوگیا کہ یہ ہدہد نہیں۔ اسی طرح اگر ان صاحب ملفوظات میں کچھ باطنی کمال بھی ہو جو پیام سلیمانی کی مشابہ ہے تب تو انکو اہل اللہ سمجھو ورنہ سمجھ لو کہ مدعی کاذب ہے۔ اور اس سے الگ رہو اور یہ بات کہ اُن میں کمال باطنی بھی ہے یا نہیں۔ خود ان کے پاس بیٹھنے سے اور ان کے پاس رہنے والوں کی حالت کو دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاویگا۔ پس تم کو چاہیئے کہ۔

بانگ بر رستہ ز بربستہ بداں　　تاج شاہاں را ز تاج ہدہداں

یعنی چھوٹے ہوئے کی آواز میں اور بندھے ہوئے کی آواز میں اور تاج شاہی اور تاج ہدہد میں تمیز کرو۔ مطلب یہ کہ دیکھو جو شخص ہوا و ہوس کا قیدی ہے اور جو اُس سے چھوٹا ہوا ہے دونوں کی حالت میں فرق کرو اور پہچان لو کہ یہ کیسا ہے علیٰ ہذا ہدہد کا بھی تاج ہوتا ہے اور شاہی تاج بھی ہوتا ہے مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح کاملین اور مدعیان کاذب میں بالکل ظاہر فرق ہے جو اوپر بھی بیان ہوا۔ اور بارہا پہلے بھی بیان ہو چکا ہے لہذا ان دونوں میں تمیز پیدا کرو اور حق و باطل کو متمیز کر کے حق کی طرف چلو آگے فرماتے ہیں کہ ہم جو تمکو منع کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ۔

حرفِ درویشان و نکتۂ عارفاں　　بستہ اند این بیحیایاں بر زبان

یعنی درویشوں کے ملفوظات اور عارفین کے نکتے ان بیحیاؤں نے زبان پر باندھ رکھے ہیں۔

ہر ہلاک امتِ پیشین کہ بود　　زانکہ چندل را گماں بردند عود

یعنی ہر پہلی امت ہلاک جو ہوئی ہے اسی لئے کہ انھوں نے پتھر کو عود سمجھ لیا مطلب یہ کہ دیکھو ان مدعیان کاذب نے بزرگوں کے ملفوظات اور نکات یاد کر لئے ہیں جس سے یہ بھی کاملین معلوم ہوتے ہیں مگر تم ان میں اور کاملین اصلی میں امتیاز کرو اور انکو ترک کر کے کاملین اصلی کا اتباع کرو۔ اسلئے کہ پہلی امتیں جسقدر ہلاک ہوئی ہیں۔ وہ اسی لئے ہلاک ہوئی ہیں کہ انھوں نے حق و باطل میں نافع اور مضر میں امتیاز نہ کیا۔ تو اگر تم بھی امتیاز نہ کروگے تو کہیں تم بھی ہلاک نہ ہو جاؤ اسلئے ہم تمکو روکتے ہیں اور ان کاذبین کے اتباع سے منع کرتے ہیں اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ جب ان پہلی امتوں کو دھوکہ ہوا اور وہ سمجھ ہی نہ سکے تو انکو معذور سمجھنا چاہئے تھا اور معذور سمجھکر ان کو ہلاک نہ کیا جاتا آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

بودشان تمیز کان مظہر کند　　لیک حرص و آز کور و کر کند

یعنی انکو تمیز تھی جو ظاہر کر دیتی لیکن حرص اور لالچ اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

کوری کوراں ز رحمت دور نیست　　کوری حرص است کان معذور نیست

یعنی اندھوں کی کوری تو رحمت سے دور نہیں ہے۔ اور جو کوری کہ معذور نہیں ہے وہ کوری حرص ہے مطلب یہ کہ ان لوگوں کو فطرۃً تمیز بین الحق والباطل کی استعداد تھی مگر انھوں نے اس استعداد کو خود خراب کر لیا۔ اور حرص و ہوا میں پھنسکر بالکل اندھے اور بہرے بنگئے کہ نہ تو خود دیکھ سکے اور جو کسی دوسرے نے جیسے انبیاء علیہم السلام نے دکھانا چاہا تو ان کے کلام کو سن بھی نہ سکے تو چونکہ اس کوری کو انھوں نے خود اپنے ہاتھوں لیا ہے لہذا یہ معذور نہیں ہوسکے اور اسکی مثال ظاہر میں دیکھ لو کہ اگر کوئی شخص قدرۃً اندھا ہو جاوے اسپر تو لوگوں کو ترس آتا ہے اور ہر شخص اسکو ضرر سے بچانیکی فکر میں ہوتا ہے مگر جو کسی کو حرص کی وجہ سے اندھوں کی طرح اپنے ضرر میں جاتے دیکھتے ہیں تو اسپر کسی کو رحم نہیں آتا بلکہ اور غصہ آتا ہے تو ایسے اگر ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے فطرۃً بھی استعداد قبول حق اور تمیز بین الحق والباطل کی عطا نہ ہوتی تب تو معذور سمجھے جا سکتے تھے مگر اب تو خود ان ہی کی خطا ہے۔ پھر خود کردہ را علاجے نیست۔ اور

ایک مثال ہے کہ۔

چار میخ شہ ز رحمت دور نے ۔۔۔ چار میخ حاسدے مغفور نے

یعنی شاہی عقوبت تو رحمت سے دور نہیں ہے اور حاسدی کی عقوبت معاف کیگئی نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگر کوئی شخص عقوبت شاہی میں مبتلا ہو اور اسکی وجہ سے اسکو تکلیف ہو تو سبکو اسپر رحم آتا ہے اور اگر کوئی شخص حاسد ہو اور حسد کی وجہ سے اسکو تکلیف ہو تو کسی کو بھی رحم نہیں آتا۔ بلکہ اور غصہ آتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے استعداد نہ ملتی وہ تو معذور ہو سکتا تھا مگر ان لوگوں نے تو خود اس استعداد کو خراب کیا ہے لہذا بجائے معذور ہونے کے مجرم قرار دئے جائیں گے اور فرماتے ہیں کہ

ماہیا آخر نکو بنگر بہ شست ۔۔۔ بد گلوئی چشم آخر بینت بست

یعنی اے مچھلی تو آخر شست کو اچھی طرح دیکھ بدگلوئی نے تیری چشم انجام بین کو بند کر دیا ہے۔ (ماہی سے مراد انسان مکلف ہے) مطلب یہ کہ اے انسان مکلف تو جس کام میں لگ رہا ہے اسکو غور سے دیکھ اور سمجھ کہ اسکا انجام کیا ہے۔ کمبخت تیری حرص نے تجھے اندھا کر دیا ہے اسلئے تجھے جال نظر نہیں آتا لہذا آنکھ کھول اور جال کو دیکھکر اس سے بچ اسی کو فرماتے ہیں کہ

با دو دیدہ اول و آخر بہ بیں ۔۔۔ ہیں مباش اعور چو ابلیس لعیں

یعنی دونوں آنکھوں سے اول اور آخر کو دیکھ ہاں ابلیس لعین کی طرح کانا مت بن۔

اعور آں باشد کہ حالے دید و بس ۔۔۔ چوں بہائم بیخبر از پیش و پس

یعنی کانا تو وہی ہوتا ہے جس نے کہ صرف موجودہ حالت کو دیکھا اور جانوروں کی طرح آگے پیچھے سے بیخبر ہے

چوں دو چشم گاؤ در جرم تلف ۔۔۔ ہمچو یک چشم ست کش نبود شرف

یعنی جیسے کہ بیل کی دونوں آنکھیں تلف کے جرم میں بجائے ایک آنکھ کے ہیں کیونکہ اسکو شرف نہیں ہوتا

نصف قیمت ارزد آں دو چشم او ۔۔۔ کہ دو چشمش راست مسند چشم تو

یعنی اسکی وہ دونوں آنکھیں نصف قیمت کی برابر ہوتی ہیں کیونکہ اسکی دونوں آنکھوں کیلئے سہارا تیری آنکھ ہے۔

ور کنی یک چشم آدم زادہٗ　　نصف قیمت لازم است از جادہٗ

یعنی اور اگر تو کسی آدمی کی آنکھ پھوڑ دے تو شریعت سے نصف قیمت لازم آوے۔

زانکہ چشم آدمی تنہا بخود　　بے دو چشم یار کارے می کند

یعنی اسلئے کہ آدمی کی آنکھ خود مستقلاً بے ساتھی کی دو آنکھوں کے کام کرتی ہے۔

چشم خر چوں اولش بے آخر است　　گر دو چشمش ہست حکمش اعور است

یعنی گدہے کی آنکھ جب اُسکا اول بے آخر کے ہے تو اگر اُسکی دونوں آنکھیں ہوں (تب بھی) وہ حکماً کانا ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے انسان مکلف اپنی دونوں آنکھیں ظاہری اور باطنی کھولو۔ اور موجودہ حالت اور انجام کار دونوں پر نظر کرو۔ ابلیس کی طرح کانے مت ہو جاؤ۔ کیونکہ کانا وہ ہے کہ جو صرف حالت موجودہ پر نظر کرے۔ اور انجام کو نہ دیکھے تو چونکہ ابلیس نے آدم علیہ السّلام میں صرف آب و گل پر نظر کی اور اُن کے مرتبہ پر نظر نہ کی اسلئے وہ بھی کانا ہی ہوا لہذا تم ایسے کانے مت بنو بلکہ دونوں آنکھوں سے دیکھکر انجام پر بھی نظر کرو۔ اور دوسری مثال ہے کہ دیکھو بہائم جو کہ انجام بینی سے بےخبر ہوتے ہیں وہ بھی کانے ہی ہیں دلیل اسکی یہ ہے کہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص گائے بیل کی دونوں آنکھیں پھوڑ دے تو نصف دیت لازم آتی ہے اور انسان کی ایک آنکھ پھوڑ دے تب بھی نصف دیت لازم آتی ہے تو اسکی دونوں آنکھیں اسکی ایک آنکھ کی برابر ہوئیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ اپنی دونوں آنکھوں سے بھی بے مرد انسان کے کام نہیں لے سکتا۔ اور انجام کو سوچ کر راستہ نہیں چل سکتا۔ بلکہ جدہر منہ اُٹھیگا چلدیگا۔ لہذا اسکی دونوں آنکھیں بمنزلہ ایک کے ہوئیں۔ اور بجائے دوسری آنکھ کے چشم انسان اسکی ساتھ ہے۔ تو بس اسی طرح جب انسان بھی انجام بینی کو ترک کردے اور صرف حالت موجودہ ہی کو دیکھے تو وہ بہائم کی طرح ہوا اور بہائم باوجود دو آنکھیں ہونے کے کانے ثابت ہو چکے ہیں لہذا اس حالت میں انسان بھی کانا ہی ہوگا تو تمکو چاہئے کہ ایسے کانے نہ بنو بلکہ دونوں آنکھیں کھولکر انجام پر نظر کرو اور حق و باطل میں تمیز کرو۔ اور مولانا نے جو گائے بیل کی آنکھوں میں نصف دیت کی دلیل بیان کی ہے یہ علت نہیں ہے بلکہ محض ایک نکتہ ہے تو بس اب حاصل یہ ہوا کہ تمکو چاہئے کہ انجام بینی اختیار کرکے اپنی حالت میں غور کرو اور پھر حق کو حاصل کرکے باطل پر لات مارو۔ اور حق حاصل ہوتا ہے کسی محقق شیخ کامل کے اتباع سے لہذا اتباع شیخ کرو۔ کہ اسی سے کام بنے گا خوب سمجھ لو۔ آگے پھر قصہ

غلام کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایان ندارد آن خفیف — می نویسد رقعہ در طمع رغیف

یعنی اس بیان کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اور وہ خفیف الحرکات روٹی کی حرص میں خط لکھ رہا ہے مطلب یہ کہ یہ بیان تو ختم نہ ہوگا سلسلہ چلتا ہی رہیگا اور اسکا قصہ رہجاویگا لہذا ہم اول اسکے قصہ کو بیان کرتے ہیں۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

غلام کے وظیفہ کے بارہ میں رقعہ لکھنے کا بقیہ،

رفت پیش از نامہ پیش مطبخی — کاے بخیل از مطبخ شاہ سخی

دور از و وز ہمت او کاینقدر — از جرے ام آیدش اندر نظر

گفت بہر مصلحت فرمودہ است — نے برائے بخل ونے تنگی دست

گفت دہلیز یست واللہ این سخن — پیش شہ خاکست ہم زر کہن

مطبخی دہ گونہ حجت برفراشت — او ہمہ رد کرد از حرصے کہ داشت

چون جرے کم آمدش در وقت چاشت — زو بسے تشنیع واو سودے نداشت

گفت قاصد می کنید اینہا شما — گفت نے کہ بندہ فرمانیم ما

این مگیر از فرع این از اصل گیر — بر کمان کم زن کہ از بازوست تیر

ما رمیت اذ رمیت ابتلاست — بر نبی کم نہ گنہ کان از خدا است

آب از سر تیرہ است اے خیرہ چشم — پیشتر بنگر یکے بکشائے چشم

شد ز خشم و غم درون رقعہ	سوئے شہ بنوشت خشمیں رقعہ
اندراں رقعہ ثنائے شاہ گفت	گوہر جود و ثنائے شاہ سفت
کائے ز بحر و ابر افزوں کف تو	در قضائے حاجت حاجات جو
زانکہ ابر انچہ دہد گریاں دہد	کف تو خنداں پیاپے خواں نہد
ظاہر رقعہ اگرچہ مدح بود	بوئے خشم از مدح اثرہا می نمود
زاں ہمہ کار تو بے نورست و زشت	کہ تو دوری دور از نور سرشت
رونق کار خساں کاسد شود	ہمچو میوہ تازہ زو فاسد شود
رونق دنیا بر آرد رو کساد	زانکہ ہست از عالم کون و فساد
خوش نگردد از مدیحے سینہا	چونکہ در مداح باشد کینہا
اے دل از کین و کراہت پاک شو	وانگہاں الحمد خواں چالاک شو
بر زباں الحمد و اکراہ درون	از زباں تلبیس باشد یا فسوں
وانگہاں گفتہ خدا کہ ننگرم	من بظاہر من بباطن ناظرم

قبل اسکے کہ وہ درخواست لکھے داروغہ مطبخ کے پاس گیا اور کہا کہ اے وہ شخص جو بادشاہ کی باورچیخانہ کے متعلق بخل کرتا ہے حاشا کہ بادشاہ اور اسکی ہمت عالی ایسی ہوں کہ انکی نظر میں میری ذرا سی خوراک آئے اور وہ اسکے کم کرنیکا حکم دیں پس ضرور یہ خود آپکی کارروائی ہے اس نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے کہ بادشاہ کی نظر میں اسکی کچھ وقعت نہیں مگر اس نے مصلحۃً یہ حکم دیا ہے نہ کہ بخل یا تنگدستی کے سبب۔ اس نے کہا کہ یہ محض آپ کی بناوٹ ہے بادشاہ کے نزدیک تو سونا بھی خاک کی برابر ہے وہ ہرگز ایسا حکم نہیں دے سکتا داروغہ مطبخ نے متعدد دلائل پیش کئے مگر اس نے اپنی حرص کے

سبب ایک کو بھی تسلیم نہ کیا۔ اور سبکو رد کر دیا جب چاشت کے وقت اُسکو خوراک کم ملی تو
اُس نے اُسوقت بھی بہت برا بھلا کہا۔ مگر اسکا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اس نے کہا کہ آپ لوگ بقصد و
ارادہ خود ایسا کرتے ہیں داروغہ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ ہمکو حکم ملا ہے۔ اور ہم اُسکی تعمیل کرتے ہیں
اسکو آپ ہم متبعین کا قصور نہ سمجھیں۔ بلکہ اسکا منشا اصل بادشاہ ہیں وہ ہمکو ملامت نہ کیجئے بلکہ جو کچھ
کہنا ہو بادشاہ کو کہئے ہماری تو ایسی مثال ہے جیسے تیر اور بادشاہ کی ایسی جیسے بازو۔ پس تیر کو نہ
مارے کیونکہ یہ تو بازو کا مقصور ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ رمی جو مارمیت اذ رمیت میں
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے ان سے سلب کیگئی یہ ایک آزمائش ہے
کہ دیکھیں کون اسکو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سمجھتا ہے اور کون خدا کی
طرف سے۔ پس ہمکو اس رمی میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قصور نہ بتلانا چاہئے جسطرح
اس غلام نے داروغۂ مطبخ کو قصوروار ٹھیرایا ہے۔ کیونکہ یہ فعل خدا کی طرف سے ہے جس طرح کہ غلام کا
وظیفہ بند کرنا بادشاہ کی طرف سے تھا اور یہ پانی اپنے منبع ہی سے گدلا نکلا ہے آمیں نہر کا قصور نہیں
پس اپنی نظر کو نہر ہی تک محدود نہ رکھنا چاہئے بلکہ ذرا آنکھ کھولنی چاہئے۔ اور نظر کو آگے بڑہانا چاہئے
اس مضمون استطرادی کو ختم کرکے مولانا پھر قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اس نے
داروغۂ مطبخ کی یہ گفتگو سنی تو غم و غصہ میں بھرا ہوا رکان گیا اور بادشاہ کو ایک غضب آلود رقعہ
لکھا۔ اس رقعہ میں اولاً اُس نے بادشاہ کی تعریف کی اور بادشاہ کی تعریف اور اُسکے سخاوت کے
موتی پروئے۔ اور لکھا کہ اے وہ بادشاہ جسکا ہاتھ طالب حاجت کی حاجت برآری میں سمندر
اور ابر سے بڑہا ہوا ہے کیونکہ ابر جو کچھ دیتا ہے رو کر دیتا ہے اور آپکا ہاتھ ہنستا ہوا ہمیشہ خوان نعمت سامنے رکھتا ہے
غلام کا مقولہ تو ختم ہوگیا اب مولانا فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ رقعہ سراپا تعریف تھا۔ مگر اس تعریف سے
غصہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے اس مضمون سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ تمہارے کام اسی لئے بے رونق اور بُرے ہیں کہ تم نور باطن سے بہت دور اور ذلیل
ہو اور قاعدہ ہے کہ ذلیل اور بے نور لوگوں کے افعال کی رونق بہت جلد بے رونقی سے مبدل ہو جاتی
ہے جسطرح کہ تازہ میوہ بہت جلد بگڑ جاتا ہے کیونکہ جسطرح اس میوہ کے اندر مادہ فساد موجود ہوتا ہی
اور آخر میں اپنا رنگ لاتا ہے یوں ہی ان میں بھی مادۂ فساد موجود ہوتا ہے اور اپنا اثر دکھلاتا ہی علی ہذا

رونق دنیا بھی بہت جلد مبدل بہ بے رونقی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ عالم کون و فساد ہے اور ایک روز اُسکا بگڑنا لازم ہے۔ اب مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گو وہ رقعہ بظاہر تعریف تھا لیکن چونکہ منشا اسکا غصہ تھا اسلئے اُس سے بادشاہ کو کوئی خوشی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب تعریف کرنے والے کے دل میں عداوت ہو تو اُس تعریف سے جی خوش نہیں ہو سکتا اب پھر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ اصول معلوم ہو گیا تو اے دل اول تجھے اُس کینہ اور نفرت کو دور کرنا چاہیئے جو تجھے حق سبحانہ اور اسکے افعال سے ہے اسکے بعد الحمد پڑھ اور جیسے ہو ورنہ زبان پر تو الحمد ہو اور دل میں نفرت تو یہ تو یا زبان کا دھوکہ دینا ہے یا اسکا منتر ہے جسکا حق سبحانہ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ کہہ بھی چکا ہے کہ ہم ظاہر کو نہیں دیکھتے بلکہ دلکو دیکھتے ہیں اوپر ہم نے کہا تھا کہ محض زبانی تعریف جب تک وہ دل سے نہ نکلے کوئی شئے نہیں۔ اس مضمون کے مناسب اب ہم ایک حکایت سناتے ہیں۔

شرح شبیری

غلام کے وظیفہ کے بارہ میں رقعہ لکھنے کا بقیہ

رفت پیش از نامہ پیش مطبخی ۔۔۔ کائے بخیل از مطبخ شاہ سخی

یعنی وہ غلام رقعہ (بھیجنے) سے پہلے داروغۂ باورچیخانہ کے پاس گیا (اور اُس سے بولا) کہ اے شاہ سخی کے مطبخ میں بخیل۔

دور از و وز ہمت او کاینقدر ۔۔۔ از جرے ام آیدش اندر نظر

یعنی اُس (بادشاہ) سے اُسکی ہمت سے یہ امر بہت بعید ہے کہ میرے وظیفہ میں سے اتنی سی چیز اُسکی نظر میں آوے۔ مطلب یہ کہ اُس غلام نے داروغۂ مطبخ سے جاکر کہا کہ ارے یہ سارا تیرا فساد ہے تو ہی بخل کرتا ہے اور تو نے بے حکم شاہی میرا وظیفہ کم کیا ہے ورنہ بادشاہ سلامت سے تو یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اتنی ذرا سی بات کی طرف نظر کریں کیونکہ کھانے میں انتہائی بات ہے کہ چار پانچ روپیہ صرف ہوتے ہونگے پھر بادشاہ کو اور چار پانچ روپیہ کی پرواہ ہو ہو نہیں سکتا ضرور اسمیں کچھ تیری سازش ہے۔

گفت بہر مصلحت فرمودہ است ‏ نے برائے بخل و نے تنگی دست

یعنی داروغۂ مطبخ نے کہا کہ مصلحت کی وجہ سے (ایسا) حکم دیا ہے۔ نہ بخل و نہ تنگدستی کی وجہ سے

گفت دہلیزیست واللہ این سخن ‏ پیش شہ خاکست ہم زر کہن

یعنی غلام بولا کہ یہ بات تو واللہ ایک سطحی بات ہے (کیونکہ) بادشاہ کے آگے تو خالص سونا بھی خاک ہے۔ مطلب یہ کہ اس غلام نے کہا کہ میاں مصلحت کا ہونا اور اسو جہ سے میرے وظیفہ میں کمی کرنا یہ تو ایک فضول بات ہے بھلا بادشاہ کو جسکے آگے خزانوں کی بھی کوئی قدر نہیں وہ اتنی ذراسی بات پر نظر کرے سمجھ میں نہیں آتا۔ ضرور آپ میں تمہاری شرارت ہے۔

مطبخی دہ گونہ حجت برفراشت ‏ او ہمہ رد کرد از حرصے کہ داشت

یعنی داروغۂ مطبخ نے دس طرح پر حجت پیش کی اس نے سب کو رد کر دیا اس حرص کی وجہ سے جو کہ رکھتا تھا۔ مطلب یہ کہ داروغۂ مطبخ نے ہر چند چاہا کہ کسی طرح یہ سمجھ جاوے اور مجھپر الزام نہ رکھے مگر بھلا وہ سمجھنے والا کب تھا اس نے ایک نہ مانی اور داروغہ ہی کی شرارت بتاتا رہا۔

چون جرے کم آمدش در وقت چاشت ‏ زد بسے تشنیع واو سودے نداشت

یعنی جب چاشت کے وقت اسکا ناشتہ کم آیا تو بہت برا بھلا کہا (مگر) کوئی فائدہ نہوا۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ لوگ تو مامور تھے اسلئے اسکے برا بھلا کہنے سے وہ خلاف وزری حکم کی نہ کرسکے اور برابر کھانا کم ہی دیتے رہے سو جب چاشت کے وقت ناشتہ بھی اسکو کم ملا تو بہت برا بھلا کہا اور بولا کہ۔

گفت قاصد می کنید اینہا شما ‏ گفت نے کہ بندہ فرمانیم ما

یعنی وہ غلام کہنے لگا کہ تم لوگ یہ باتیں قصداً کرتے ہو تو داروغہ نے کہا کہ نہیں ہم تو حکم کے تابع ہیں

این مگیر از فرع این از اصل گیر ‏ بر کمان کم زن کہ از بازو ست تیر

یعنی اسکو فرع سے مت سمجھو اسکو اصل سے سمجھو کمان پر (طعن) مت مارو کہ تیر بازو سے ہے مطلب یہ کہ ہماری اور بادشاہ کی مثال تو فرع اور اصل یا کمان اور بازو جیسی ہے۔ تو اس کمی کو تم فرع سے یعنی ہماری طرف سے مت سمجھو بلکہ یہ جانو کہ حکم شاہی اسی طرح ہے دیکھو اگر کسی شخص کے تیر لگے اور وہ اس لگنے کا الزام کمان پر رکھے اور اس سے لڑنے لگے تو اسکی سخت غلطی ہے بلکہ تیر جو چلا ہے وہ تو بازو کی وجہ سے چلا ہے لہذا بازو سے کہو جو کہنا ہے اسی طرح خود بادشاہ سے جا کر عرض کرو

ہمارے کیوں سر ہوتے ہو یہاں جو کہا ہے کہ "این نگیر از فرع الخ" آگے اس سے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

ما رمیت اذ رمیت ابتلا است　　　بر نبیؐ کم نہ گنہ کاں از خدا است

یعنی ما رمیت اذ رمیت امتحان ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر الزام مت رکھو کیونکہ وہ تو خدا کی طرف سے ہے مطلب یہ کہ حضورؐ نے جو رمی فرمائی تھی اور وہ تمام لشکر کفار میں پہونچ گئی تھی یہ ایک امتحان تھا کہ دیکھیں کون تو حق تعالیٰ کی طرف سے اسکو سمجھتا ہے اور کون رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس رمی کے اصلی رامی تو حق تعالیٰ ہی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو محض ایک واسطہ تھے جیسا کہ ظاہر ہے خود ارشاد ہے کہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ غرضکہ جو کام ہو اسمیں نظر حق تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے۔ کہ وہی اصل ہیں مخلوق کی طرف جو کہ فرع ہے ہرگز نظر مت کرو۔

آب از سر تیرہ است اے خیرہ چشم　　　پیشتر بنگر یکے بکشائے چشم

یعنی پانی منبع ہی سے خراب ہے اے خیرہ چشم تو منبع کو دیکھ ذرا آنکھ کھول۔ مطلب یہ کہ نالوں میں جو پانی آرہا ہے یہ ایک منبع سے آرہا ہے اور چونکہ وہیں سے گدلا ہے اسلئے ان نالوں میں بھی گدلا ہی ہے پانی کے گدلا ہونے میں نالوں کا کوئی قصور نہیں ہے لہذا جو کام بھی ہو اسمیں نظر کو فروع سے آگے بڑھا کر اصل و مبدأ پر نظر کرنی چاہئے۔ اسی طرح یہاں داروغہ نے کہا کہ ہم تو بندۂ فرمان ہیں ہمکو تو جیسا حکم ملا ہے ویسا کرتے ہیں اس حکم کے ذمہ دار تو حضور بادشاہ سلامت ہیں جو کچھ الزام وغیرہ اگر آسکتا ہے تو ان ہی پر آسکتا ہے ہم تو بالکل بری الذمہ ہیں غرضکہ جب اُس غلام نے داروغہ کی یہ باتیں سنیں تو بہت جھلّایا اور اُس جھنجلاہٹ میں یہ کہا کہ۔

شد ز خشم و غم دروں بقعۂ　　　سوئے شہ بنوشت خشمیں رقعۂ

یعنی غصہ اور غم کی وجہ سے ایک کوٹھڑی کے اندر گیا اور بادشاہ کو ایک غصہ کا بھرا ہوا رقعہ لکھا۔

اندراں رقعہ ثنائے شاہ گفت　　　گوہر جود و ثنائے شاہ سُفت

یعنی اُس رقعہ میں بادشاہ کی تعریف لکھی اور بادشاہ کے جود و سخا کے موتی پروئے۔

کائے ز بحر و ابر افزوں کف تو　　　در قضائے حاجت حاجات جو

یعنی کہ اے وہ ذات کہ بحر و ابر سے محتاجوں کی حاجت پوری کرنے میں آپکا ہاتھ زیادہ ہے۔

زانکہ ابر انچہ دہد گریاں دہد　　　کف تو خنداں پیاپے خواں دہد

یعنی اسلئے کہ ابر تو جو دیتا ہے روتا ہوا دیتا ہے اور آپکا ہاتھ ہنستا ہوا پے در پے خواں (نعمت) دیتا ہے۔

ظاہر رقعہ اگرچہ مدح بود　　　بوئے خشم از مدح اثرہا می نمود

یعنی رقعہ ظاہر اتو مدح تھا۔ مگر غصہ کی بو مدح سے بہت سے آثار دکھلا رہی تھی۔ مطلب یہ کہ دانہ غر کی باتوں سے جھلا کر اپنی کوٹھری میں جہاں رہتا تھا گیا اور وہاں جاکر بادشاہ کو ایک بہت ہی جلا بھنا پرچہ لکھا۔ مگر اول اسمیں القاب وآداب لکھے اور بادشاہ کی تعریفیں کیں اور خوب ہی خوشامدانہ القاب وآداب لکھے مگر اُس مدح میں سے بھی بوئے خشم آ رہی تھی اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مدح اور القاب ہرگز دل سے نہیں ہیں بلکہ ان میں غصہ اور حسد وغیرہ پنہاں ہیں کیونکہ کاتب کے مافی الضمیر کا اثر مکتوب میں ضرور آتا ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

زاں ہمہ کار توبے نورست و زشت　　　کہ تو دوری دور از نور سرشت

یعنی تیرے سارے کام اسی لئے بے نور اور برے ہیں کہ تو نور ازلی سے بعید دور ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ تمھارے قلب میں نور نہیں ہے اور تمام کدورات سے تمھارا قلب بھرا ہوا ہے اسلئے تمھارے سارے کام مکدر اور بے نور ہی ہوتے ہیں۔ خواہ تم کتنا ہی اخلاص ظاہر کرو مگر تمھاری اندرونی حالت اور کدورت صاف تمھارے اعمال سے ظاہر ہوتی ہے۔

رونق کار خساں کاسد شود　　　ہمچو میوہ تازہ زو فاسد شود

یعنی کمینوں کے کام کی رونق بے نور ہوتی ہے جیسے کہ میوہ تازہ کہ جلدی ہی بگڑ جاتا ہے۔

رونق دنیا برآرد زو کساد　　　زانکہ ہست از عالم کون وفساد

یعنی دنیا کی رونق اسلئے بے نوری کو نکالتی ہے کہ وہ عالم کون وفساد سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ غیر مخلصین کے اعمال بالکل بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں کیونکہ اُن میں اول ہی سے اخلاص نہیں ہوتا جو بجائے خود ایک بہت بڑا فساد ہے اور اسی سے ساری خرابیاں واقع ہوتی ہیں جیسے کہ تازہ میوہ ہوتا ہے کہ بوجہ مادۂ فساد ہونے کے جلدی ہی بگڑ جاتا ہے اسی طرح بوجہ اخلاص نہونے کے ان اعمال میں بھی رونق نہیں ہوتی اور بالکل بے نور ہوتے ہیں اور کام کرنے میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ بالکل بھی اخلاص کا نام نہیں ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ۔

خوش نگردد از مدیح سینہا   چونکہ در مداح باشد کینہا

یعنی اُس تعریف سے سینے خوش نہیں ہوتے جبکہ مداح میں کینے بھرے ہوں مطلب یہ کہ دیکھو جس طرح اخلاص اور عدم اخلاص کا پتہ لگجاتا ہے اور جو کام دل سے کیا جاوے اور جو بے دلی سے کیا جاوے اُنہیں امتیاز ہوجاتا ہے بس اسی طرح اگر کوئی کینہ ور بظاہر مدح بھی کرنے لگے تو اس مدح سے ممدوح کا قلب خوش نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُن کینوں کا اثر صاف اُس مدح میں معلوم ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے دل از کین و کراہت پاک شو   وانگہاں الحمد خواں چالاک شو

یعنی اے دل (پہلے) کینوں سے اور کراہت سے تو پاک ہوجا اُسوقت الحمد پڑھ اور چالاک ہو۔

بر زباں الحمد و اکراہ دروں   از زباں تلبیس باشد یا فسوں

یعنی زباں پر الحمد اور دل میں اکراہ یا تو زباں سے دہوکہ دینا ہے یا کوئی فنوں ہے مطلب یہ کہ مولانا مدّاح اور قاری قرآن کو خطاب فرماتے ہیں کہ میاں تم جو الحمد پڑھ رہے ہو اور تمھارا دل اندر سے گھبرا رہا ہے اور دل نہیں چاہتا تو ایسے وقت الحمد پڑھنے سے بجائے ثواب کے شاید اور الٹا عذاب ہو تو اول اس اکراہ وغیرہ کو قلب سے صاف کرو اور قلب کو ان رذائل سے پاک کرو پھر الحمد پڑھو تب وہ کام کی ہوگی ورنہ صرف زباں سے پڑہنا تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کسی کو دہوکا دیتا ہے یا کوئی عمل وغیرہ پڑھا کرتے ہیں کہ اسوقت حمد حق منظور نہیں ہوتی بلکہ صرف اُسکا وہ خاص اثر جو عمل سے مقصود ہے منظور ہوتا ہے مگر اسوقت تو تم تلاوت کر رہے ہو اور مقصود حمد حق ہے پھر جب دل میں تو اکراہ بھرا ہوا ہے تو وہ حمد کہاں رہی صرف زبانی جمع خرچ ہوگیا لہذا الحمد پڑہتے ہو تو دل سے پڑہو اور جی لگا کر تاکہ کارآمد بھی ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ تو دلکو دیکھتے ہیں اُن کے یہاں صرف ظاہر کا عمل معتبر نہیں ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

وانگہاں گفتہ خدا کہ ننگرم   من بظاہر من بباطن ناظرم

یعنی اور پھر حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ظاہر کو نہیں دیکھتا میں باطن کو دیکھتا ہوں مطلب یہ کہ اول تو خود بھی حق تعالیٰ کے سامنے ایسا کرنا عقل سلیم کے خلاف ہے کیونکہ خدا کی ساتھ دہوکہ کرنیکو تو کوئی بھی اچھا نہیں کہہ سکتا۔ اور پھر اوپر سے ایک اور بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ ظاہر کو دیکھتے نہیں صرف باطن پر نظر فرماتے ہیں اور تمھارے باطن کی یہ حالت ہے کہ اسمیں اخلاص کا کہیں نام و نشان نہیں ہے صرف زبان ہی سے کلمات حمد نکل رہے ہیں تو بتاؤ کہ پھر بھلا کس طرح تمھارا عمل قبول ہو سکتا ہے جبکہ خود تمھارا عمل ہی

تمہارے عدم اخلاص کی گواہی دے رہی ہے تو اسیطرح اس غلام نے جو رقعہ لکھا اور اسمیں شروع میں بادشاہ کی جو تعریفیں کیں اسے صاف اسکی ناگواری اور غصہ ٹپک رہا تھا۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص عراق گیا جب وطن واپس آیا تو بہت بری حالت ہو رہی تھی پھٹے کپڑے ٹوٹے ہوئے جوتے غرض ایک عجیب ہیئت کذائی سے وطن تشریف لائے تو دوستوں نے عزیز و اقارب نے سفر کے حالات دریافت کئے تو آپ فرمانے لگے کہ وہاں جب میں پہونچا تو میں مقرب شاہی ہو گیا۔ اور میری بادشاہ نے بیحد تعظیم و تکریم کی اور بیحد انعامات دئے اور خلعتیں بہت مرحمت کیں مگر اسکی ظاہری حالت اسکے کذب پر پوری طرح دلالت کر رہی تھی اور معلوم ہو رہا تھا کہ یہ ساری باتیں غلط ہیں تو جسطرح اسکی حالت بالکل صاف طور پر اسکے کذب پر دلالت کر رہی تھی اسی طرح غیر مخلص کی حمد بھی اسکے عدم اخلاص پر پوری طرح دلالت کرتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمام حمد و نعت دل سے نہیں ہے۔ لہذا زبان کی ساتھ دل کو بھی شریک کرنا ضروری ہے تاکہ وہ عمل مقبول ہو سکے خوب سمجھ لو آگے حکایت بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

حکایت اس مداح کی کہ عزت کیلئے وہ ممدوح کی تعریف کر رہا تھا اور کدورت قلبی کی بو باتوں سے صاف آ رہی تھی اور اسکے پھٹے ہوئے کپڑوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ ساری مدح جھوٹی ہے اور صرف شیخی ہے

آں یکے با دلق آمد از عراق	باز پرسیدند یاراں از فراق
گفت آرے بُد فراق الا سفر	بود بر من بس مبارک مژدہ ور
کہ خلیفہ دادہ دہ خلعت مرا	کہ قرینش باد صد مدح و ثنا

شکرها و حمدها بر می‌شمرد | تا که شکر از حد و اندازه ببرد

پس بگفتندش که احوال نژند | بر دروغ تو گواهی می‌دهند

تن برهنه سر برهنه سوخته | شکر را دزدیده یا آموخته

کو نشان شکر و حمد میر تو | بر سر و بر پای بی‌توفیر تو

گر زبانت مدح آن شه می‌تند | هفت اندامت شکایت می‌کند

در سخای آن شه و سلطان جود | مر ترا کفشی و شلواری نبود

گفت من ایثار کردم آنچه داد | میر تقصیری نکرد از افتقاد

بستدم جمله عطاها از امیر | بخش کردم بر یتیم و بر فقیر

مال دادم بستدم عمر دراز | در جزا زیرا که بودم پاکباز

پس بگفتندش مبارک مال رفت | چیست اندر باطنت این دود نفت

صد کراهت در درون تو چو خار | کی بود اندُه نشان ابتشار

کو نشان عشق و آثار رضا | گر درست است انچه گفتی ما مضی

خود گرفتم مال گم شد میل کو | سیل اگر بگذشت جای سیل کو

چشم تو گر بد سیاه و جانفزا | گر نماند او جانفزا ازرق چرا

کو نشان پاکبازی ای ترش | بوی لاف کژ همی آید خمش

صد نشان باشد درون ایثار را | صد علامت هست نیکوکار را

مال در ایثار اگر گردد تلف | در درون صد زندگی آید خلف

در زمین حق زراعت کردنی | تخمهای پاک وانگه دخل نی

گر نگردد ریع جاں یکدانہ صد ‌ ‌ صحن ارض اللہ واسع کے بود

اصل ارض اللہ قلب عارفست ‌ ‌ لامکانست و ندارد فوق و پست

گر نروید خوشہ از روضات ہو ‌ ‌ پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو

چونکہ ایں ارض فنا بے ریع نیست ‌ ‌ چوں بود ارض اللہ مستوسع است

ریع آنرا نے حدو نے عد بود ‌ ‌ کمترین دانہ دہد ہفصد بود

حمد گفتی کو نشاں حامدوں ‌ ‌ نے برونت ہست آثر نے اندروں

حمد عارف مر خدا را راست است ‌ ‌ کہ گواہ حمد او شد پا و دست

از چہ تاریک جسمش بر کشید، ‌ ‌ وز تگ زنداں دنیا اش خرید

اطلس تقوے و نور ہو تلف ‌ ‌ آیت حمدست او را بر کتف

وارہیدہ از جہان عاریہ ‌ ‌ ساکن گلزار و عین جاریہ

بر سریر سر عالے ہمتش، ‌ ‌ مجلس و جا و مقام و رتبتش،

مقعد صدقیکہ صدیقاں درو ‌ ‌ جملہ سرسبز اند و شاد و تازہ رو

حمد شاں چوں حمد گلشن از بہار ‌ ‌ صد نشانے دارد و صد گیرو دار

بر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ ‌ ‌ واں گلستان و نگارستاں گواہ

شاہد شاہد ہزاراں ہر طرف ‌ ‌ در گواہی ہمچو گوہر بر صدف

بوئے سر بد بیاید از دمت ‌ ‌ از سر و رو تابد اے لافی غمت

بو شناسا نند حاذق در مصاف ‌ ‌ تو بجلدیہائے ہو کم کن گزاف

تو ملاف از مشک کاں بوئے پیاز ‌ ‌ از دم تو می کند مکشوف راز

گل شکر خوردم ہمی گوئی و بو — می زند از سیر کہ یا وہ مگو

ہست دل مانندۂ خانہ کلاں، — خانۂ دل را نہاں ہمسائگاں

از شگاف روزن و دیوارہا — مطلع گردند بر اسرارہا

از شگافے کہ ندارد ہیچ وہم — صاحب خانہ ندارد ہیچ فہم

از نبے برخواں کہ دیو و قوم او — می برند از حال انسی خفیہ بو

از رہے کہ انس ازاں آگاہ نیست — زانکہ زیں محسوس وزیں اشباہ نیست

درمیاں ناقداں زرقے متن — با محک ای قلب دوں لافے مزن

مر محک را رہ بود در نقد و قلب — کہ خدایش کرد امیر جسم و قلب

چوں شیاطین با غلیظیہائے خویش — واقف انداز سرما و فکر و کیش

مسلکے دارند دزدیدہ دروں — ما ز دزدیہائے ایشاں سرنگوں

دمبدم خبط و زیاں شاں میرسد — رنج می بینند زاں جان و جسد

دمبدم خبط و زیانے می کنند، — صاحب نقب و شگاف و روزنند

پس چرا جانہائے روشن در جہاں — بیخبر باشند از حال نہاں،

در سرایت کمتر از دیوان شدند — روحہا کہ خیمہ بر گردوں زدند

دیو دزدانہ سوئے گردوں رود — از شہاب محرق او مطعوں شود

سرنگوں از چرخ زیر افتد چناں — کہ شقی در جنگ از زخم سناں

آں ز رشک روحہائے دلپسند — از فلک شاں سرنگوں می افگنند

تو اگر شلی و لنگ و کور و کر، — ایں گماں بر روحہائے مہ سبر

شرم دار و لاف کم زن جان مکن	کہ بسے جاسوس ہست آں سوئے تن

یعنی ایک دلق پوش عراق سے آیا۔ دوستوں نے زمانہ مفارقت کی حالت پوچھی اس نے کہا کہ جدائی تو بیشک تھی مگر یہ سفر میرے لئے نہایت مبارک اور خوشخبری والا تھا کیونکہ بادشاہ نے مجھے دس خلعت دئے ہیں خدا اوسے مدح و ثنا سے مقترن رکھے غرض کہ اس نے اسکا شکر کیا۔ اور تعریفیں کیں یہاں تک کہ اس نے شکر اور تعریفوں کو حد سے بڑہا دیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو اسقدر شکر اور تعریفیں کرتے ہیں مگر آپکی تباہ حالت جھوٹ پر گواہی دیتی ہے کیونکہ بدن پر تمہارے کپڑا نہیں سر پہ تمہارے ٹوپی تک نہیں جلے بھُنے ہوئے ہو ایسی حالتمیں یہ شکر یا تو تم نے کسی سے چرایا ہے یا سیکھا ہے ذرا آپ اپنے سر پر یا پاؤں پر اپنے آقا کی شکر اور تعریف کی نشانی تو دکھائے کہاں ہے۔ اگر تمھاری زبان بادشاہ کی تعریف کرتی ہے تو تمھارا کل جسم اُسکی بزبان حال شکایت کرتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اتنا سخی اور کریم بادشاہ تم پر سخاوت کرے اور نہ تمھارے پاؤں میں جوتہ ہے اور نہ ٹانگوں میں ازار۔ پس معلوم ہوا کہ آپکا بیان محض غلط ہے اس نے جواب دیا کہ میری خستگی کا باعث یہ ہے کہ جو کچھ مجھے ملا تھا میں دوسروں کو دے چکا ہوں بادشاہ نے اپنی عنایت سے دینے میں کمی نہیں کی ہے بلکہ میں نے بادشاہ سے لیکر یتیموں اور فقیروں کو بانٹ دیا ہے اور میں نے مال دیکر اسکے معاوضہ میں عمر ابدی لی ہے کیونکہ میں ایک پارسا شخص ہوں لہذا یہی میرے لئے زیبا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مال کا جانا تو مبارک ہو مگر یہ تو فرمائیے کہ آپکے اندر یہ غم کا تیر اور گرم دہواں کیسا ہے آپ کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے والی سیکڑوں ناخوشیاں ہیں اور ایثار کیلئے بشاشت لازم ہے اور غم بشاشت کی نشانی ہو نہیں سکتا تو کیسے کہا جاوے کہ آپ کو خوشی ہے اور جب خوشی نہیں تو کیسے مانا جاوے۔ کہ آپنے وہ تمام مال تقسیم کر دیا۔ جو کچھ آپ نے گذشتہ واقعہ کی نسبت بیان کیا ہے اگر وہ فی الحقیقت صحیح ہے تو عشق و رضا جو کہ منشاء پاکبازی ہیں اُنکی نشانی اور اثر دکھلائیے کہاں ہے مال کو تو میں نے مان لیا کہ وہ تقسیم کرنے سے گم ہو گیا۔ مگر محبت الٰہی جو اسکا منشاء ہے وہ کہاں ہے اور اگر سیلاب گذر گیا ہے تو اُسکا مقام کہاں ہے جس سے سیلاب کا پتہ چل سکے اور اگر تمھاری آنکھ سیاہ اور جانفزا تھی اور اب وہ جانفزا نہ رہی تو نہ سہی لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ کنجی کیوں ہے غرض کہ جب کسی شے کی بابت کوئی دعویٰ کیا جاتا ہے ایسی حالت میں اگر اس شے کے آثار و نشانات نہ موجود ہوں یا اُسکی ضد کے نشانات موجود ہیں

تو وہ قابل تسلیم نہیں ہوتا۔ پس آپ دکھلائیے کہ پاکبازی کی آپ کے اندر کون سی نشانی ہے پس بے
خاموش رہیے۔ آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غلط ڈینگیں مارتے ہیں جناب آپ نے دو دعوے
کئے ہیں ایک ایثار کا اور ایک پاکبازی کا۔ ایثار کی بھی سیکڑوں علامتیں ہیں اور پارسائی کی بھی اور
ان دونوں کی نشانیوں میں سے آپ میں کوئی نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر آپ کے دعووں کو
سچا کیونکر مان لیا جاوے۔ سنئے اگر ایثار کرنے میں مال ضائع ہوتا ہے تو باطن میں سیکڑوں قسم
کی زندگیاں اسکی جگہ پیدا ہو جاتی ہیں یعنی سیکڑوں ایسے کمالات باطنی حاصل ہوتے ہیں جنمیں سے
ہر ایک کو ایک حیات مستقل کہا جا سکتا ہے بھلا خدا کی زمین میں کوئی عمدہ بیج بوئے اور پیداوار نہ ہو
اسکے معنی کیا ہیں جو کھیتی جان میں کیجاتی ہے اور اسمیں نیکیوں کا بیج بویا جاتا ہے اگر اسمیں ایک دانہ
کے سو دانے اور ایک نیکی کے سو ثمرے نہوں تو پھر خدا کی زمین وسیع کیونکر ہو گی (ف اسمیں اشارہ
ہے آیۂ کریمہ وارض اللہ واسعۃ کی طرف۔ گو اس آیۃ میں نہ زمین سے مراد روح یا دل ہے اور
نہ وسعت سے وسعت معنوی۔ بلکہ یہاں تو ظاہری ہی معنی مراد ہیں۔ مگر مولانا نے اعتبار کے طور
پر ارض سے قلب یا روح مراد لی اور وسعت سے کثرت انبات) یہانتک تو سائلوں کی گفتگو تھی
اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زمین معروف تو خدا کی زمین ہی ہے اسمیں تو کلام ہی
نہیں مگر اصل خدا کی زمین قلب عارف ہے جو اس متعارف زمین سے جداگانہ ہے کیونکہ یہ مکان ہے
وہ لامکان اور اسمیں بلندی و پستی ہے اسمیں بلندی و پستی نہیں۔ پس جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ اصل
خدا کی زمین قلب عارف ہے تو لازم ہے کہ اسکے باغات یعنی صفات محمودہ حق سبحانہ کے باغات
ہوں۔ پس اگر خدا کے ان باغوں میں خوشہائے ثمرات محمودہ نہ پیدا ہوں تو تمھیں بتاؤ خدا کی زمین
وسیع کیسے ہو گی۔ حالانکہ اسکو زمین کی بہ نسبت زیادہ واسع ہونا چاہیئے۔ کیونکہ حق سبحانہ اپنی زمین
کو واسع فرما رہے ہیں اور ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ زمین ارض اللہ ہی ہے مگر اصل ارض اللہ قلب عارف ہے تو وہ بالاولیٰ واسع
ہو گی۔ اور جبکہ یہ ارض فانی بیخبر نہیں تو خدا کی زمین جو اس سے زیادہ وسیع ہے بنجر کیسے ہو گی جب
یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ اسکی پیداوار بے انتہا اور بے شمار ہے اور معمولی دانۂ نیکی بو و تو اسکے سات
سو ثمرات محمودہ پیدا ہوتے ہیں لیکن شرط یہ ہو کہ دانہ اچھا اور جمنے کے قابل ہو۔ جب یہ معلوم ہو گیا
کہ جب دل میں نیکی کا بیج بویا جاتا ہے تو اس سے سیکڑوں ثمرات محمودہ روح و قلب کے اندر پیدا ہوتے

ہیں۔ تو اے ناقص ہم تجھ سے پوچھتے ہیں کہ تو خدا کی تعریف تو کرتا ہے مگر حامدین کی نشانی
یعنی آثار محمودہ تجھ میں کہاں ہیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ نہ تیرے دل میں کوئی اثر ہے نہ ظاہر میں
پس معلوم ہوا کہ تیری تعریف کا بیج اچھا نہیں۔ اور وہ تعریف با قاعدہ نہیں۔ برخلاف عرفا کے کہ
یہ جو کچھ خدا کی تعریف کہتے ہیں وہ باقاعدہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے اجزاء بدن انکی تعریف کی باقاعدہ
ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ تعریف انکے جسم کو اندھیرے کنویں سے نکالتی ہے۔ اور اس
دنیا کے جیلخانہ سے رہائی دیتی ہے۔ اور تقوی اور اس نور کا اطلس جو کہ انکی ساتھ مجتمع اور ان کے
رگ و ریشہ میں مخلوط ہو کر اُن کے ظاہر جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔ اُن کے شانہ پر اُن کے حمد کی علامت
ہوتا ہے یعنی انکی دنیا سے بے تعلقی۔ ہوا و ہوس سے تجرد۔ تقوی اللہ اور نور حق سبحانہ یہ سب دلائل
ہیں ان کے خلوص حمد کے۔ یہ لوگ اس جہان فانی سے آزاد اور گلزار معارف وحقائق اور ان کے
جاری چشموں میں رہتے ہیں اور انکی نشستگاہ اور جگہ اور مقام اور رتبہ قلب عالی ہمت کے تخت
پر ہوتے ہیں یعنی یہ قلب کے بادشاہ ہوتے ہیں اور اسپر انکا تسلط ہوتا ہے اور انکا مقام وہ اعلےٰ
مقام ہوتا ہے جسمیں صدیق لوگ سرسبز اور شادکام اور ہشاش بشاش رہتے ہیں (ف) قولہ مقعد صدق الخ
مقعد صدق کے اندر ولی محمد نے دو احتمال بیان کئے ہیں اول یہ کہ خبر ہو منتقش کی جو بیت سابق
میں واقع ہے۔ دوسرے یہ کہ صفت ہو سریر کی احتمال اول تو ایک درجہ میں صحیح ہے۔ مگر احتمال ثانی
غلط ہے۔ کیونکہ اگر مقعد صدق سریر کی صفت ہوگا تو لازم آئیگا کہ اسم ظرف صفت ہو حالانکہ
ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہاں بدل یا بیان ہو سکتا ہے مگر اُسوقت یہ خرابی ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہوگی
بر مقعد صدقیکہ صدیقان در وشاد اند ولا یخفی سخافتہ۔ میرے نزدیک مقعد صدق خبر ہے
مبتدا محذوف کی اسے مقعداو مقعد صدقیست کہ الخ فتدبر) انکی حمد خدا ایسی ہوتی ہے جیسے گلشن
کی حمد خدا بہار کے ذریعہ سے کہ اُسکی سیکڑوں نشانیاں اور شان وشوکت موجود ہیں کیونکہ اُسکی
بہار پر جو کہ اُسکی حمد ہے چشمے۔ درخت۔ نباتات پھولوں کے تختے اور مرغزار باغیچے گواہ ہیں اور صرف
یہی نہیں کہ اُسکی حمد پر گواہ ہی موجود ہوں بلکہ ان گواہوں کے گواہ بھی ہیں۔ اور وہ گواہوں کے گواہ
ہر طرف سیکڑوں بلبلیں ہیں یعنی یہ سب اپنی گواہی میں ایسی ہی سچی ہیں جیسے موتی صدف پر
گواہی دیتے ہیں (ف) اس تقریر سے معلوم ہوا کہ شاہد شاہد ترکیب اضافی ہے نہ کہ توصیفی اور

شاہد ثانی کے معنی گواہ کے ہیں۔ نہ کہ حاضر یا مشاہدہ کرنے والا محبوب - اور ہزاران یعنی عندلیبان ہے نہ کہ عدد (کما فہم المحشون) یہانتک عارفین کی حالت بیان کرکے پھر گفتگو کا رُخ بدلتے ہیں اور مدعی ناقص کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں - اے شیخیاں مارنے والے مدعی گو تیری حالت ظاہری عرفا کے مشابہ ہے مگر تیری گفتگو سے تیری بد باطنی کی بو آتی ہے - اور تیرے چہرہ سے تیرا غم جھلکتا ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنی گفتگو سے سبکو دھوکا دے لونگا - کیونکہ اس معرکہ میں ایسے ماہر لوگ بھی موجود ہیں جو بو کو پہچانتے ہیں پس جلدی سے فضول ہائے دہو مت کر اور جوش و خروش مت دکھلا - اور تو مشک کھانے کا دعوے نہ کر کیونکہ تیری سانس سے تیری اندرونی حالت معلوم ہوتی ہے تو مدعی ہے کہ میں نے گلقند کھائی ہے - مگر تیرے منہ سے لسن کی بدبو آرہی ہے جو کہتی ہے کہ تو فضول بکواس مت کر تو یاد رکھ کہ دل کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بڑی حویلی ہو - اور اس حویلی کے پاس کچھ پڑوسی رہتے ہیں جو کہ سوراخوں میں سے اور دیواروں پر سے اُسکی اندرونی حالت معلوم کر لیتے ہیں - اور اس شگاف سے مطلع ہوتے ہیں جسکا کسی کو خیال بھی نہیں ہوتا اور صاحب خانہ اُسکو سمجھتا بھی نہیں دیکھو قرآن میں مذکور ہے کہ ابلیس اور اُسکی ذریات آدمی کی مخفی حالت کو خفیہ طور پر معلوم کر لیتے ہیں اور اس راہ سے معلوم کرتے ہیں جسکا آدمی کو پتہ بھی نہیں ہوتا - کیونکہ وہ رستہ از قبیل محسوسات بحواس ظاہرہ واز قبیل اجسام نہیں ہوتا - جسکے احساس کا یہ عادی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ تم مبصرین کے درمیان رہکر فریب مت کرو - کیونکہ وہ فریب چلنے والا نہیں ہے - اور اے کھوٹے سونے تو کسوٹی کے سامنے شیخی نہ مار کیونکہ یہ کسوٹی کھرے کھوٹے دونوں کی حالت کو جان لیتی ہے کیونکہ خدا نے اسکو جسم اور دل دونوں کا حاکم بنایا ہے کیونکہ جب شیاطین باوجود اپنی کثافت یا خباثت کے آدمی کے اسرار اور افکار وغیرہ معلوم کر لیتے ہیں اور باطن میں ان کے لئے ایک چور گلی بنی ہوئی ہے جس سے وہ چوری کرتے ہیں اور ہم اُنکی چوری سے مغلوب و معکوس ہیں اور ہمکو ان سے ہر دم ایک نیا جنون اور نقصان پہونچتا ہے اور ہمارے اجسام و ارواح کو ان سے ہر دم تکلیف پہونچ رہی ہے اور ہر وقت وہ ہمکو ایک نیا جنون دیتے اور نیا نقصان پہونچاتے ہیں کیونکہ اُن کیلئے ہمارے ارواح و اجسام میں ایک مخفی نقب لگی ہوئی ہے اور مخفی روزن کھلا ہوا ہے جس سے وہ یہ کارروائیاں کر سکتے ہیں - تو ارواح نورانیہ ہماری حالت مخفیہ سے کیونکر ناواقف رہ سکتی ہیں اگر ایسا ہو تو لازم ہوگا کہ جو ارواح گردوں نشیں ہیں اور

راز ہائے آسمانی کے جاننے والے ہیں وہ شیاطین سے بھی کم ہو جاویں حالانکہ وہ ہرگز ان سے کم نہیں اور دلیل اسکی یہ ہے کہ شیاطین آسمان پر جاتے ہیں تو وہ جلا دینے والے شہاب سے مارے جاتے ہیں جس سے وہ زمین پر یوں اوندھے منہ گرتے ہیں جیسے ایک بدبخت جنگ میں انکا زخم کھا کہ گرے۔ اور فرشتے انکو ان ارواح طیبہ و مرغوبہ کے رشک کے سبب گراتے ہیں۔ کیونکہ اس سے انکو غیرت ہوتی ہے کہ جو اسرار حصہ ہیں ارواح طیبہ کا ان میں شیاطین بھی شریک ہوں جب انکی یہ حالت ہے تو پھر وہ کیونکر شیاطین سے کم ہو سکتے ہیں ہم نے مانا کہ تو لنگڑا لنجا اور اندھا اور بہرا ہے اور تجھے باطن سے کچھ واقفیت نہیں۔ اور تو اسمیں گھس نہیں سکتا مگر تجھے عالی مرتبہ ارواح پر ایسا گمان نکرنا چاہئے اور شرم کرنی چاہئے اور ان کے سامنے شیخی نہ مارنی چاہئے۔ اور ظاہر کو آراستہ کر کے فضول زحمت میں نہ پڑنا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو جسم کے اندر کے حالات کے جاننے والے ہیں (ف) واضح ہو کہ مولانا نے جو عرفا کے جاسوس القلوب ہونیکا دعویٰ کیا ہے اور اسپر اس طرح استدلال کیا ہے کہ شیاطین جب اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں تو اہل اللہ کیوں نہ ہوں گے اس سے مقصود محض دفع استبعاد اہل اللہ کی اطلاع یابی سے اور یہ مقصود نہیں کہ جس طرح شیاطین کو بوجہ ایک خاص غرض یعنی امتحان عباد کے اختیار دیا گیا ہے کہ جب چاہیں مطلع ہو جائیں یوں ہی اہل اللہ کو بھی اختیار ہے کیونکہ اہل فن کا مسلم مسئلہ ہے کہ کشف اہل اللہ اختیاری نہیں بلکہ جسوقت حق سبحانہ چاہتے ہیں اسوقت انکو مطلع کر دیتے ہیں۔ اور جسکو چاہتے ہیں اُسے مطلع کرتے ہیں۔ بس نہ کشف حالات کے لحاظ سے عام ہے اور نہ افراد کے لحاظ سے یعنی نہ یہ ہی ہے کہ ہر کسی کو کشف ہو۔ اور نہ یہ ہی کہ جسے کشف ہو اُسے ہر حالت میں ہو اگر تم کو ہمارے اس بیان کی تائید خود مولانا ہی کے کلام سے مطلوب ہو۔ تو سنو دفتر سوم میں مولانا نے دقوقی کا قصہ لکھا ہے اُسمیں بیان کیا ہے کہ دقوقی نے اہل کشتی کیلئے اثنار نماز میں دعا کی مقتدین کو جو عارفین کامل تھے اتنا تو مکشوف ہو گیا کہ کسی نے دعا کی ہے مگر یہ کسی کو معلوم نہوا کہ دعا کرنے والا کون ہے چنانچہ نماز کے بعد انھوں نے آپسمیں گفتگو کی اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم نے دعا کی تھی ان سب نے انکار کیا اُسوقت اُنھوں نے سمجھا کہ دعا کرنے والے دقوقی ہیں نیز دقوقی کو اتنا بھی معلوم نہوا کہ یہ کون لوگ ہیں علیٰ ہذا مثنوی کے تتبع سے اور بھی اسکے نظائر ملیں گے پس ناظر مثنوی کو چاہئے کہ مولانا کے ظاہر کلام سے دھوکہ نہ کھاوے۔ کیونکہ کبھی اُن کے

کلام سے وہ معنی مفہوم ہوتے ہیں جو انکی مراد نہیں ہوتی۔ ایسے مقام پر قواعد شرعیہ اور اصول اصل فن اور خود مولانا کے دوسرے کلام کو پیش نظر رکھکر معنی سمجھے ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے۔

شرح شبیری

حکایت اُس مداح کی کہ عزت کے لئے وہ ممدوح کی تعریف کر رہا تھا اور کدورت قلبی کی بو باتوں سے صاف آرہی تھی اسکے پھٹے ہوئے کپڑوں صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ ساری مدح جھوٹی ہے اور صرف شیخی ہے

آں یکے با دلق آمد از عراق　　باز پرسیدند یاراں از فراق

یعنی وہ ایک شخص گدڑی باز عراق سے واپس آیا تو دوستوں نے (زمانہ) فراق کے حالات دریافت کئے یعنی لوگوں نے پوچھا کہو جی سفر میں کیا کیا گذری کس کس طرح رہے۔

گفت آرے بد فراق الا سفر　　بود بر من بس مبارک مژدہ ور

یعنی کہنے لگا کہ ہاں فراق تو تھا مگر سفر میرے لئے تو بڑا مبارک خوشخبری والا تھا۔ مطلب یہ کہ آپنے جواب دیا کہ سفر میں صرف ایک امر تو شاق تھا کہ سب سے جدائی تھی بس اسکا تو غم رہتا تھا ورنہ یہ سفر تو میرے لئے بڑا مبارک سفر تھا اسلئے کہ۔

کہ خلیفہ دادہ خلعت مرا　　کہ قرینش باد صد مدح و ثنا

یعنی کہ خلیفہ نے مجھے دسیوں خلعتیں عطا فرمائیں سیکڑوں مدح و ثنا اُسکی ساتھی رہے۔

شکرہا و حمدہا بر مے شمرد　　تا کہ شکر از حد و اندازہ ببرد

یعنی شکریے اور تعریفیں کرتا رہا یہانتک کہ شکر کو حد و اندازہ سے گذار دیا۔ مطلب یہ کہ کہنے لگا کہ میں جو عراق میں پہونچا تو خلیفہ نے مجھے دسیوں تو خلعتیں عطا فرمائیں اور مزید انعامات عطا کئے اور بڑی عزت و منزلت کی اور وہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں غرض حد سے زیادہ خلیفہ کی تعریف شروع

کردی۔ کہ اُس نے مجھے یوں انعام دئے اور یوں خلعتیں عطا کیں۔

پس بگفتندش کہ احوال نژند　　بر دروغ تو گواہی می دہند

یعنی اسپر لوگوں نے اُس سے کہا کہ گدڑی کی حالت تو تیری جھوٹ پر گواہی دے رہی ہے۔

تن برہنہ سر برہنہ سوختہ　　شکر را دزدیدہ یا آموختہ

یعنی بدن ننگا سر ننگا جلا بھنا تو شکر تو چرالیا ہے یا سیکھ لیا ہے۔

کو نشان شکر و حمد میر تو،　　بر سر و بر پائے بے توقیر تو،

یعنی تیرے سر اور پائے بے توقیر پر تیرے ممدوح اور حمد کا نشان کہاں ہے۔

گر زبانت حمد آں شہ می تند　　ہفت اندامت شکایت میکند

یعنی اگر تیری زبان اُس بادشاہ کی حمد کرتی ہے تو تیرے ساتوں اعضا تیرے جسم کی شکایت کرتے ہیں۔

در سخائے آں شہ و سلطان جود　　مر ترا کفشے و شلوارے نبود

یعنی اُس بادشاہ اور سلطان جود کی سخا میں تیرے لئے ایک جوتہ اور ایک پاجامہ نہیں تھا۔
مطلب یہ کہ اُنکی باتیں سنکر لوگوں نے کہا کہ میاں تمھاری حالت تو کہ سر ننگے پاؤں وہاں سے آئے ہو تم کو جھوٹا ثابت کر رہی ہے کیونکہ جیسے تم اپنے ممدوح کی تعریف کر رہے ہو اُسکا اثر بھی تو کچھ تمہارے اعضا پر ہونا چاہئے کہ عمدہ عمدہ لباس ہوتے ان خلعتوں میں سے کوئی خلعت پہنے ہوئے ہوتے اب تو تیری زبان تو تعریف کر رہی ہے مگر اور سارے اعضا انکار کر رہے ہیں بھلا ایسا بھی کیا تھا کہ خزانہ شاہی میں تیرے لئے ایک جوڑا جوتہ اور ایک پائجامہ نہیں تھا کہ جو تجھے دیدیتے۔ اور تو اُنکو پہن لیتا۔ تو چیتھڑے لگا کر یہاں نہ آتا مطلب یہ کہ وہاں تو یہ سب چیزیں ہیں مگر حضرت بادشاہ تک تمھاری رسائی ہی نہیں ہوئی ہے اور یہ تمھارے سارے شکر ہے اور حمد لیسے ہیں جیسے کہ تم نے سبق پڑھ لیا ہے کہ بس آموختہ سا پڑھ دیا ورنہ حقیقت اُنکی کچھ بھی نہیں اسکو سنکر وہ بات بنانا ہے۔

گفت من ایثار کردم آنچہ داد　　میر تقصیرے نکرد از افتقاد

یعنی کہنے لگا کہ جو کچھ بادشاہ سلامت نے عطا کیا تھا میں نے سب لٹا دیا ورنہ بادشاہ نے خبر گیری میں کمی نہیں کی۔

بستدم جملہ عطاہا از امیر ۔۔۔ بخش کردم بر یتیم و بر فقیر

یعنی میں نے تمام انعامات بادشاہ سے تو لے لئے (مگر) یتیموں اور فقیروں کو بخش دئے۔

مال دادم بستدم عمر دراز ۔۔۔ در جزا زیرا کہ بودم پاکباز

یعنی میں نے مال تو دیدیا اور بدلے میں عمر دراز لے لی۔ کیونکہ میں ایک پاکباز شخص تھا۔ مطلب یہ کہ اُن لوگوں کی باتیں سنکر بولے کہ ہاں بے شک مجھپر اسکو کوئی اثر نہیں رہا اور میری یہ حالت ہو گئی مگر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ بادشاہ نے انعامات نہیں کئے بلکہ بادشاہ نے تو انعامات کئے تھے مگر چونکہ میں بھی خود سخی تھا (بلکہ بادشاہ سے بھی زیادہ سخی تھے) اسلئے بادشاہ سے لیکر میں نے فقیروں مسکینونکو بخشدئے۔ اپنے پاس نہیں رکھے اور بجائے مال وزر کے اُن سے دعا لے لیں۔ کہ جب اُنکو مال ملا تو اُنھوں نے درازی عمر و ترقی درجات کی دعائیں دیں اُسکو سنکر اُن لوگوں نے جواب دیا کہ۔

پس بگفتندش مبارک مال رفت ۔۔۔ چیست اندر باطنت این دود تفت

یعنی پھر اُس سے لوگوں نے کہا کہ مبارک ہو کہ مال گیا (مگر) آپ کے باطن میں یہ تیز دھواں کیا ہے

صد کراہت در درون تو چو خار ۔۔۔ کے بود اندہ نشان ابتشار

یعنی سیکڑوں کراہتیں تیرے اندر کانٹے کی طرح بھری ہوئی ہیں تو غم بشاشت کی نشانی کب ہوتا ہے

کو نشان عشق و ایثار و رضا ۔۔۔ گر درست است آنچہ گفتی ماضی

یعنی عشق اور ایثار اور رضا کی نشانی کہاں ہے۔ اگر جو تم ماضی (قصہ) کو بیان کررہے ہو وہ سچ ہے

خود گرفتم مال گم شد میل کو ۔۔۔ سیل اگر بگذشت جای سیل کو

یعنی میں نے مان لیا کہ مال جاتا ہے (مگر) میل کہاں ہے سیل اگر گذر گیا تو جائے سیل کہاں ہے

چشم تو گر بد سیاہ و جانفزا ۔۔۔ گر نماند او جانفزا ازرق چرا

یعنی اگر تیری آنکھ سیاہ اور جانفزا تھی اگر جانفزا نہیں رہی تو کرنجی کیوں ہو گئی۔

کو نشان پاکبازی اے ترش ۔۔۔ بوے لاف کژ ہمی آید خمش

یعنی اے ترش (رو) پاکبازی کی نشانی کہاں ہے بس چپ رہ فضول شیخی کی بو آرہی ہے

صد نشان باشد درون ایثار را ۔۔۔ صد علامت ہست نیکوکار را

یعنی ایثار کے لئے تو قلب میں سیکڑوں نشانیاں ہوتی ہیں اور نیکوکار کے لئے سو علامتیں ہوتی ہیں۔

مال در ایثار گر گردد تلف　　در درون صد زندگی آید خلف

یعنی مال اگر ایثار میں تلف ہو جاوے تو بدلے میں سیکڑوں زندگی باطن میں آجاتی ہیں۔

در زمین حق زراعت کردنے　　تخمہائے پاک وانگہ دخل نے

یعنی حق تعالیٰ کی زمین میں زراعت کرنا اور تخم عمدہ اور آمدنی نہو (محال ہے)۔

گر نگردد زرع جاں یکدانہ صد　　صحن ارض اللہ واسع کے بود

یعنی اگر روحانی کھیتی میں ایکدانہ کے سودانے نہوں۔ تو حق تعالیٰ کی زمین کا صحن واسع کب ہو مطلب یہ کہ جب اُس نے بہت شیخی بگھاری کہ مجھے یوں خلعت وغیرہ ملی تھیں مگر میں چونکہ ایک سخی شخص تھا میں نے سب تقسیم کر دیں اسلئے میرے پاس کچھ نہ رہا۔ اور میں مفلس کا مفلس ہی رہگیا۔ تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ میاں اس طرح مال کا خرچ کر دینا اور خیرات کر دینا تو مبارک ہو اور خداوند کریم ہمیشہ اسکی توفیق دے مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ خیرات کرے اور کسی کو چیز دیکر تو دل میں خوشی اور بشاشت ہوتی ہے اور ایثار و خیرات سے تو حُبِّ حق قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اور اگرچہ مال پاس نہیں ہوتا مگر فرحت ایسی ہوتی ہے کہ وہ مال کی موجودگی میں بھی شاید نہو تی۔ اسلئے خدا کی راہ میں خرچ کرنا تو قرب حق اور حب حق کو زیادہ کرتا ہے پھر اسکے سامنے مال و دولت ظاہری کیا چیز ہیں حب دل میں حب حق ہو اسکی فرحت بیحد ہوتی ہے۔ تو ہم نے مانا کہ مال تو نہ رہا مگر ایثار کا جو اثر فرحت ہے وہ تو ہوتا جیسے کہ مثلاً کسی جگہ پانی کی رو آوے تو پھر اگر وہاں رو موجود نہ رہے مگر اُسکا نشان اور اثر تو موجود رہتا ہے علی ہذا اگر مثلاً جوانی میں کسی کی آنکھ بہت ہی دلربا اور نفیس ہو اور بڑھاپے میں وہ دلربائی اسمیں نہ رہے تو یہ بھی تو نہیں کہ کرنجی ہو جاوے ہاں وہ دلربائی نہ سہی وہ ادائیں نہ سہی مگر پتلی سیاہ تو رہے اسی طرح مال نہیں رہا تو اسکا اثر تو رہے اسلئے کہ مشاہد ہے کہ اگر کسی کو احسان کے طور پر مال دیا جاتا ہے معطی کو بیحد فرحت ہوتی ہے پھر تجھے غم کیوں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ساری باتیں تیری شیخی پر مبنی ہیں نہ تجھے کچھ ملا ہے اور نہ تو نے کسی کو کچھ دیا ہے۔ بھلا خدا کی زمین میں کوئی زراعت کرے اور بیج بھی عمدہ ہو اور پھر اُس سے آمدنی نہو اور ایک دانہ کے سو دانے نہ ہوں کب ممکن ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وارض اللہ واسعۃ جسکے معنی اعتبار کے طور پر یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ

ارض سے مراد قلب مومن لیا جاوے تو بھلا قلب میں کھیتی کیجاوے کہ ایثار اور سخاوت کیجاوے
اور اعمال حسنہ اسمیں تخم ہوں اور پھر اسکا اثر نہو کیسے مان لیا جاوے کیونکہ وہ تو ارض واسعہ ہے
پھر اسمیں تو ایک ایک دانہ کے سوسو اگنا ضروری ہیں اور تیرے اندر سو تو سو ایک بھی موجود نہیں
لہذا بس چپ رہو اور بیہودہ مت بکو کہ فضول ہے معلوم ہوگیا کہ آپ کی ساری باتیں غلط
ہیں تو دیکھو جسطرح اسکی باتوں سے اور بادشاہ کی تعریف کرنے سے بس صاف معلوم ہوتا تھا کہ
یہ جھوٹا ہے اسی طرح اگر حمد حق کیجاوے اور قلب میں کراہت بھری ہوئی ہو تو اسکا بھی کوئی
اثر معتد بہ نہیں ہوتا اگرچہ بیکار وہ بھی نہو۔ مگر پوری پوری کارآمد نہیں جیسا کہ ظاہر ہے آگے مولانا
انتقال فرماتے ہیں کہ

اصل ارض اللہ قلب عارف ست　　　لامکانست و ندارد فوق و پت

یعنی اصل خدا کی زمین تو عارف کا قلب ہے جو لامکانی ہے اور اوپر نیچے نہیں رکھتا۔ (قلب سے
مراد یہ قلب صنوبری نہیں ہے بلکہ وہ مراد ہے جو لطائف میں سے ہے تو)۔

گر نروید خوشہ از روضات ہو　　　پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو

یعنی اگر غیب کے باغوں میں سے خوشہ نہ اُگے اللہ کی زمین بتاؤ تو کیا واسع ہوئی مطلب یہ کہ
حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وارض اللہ واسعۃ اور اصل خدا کی زمین قلب عارف ہے جو لامکانی
ہے تو اگر اسمیں خوشے نہ جمیں اور غیب کے باغوں سے اسمیں پھل نہ لگیں تو بھلا پھر خدا کی زمین واسع
کہاں ہوئی اور حق تعالیٰ واسع فرماتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اگر اسمیں کوئی کھیتی کریگا تو ضرور اسمیں
آمدنی ہوگی اور پھل پھول لگیں گے اسلئے کہ۔

چونکہ این ارض فنا بے ریع نیست　　　چون بود ارض اللہ آن متوسع است

یعنی جبکہ یہ زمین فانی بے پیداوار کے نہیں ہے تو وہ خدا کی زمین جو وسیع ہے کیونکہ (بے پیداوار
کے) ہوگی۔ (بلکہ)

ریع آنرا نے حد و نے عد بود　　　کمترین دانہ دھد ہفصد بود

یعنی اسکی آمدنی کی نہ کوئی حد ہے اور نہ گنتی ہے گھٹیا سے گھٹیا دانہ دے اور سات سو ہو جاویں
مطلب یہ کہ جب اس زمین فانی میں کاشت کرنے سے آمدنی ہوتی ہے اور ایک ایک دانہ سے

بہت سے دانے اُگتے ہیں تو بھلا زمین حق یعنی قلب میں کوئی کاشت کرے اور اعمال صالحہ کا بیج ڈالے اور پھر آمدنی نہ ہو غیر ممکن ہے ضرور آمدنی ہوگی بلکہ اُسکی آمدنی تو ایسی ہوگی کہ جسکی کچھ انتہا ہی نہیں بے انتہا آمدنی ہے جو عمل صالح کہ بادی النظر میں چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے جزا کے اعتبار سے بہت بڑا ہے ہاں اخلاص ضروری ہے اگر اخلاص نہیں ہے تب تو شرط ہی موجود نہیں اور اذا فات الشرط فات المشروط۔ تو عدم اخلاص کے وقت میں اگر نہ ملے تو تعجب نہیں ہے آگے غیر مخلصین کو خطاب فرماتے ہیں کہ۔

حمد گفتی کو نشان حامدوں　　　نے برونت ہست اثر نے اندروں

یعنی (اے غیر مخلص) تو نے حمد (حق) کہی تو حمد کرنے والوں کی نشانی کہاں ہے نہ تو تیرے ظاہر پر اثر ہے اور نہ باطن میں مطلب یہ کہ اے مخلص تو حمد حق کر رہا ہے مگر اُسکا اثر نہ تو تیرے ظاہر اعضا پر ہے کہ اُن کے افعال موافق حکم حق کے ہوتے اور نہ باطن میں اُسکا اثر ہے کہ تقوی وغیرہ ہوتا غرضکہ جب اثر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ تیرے تخم ہی میں خرابی تھی اور وہ خرابی عدم اخلاص تھی اسی وجہ سے اس تخم سے پیداوار نہیں ہوئی۔ آگے عارف اور مخلص کی حمد کی حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حمد عارف مر خدا را راست است　　　کہ گواہ حمد او شد پا و دست

یعنی عارف کی حمد حق درست ہے کہ اُسکی حمد کے ہاتھ پاؤں گواہ ہیں۔

از چہ تاریک جسمش بر کشید　　　وز تنگ زندان دنیا اش خرید

یعنی اُس حمد نے اُس عارف کے جسم کو چاہ تاریک سے نکالا اور زندان دنیا سے اُسکو خرید لیا۔

اطلس تقوی و نور موتلف　　　آیت حمد ست او را بر کتف

یعنی تقوی کا اطلس اور نور مجتمع اُسکی حمد کی نشانی ہیں کندھے پر۔

وا رہیدہ از جہاں عاریہ　　　ساکن گلزار و عین جاریہ

یعنی وہ عارف جہان مستعار سے چھوٹا ہوا ہے اور گلزار اور چشمہ جاریہ کا رہنے والا ہے۔

بر سر یرہ سر عالی ہمتش　　　مجلس و جا و مقام و رتبتش

یعنی اُسکی مجلس اور جگہ اور مقام اور رتبہ اُسکے عالی ہمت قلب کے تخت پر ہوتی ہیں۔

مقعد صدق کہ صدیقاں درو　　　جملہ سر سبز ند و شاد و تازہ رو

یعنی وہ مقعد صدق کہ اسمیں صدیقین سارے سرسبز اور شاداور تازہ رو رہتے ہیں۔

حمد شان چون حمد گلشن از بہار　　صد نشانے دارد و صد گیر و دار

یعنی اُنکی حمد ایسی ہے جیسی کہ گلشن کی حمد بہار کے ذریعہ سے کہ سو نشانیاں رکھتی ہے اور سو شور و غل

بر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ　　وان گلستان و نگارستان گواہ

یعنی اُسکی بہار پر چشمہ اور نخل اور گھاس اور وہ گلستان اور نگارستان گواہ ہیں۔

شاہد شاہد ہزاران ہر طرف　　در گواہی ہمچو گوہر بر صدف

یعنی گواہ کے گواہ بلبلیں ہر طرف ہیں جو گواہی میں مثل گوہر کے ہیں صدف پر مطلب یہ کہ جو عارفین و مخلصین ہوتے ہیں وہ جو حمد حق کرتے ہیں تو اُنکی حمد کی نشانیاں صاف طور پر پائی جاتی ہیں مثلاً اُنکے اعضاء ظاہری سے مرضی حق کے مطابق افعال کا صدور اور دنیا سے الگ رہنا تقوے کا حاصل ہونا اس دنیا رفانی سے قطع تعلق کرکے جہان باقی اور گلزار معارف میں قیام کرنا اور اُنکا رتبہ اور جگہ اور قیام قلب کے تخت پر ہونا یعنی قلب پر اُنکا حاکم ہونا اور مقعد صدق میں جو کہ صدیقین کی جگہ ہے اُنکی جگہ ہونا تو یہ ساری باتیں اُنکی حمد کے بارآور اور مثمر ہونے پر ایسے گواہ ہیں جیسے کہ گلشن کی حمد پر بہار گواہ ہوتی ہے کہ اسمیں چشموں کا چلنا نخل و گیاہ کا جمنا پھول پھلواری اُگنا بتا رہا ہے کہ گلشن حمد میں مشغول ہے اور پھر ان گواہوں پر گواہ بلبلیں ہیں کہ اُن کے چہچہانے سے معلوم ہوتا ہے پھول کھل رہے جب تو یہ بھی بول رہی ہیں غرضکہ عرفاء اور مخلصین کی حمد بارآور ہوتی ہے اور اُسپر جزاء مرتب ہوتی ہے کہ جسکا اثر ظاہر میں بھی صاف معلوم ہوتا ہے آگے پھر اُن لوگوں کا قول نقل کرتے ہیں کہ جب اُس شیخی باز نے شاہ عراق کے اکرام وغیرہ کا حال بہت زیادہ بیان کیا اور اُسکی حالت سے اُسکا کذب معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے تو اب وہ لوگ اُس سے پھر کہتے ہیں کہ۔

بوئے سر بد بیاید از دمت　　از سر و رو تابد ای لافی غمت

یعنی اے شیخی باز تیری باتوں سے سر بد کی بو آرہی ہے اور تیرے سر اور منہ سے تیرا غم جھلک رہا ہے

بو شناسانند حاذق در مصاف　　تو بجلدی ہای و ہو کم کن گزاف

یعنی صف میں کامل بو کے پہچاننے والے موجود ہیں تو تو جلدی سے ہائے و ہو اور شیخی مت کر مطلب یہ کہ لوگوں نے

کہا کہ میاں کیوں فضول شیخی بھگارتے ہو تمہاری حالت سے صریح معلوم ہو رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اور تمہارے اندر غم والم بھرا پڑا ہے شاید تمہارا یہ خیال ہوگا کہ میں سبکو بھکا لونگا۔ تو سمجھ لو کہ اس مجمع میں عقلا ایسے ایسے موجود ہیں کہ جو تمہاری حالت کو خوب پہچان سکتے ہیں تو انھوں نے پہچان لیا ہے کہ تم جھوٹے ہو اور بولے کہ۔

تو لاف از مشک کان بوئے پیاز — از دم تو می کند مکشوف راز

یعنی تو مشک سے شیخی مت مار کہ پیاز کی بو تیرے سانس سے راز کو کھول رہی ہے یعنی تو جو کہہ رہا ہے کہ میں نے مشک کھائی ہے یہ کہنا تیرا فضول ہے اسلئے کہ سانس کے ساتھ جو مُنہ میں سے پیاز کی بدبو چلی آرہی ہے وہ تمکو کاذب بتا رہی ہے۔

گلشکر خوردم ہمی گوئی و بو — می زند از سیر کہ یاوہ مگو

یعنی تو کہتا ہے کہ میں نے گلشکر کھائی ہے اور بو سرکہ کی آرہی ہے تو بس بک بک مت کر مطلب یہ کہ اے شیخی باز تو جو کہہ رہا ہے کہ میں نے حمد حق کی ہے اور اسمیں اخلاص تھا اور یوں عبادت کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ تو سمجھ لے کہ عرفا ایسے بھی موجود ہیں جو تیری چالاکیوں کو خوب جانتے ہیں اور وہ فوراً تیری باتوں ہی سے سمجھ لیتے ہیں کہ تو جھوٹا ہے اسلئے کہ اگر تو حمد حق کرتا تو کیا اسکا کوئی اثر بھی تیرے اندر موجود نہوتا اُسکے اثرات جو اوپر بیان کئے گئے ہیں تقوی وغیرہ کا ہونا جب یہ نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ تیری حمد کام ہی کی نہ تھی جسکو عرفا نے پہچان لیا آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہست دل مانندۂ خانہ کلاں — خانۂ دل را نہاں ہمسائگاں

یعنی دل ایک بڑے گھر کی طرح ہے اور خانۂ دل کے ہمسائے پوشیدہ ہیں۔

از شکاف و روزن و دیوارہا — مطلع گردند بر اسرارہا

یعنی دیواروں سے اور شگاف سے اور روزن سے اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں۔

از شکافے کہ ندارد ہیچ وہم — صاحب خانہ ندارد ہیچ سہم

یعنی ایسے شگاف سے کہ گھر والے کو وہم اور خوف بھی نہیں ہوتا مطلب یہ کہ دل ایک بڑے گھر کی طرح ہے اور اسکے ہمسائے پوشیدہ ہیں یعنی اہل اللہ کہ بظاہر تو الگ ہیں مگر جسطرح کہ ہمسایہ کو صاحب خانہ کے اکثر حالات کی خبر ہو جاتی ہے اسی طرح ان حضرات کو بھی اسرار قلوب پر بعض مرتبہ آگاہی خدا

گے آگاہ کر دینے سے ہو جاتی ہے اور ہمسایہ جو صاحب خانہ کے حالات کو دیکھتا ہے تو کسی روزن وغیرہ ہی سے دیکھتا ہے اسی طرح ان کے دیکھنے کیلئے بھی روزن ہیں مگر وہ روزن ایسے ہیں کہ انکی کسی کو خبر نہیں ہوتی یہ حضرات ان روزنوں کے ذریعہ سے اس طرح اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں کہ خود صاحب خانہ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ کہ کدھر سے کس نے میرے گھر میں جھانک لیا اسی لئے کہا ہے کہ ؎ پیش اہل دل نگہدارید دل + تا نباشید از گمان بد خجل - اور حدیث میں ہے کہ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ او کما قال آگے اسکی تائید کیلئے فرماتے ہیں کہ

از نبی برخواں کہ دیو و قوم او ... میبرند از حال انسی خفیہ بو

یعنی قرآن شریف سے پڑھو کہ شیطان اور اسکی قوم انسان کی حالت ہی چپکے ہی بو پیجاتے ہیں۔

از رہے کہ انس از آں آگاہ نیست ... زانکہ زیں محسوس و زیں اشباہ نیست

یعنی اس راہ سے کہ انسان اس سے آگاہ نہیں ہے اسلئے کہ وہ راہ ان محسوسات میں سے اور ان امثال سے نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم تو جب شیاطین اس طرح اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں کہ انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی تو اگر عارفین اور مقبولان حق کو حق تعالیٰ کے اطلاع کر دینے سے اطلاع ہو جاوے تو کیا عجیب ہے لہذا اے مدعی کاذب سمجھے چاہیئے کہ۔

درمیان ناقداں زرقے متن ... با محک اے قلب دوں لافے مزن

یعنی پرکھنے والوں کے درمیان میں مکر کو مست تن اور اے کمینے کھوٹے کسوٹی کے آگے شیخی مت مار کیونکہ

مر محک را راہ بود در نقد و قلب ... کہ خدایش کرد امیر جسم و قلب

یعنی کسوٹی (عارف) کو کھرے کھوٹے میں راہ ہوتی ہے کہ خدا نے اسکو جسم و قلب کا امیر بنایا ہے مطلب یہ کہ کاملین کے سامنے شیخی مارنا بالکل فضول ہے اسلئے کہ یہ کھرے کھوٹے کو خوب پہچانتے ہیں تمہاری فضول کی باتوں سے اور شیخی سے انکو دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ یہ پہچان لیں گے اور پھر مفت میں تمہاری رسوائی ہوگی لہذا جو سچی بات ہے اور اصلی حالت ہے اسی کو ان حضرات کے سامنے پیش کر دو۔ مکر و تلبیس سے کام مت لو۔ کہ ان کے آگے کچھ نہ چلے گی۔

چوں شیاطین با غلیظہائے خویش ... واقف اند از سر ما و فکر و کیش

یعنی جبکہ شیاطین باوجود اپنی غلیظی کے ہمارے اسرار اور افکار اور مذہب پر واقف ہوتے ہیں۔

مسلکے دارند دزدیدہ دروں ۔ ما ز دزدیہائے ایشان سرنگوں ۔

یعنی وہ اندر ہی اندر پوشیدہ ایک راستہ رکھتے ہیں کہ ہم انکی چوریوں کی وجہ سے سرنگوں ہوتے ہیں

دمبدم خبط و زیان شان میرسد ۔ رنج مے بینند زاں جان و جسد

یعنی ہر گھڑی انکا نقصان اور خبط پہونچ رہا ہے کہ اسکی وجہ سے جسم و روح رنج دیکھتے ہیں۔

دمبدم خبط و زیانے می کنند ۔ صاحب نقب و شگاف و روزنند

یعنی ہر گھڑی ایک خبط اور نقصان کرتے ہیں۔ کہ وہ صاحب نقب و شکاف و روزن ہیں۔

پس چرا جانہائے روشن در جہاں ۔ بے خبر باشند از حال نہاں

یعنی پھر ارواح روشن جہاں میں حال نہاں سے کیوں بیخبر ہوں گے۔

در سرایت کمتر از دیواں شدند ۔ روحہا کہ خیمہ بر گردوں زدند

یعنی وہ ارواح جو کہ آسمان پر خیمہ لگا دیں وہ سرایت میں شیاطین سے کم ہو گئیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو ابھی اوپر قرآن شریف سے معلوم ہو چکا ہے کہ شیاطین اسرار قلوب پر آگاہ ہوتے ہیں اور اس طرح انکو اسرار کی خبر ہو جاتی ہے کہ حضرت انسان کو ان کے خبر ہونے کی بھی خبر نہیں ہوتی اور پھر اس خبر ہونے سے انسان کو کیسے کیسے نقصان پہونچتے ہیں۔ کہ نقصان روحانی بھی ہوتے ہیں اور جسمانی بھی ہوتے ہیں تو بھلا جب شیاطین مطلع ہو سکیں تو وہ ارواح مقدسہ جو منور بنور اللہ ہیں کیوں مطلع نہوں گی ضرور مطلع ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ کسی خاص وجہ سے مطلع نہوں لیکن اطلاع ہو جانا بعید نہیں ہے مطلع ہو سکتے ہیں۔ لہذا اسکا یہ اثر ضروری ہے کہ ان کے آگے تلبیس مت کرو کہ ممکن ہے کہ تمھارے ان حالات کو انکو حق تعالیٰ مطلع فرما دیں تو اسوقت تمھاری کیسی بے عزتی ہوگی لہذا تم پہلے سے کیوں نہ سچ بولو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرات اولیاء اللہ عالم الغیب ہوتے ہیں اور مولانا اسکے قائل ہیں حاشا و کلا بلکہ مطلب صرف اسقدر ہے کہ ان حضرات میں حق تعالیٰ نے استعداد ایسی رکھی ہے کہ یہ مطلع ہو سکتے ہیں۔ اور مطلع بھی حق تعالیٰ کے مطلع کرنے سے ہونگے تو اسکا یہ اثر کہ کسی امر میں تلبیس نہ کرے ضروری ہے اسلئے کہ یہ تو خبر نہیں ہے کہ فلاں امر میں تو مطلع ہو جاویں گے اور فلاں میں نہیں۔ بلکہ ہر امر میں وجود و عدم مساوی درجہ میں ہیں۔ لہذا ہر بات میں خوف کرتا رہے اور بچتا رہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ

دیو دزدانہ سوئے گردوں شود　　از شہاب محرق او مطعون شود

یعنی دیو چور کی طرح آسمان کی طرف جاتا ہے تو شہاب جلا دینے والے سے وہ مارا جاتا ہے۔

سرنگوں از چرخ زیر افتد چناں　　کہ شقی در جنگ از زخم سناں

یعنی وہ شیطان آسمان سے ایسا اوندھا نیچے کو گرتا ہے جیسا کہ کافر لڑائی میں بھالے کے زخم سے۔

آں ز رشک روحہائے دلپسند　　از فلک شان سرنگوں می افگنند

یعنی وہ روحہائے دلپسند کی غیرت کی وجہ سے اُنکو فلک سے سرنگوں پھینک دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ شیاطین جب آسمان پر چوری کرنے جاتے ہیں تو اُنکو وہاں سے مار کر گرا دیا جاتا ہے۔ یہ اسی لئے کہ ملائک کو غیرت آتی ہے کہ جو اسرار کہ ارواح مقدسہ کا حصہ ہیں وہ ان اشقیا کو کیوں دیا جاوے۔ لہذا وہ سرنگوں نیچے کو پھینک دیتے ہیں۔ تو پھر جب باوجود اسقدر شقاوت کے اور اس طرح پھینکے جانیکے بھی یہ مطلع ہو جاتے ہیں۔ تو ارواح مقدسہ کیوں مطلع نہ ہو سکیں گی خوب سمجھ لو کہ یہاں مولانا کو صرف یہ مقصود ہے کہ حضرات اہل اللہ اسرار قلوب پر مطلع ہو سکتے ہیں۔ باقی یہ کہ آیا ہر وقت یا ہر شخص مطلع ہو سکتا ہے یہ ہرگز مقصود نہیں ہے اسلئے کہ خود مولانا کے کلام سے جابجا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسکے قائل نہیں ہیں اور پھر شریعت بھی اسکے قائل ہونیکی اجازت نہیں دیتی۔ لہذا یہ ہرگز مقصود نہیں کہ جسطرح شیاطین مطلع ہو جاتے ہیں اسی طرح یہ حضرات بھی مطلع ہو جاتے ہیں اور اُنکا کشف بھی اختیاری ہے۔ بلکہ تشبیہ صرف اس امر میں ہے کہ یہ بھی مطلع ہو سکتے ہیں جبکہ اور جسکو خداوند تعالیٰ مطلع فرما دے خوب سمجھ لو پہلے بھی لکھا گیا ہے اور یہاں پھر لکھا جاتا ہے کہ مثنوی شریف سے تصوف کے مسائل نکالنا سخت غلطی ہے اس سے مسائل ثابت نہیں ہوتے بلکہ اسکے دیکھنے والے کو چاہئے کہ اول مسائل تصوف کے محققین سے معلوم کرے اسکے بعد مثنوی کو اُن پر منطبق کردے۔ سب سے اول شریعت ہے کہ جو امر اسکے خلاف ہوگا اگر اُسکی کوئی تاویل نہ ہو سکے گی تو اسکو چھوڑ دیں گے اور شریعت کو لیں گے اسی طرح اگر کہیں اسمیں فن کے خلاف کوئی بات ہوگی تو اُسکے مضمون کو فن کے مسائل پر منطبق کیا جاویگا اور اسمیں تاویل کیجاویگی اور یہاں تو تاویل بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ مولانا کا یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کیونکہ وہ یہ تو نہیں فرماتے کہ تمام اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں اور ہر وقت مطلع ہو جاتے ہیں اور سب اہل اللہ مطلع ہو جاتے ہیں بلکہ وہ تو صرف اسقدر فرماتے ہیں کہ اہل اللہ اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں

ہیں لہٰذا ان کے سامنے تلبیس مت کرو یہاں استبعاد ہوا کہ وہ کسطرح مطلع ہو جاتے ہیں تو اس استبعاد
کو اسطرح دور فرمایا کہ یہاں جب شیاطین تک مطلع ہو جاتے ہیں تو اگر اہل اللہ بھی مطلع ہو جاویں تو کیا
عجیب ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ کسی بات سے بھی یہ نہیں نکلتا کہ مولانا اہل اللہ میں سے کسی کے بھی
عالم غیب ہونے کے قائل ہیں خوب سمجھ لو۔ دھوکا نہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

تو اگر شلی و لنگ و کور و کر　　　این گمان بر روحِ جانے مہ مبر

یعنی تو اگر لنگڑا لولا بہرا اندھا ہے تو ارواحِ مقدسہ پر یہ گمان مت لیجا۔

شرم دار و لاف کم زن جان مکن　　　کہ بسے جاسوس ہست ما سوئے تن

یعنی شرم کر اور شیخی مت مار اور جان کنی مت کر کہ بہت سے جاسوس تن سوا اس طرف ہیں۔ مطلب یہ کہ
اگر تمکو اسرار پر اطلاع نہیں ہوتی اور تم اس سے بالکل بے بہرہ ہو تو اولیاء اللہ کو اپنا جیسا کیوں سمجھتے
ہو کہ جیسے ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا انکو بھی معلوم نہو گا ع کار پاکان را قیاس از خود مگیر۔ تجھے چاہیے
کہ ان کے آگے شیخی نہ مارے اور شرم کرے اور اس معلوم ہو جانے میں استبعاد ہی کیا ہے دیکھو طبیبان
ظاہری جسم کے اندرونی حالات کو صرف نبض دیکھکر یا صورت دیکھکر معلوم کر لیتے ہیں تو جب انکو
جسم کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں تو اگر ان حضرات کو قلب کے حالات معلوم ہو جاویں تو کیا عجب
ہے خوب سمجھ لو آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

طبیبان روحانی کا امراض دل کو مرید کی علامات سے معلوم کر لینا بے کسی بات کی یا رنگ چشم وغیرہ کے دل کی راہ سے کہ وہ حضرات قلوب کے جاسوس ہیں تو انکی خدمت میں صدق کے ساتھ مجانست کرو

این طبیبان بدن دانشور اند　　　بر سقام تو ز تو واقف تر اند

تا ز قارورہ ہمی بینند حال　　　کہ ندانی تو از آن رو اعتلال

ہم ز نبض و ہم ز رنگ و ہم ز دم	بو برند از تو بہر گونہ سقم
پس طبیبان الٰہی در جہاں	چوں ندانند از تو بے گفت دہاں
ہم ز نبضت ہم ز چشمت ہم ز رنگ	صد سقم بینند در تو بیدرنگ
ایں طبیبان نو آموزند خود	کہ بدیں آیات شاں حاجت بود
کاملاں از دور نامت بشنوند	تا بقعر تار و پودت در روند
بلکہ پیش از زادن تو سالہا	دیدہ باشندت ترا باحالہا
حال تو دانند یک یک مو بمو	زانکہ پُر بودند از اسرار ہو

اب ہم تمہیں مضمون بالا دوسرے عنوان سے سمجھاتے ہیں سنو یہ طبیبان ظاہری صرف اہل علم ہیں اس پر انکی یہ حالت ہے کہ تمہارے مرض سے تم سے زیادہ واقف ہیں کہ وہ لوگ قارورہ سے حالت معلوم کر لیتے ہیں۔ اور تم سے زیادہ واقف اسلئے ہیں کہ تم اپنے مرض کو اس جہت سے معلوم نہیں کر سکتے نیز یہ لوگ نبض سے رنگ سے سانس سے تمہارے ہر قسم کے مرض کا پتہ لگا لیتے ہیں پس جب ان اطبار کی یہ حالت ہے تو طبیبان روحانی تمہاری حالت بدون بیان کئے کیوں نہ معلوم کر لیں گے یہ لوگ بھی تمہاری نبض سے آنکھ سے رنگ سے یعنی علامت و آثار ظاہرہ سے تمہارے سیکڑوں قسم کے امراض کو فوراً معلوم کر لیتے ہیں اور یہ حالت تو کشف کے لحاظ سے معمولی درجہ کے طبیبان روحانی کی ہے کہ انکو علامت و آثار کی ضرورت ہے اور جو کشف میں کامل ہیں اُنکی تو یہ حالت ہے کہ تمہارا نام سنکر تمہارا کچا چٹھا معلوم کر لیتے ہیں بلکہ تمہاری پیدائش سے برسوں پہلے سے تم کو تمہارے احوال کیساتھ متصف دیکھتے ہیں اور تمہاری ذرا ذرا حالت جان لیتے ہیں کیونکہ وہ اسرار الٰہیہ سے پُر ہوتے ہیں۔ (**ف** مولانا کے اس کلام کو بھی ان کے کلام سابق کے مطابق سمجھنا چاہئے اور دھوکا نہ کھانا چاہئے)۔

شرح شبیری

طبیبانِ روحانی کا امراضِ دل کو مرید کی علامات سے معلوم کر لینا بے کسی بات کے یا رنگ چشم وغیرہ کے دل کی راہ سے کہ وہ حضرات قلوب کے جاسوس ہیں تو انکی خدمت میں صدق کیساتھ مجانست کرو

این طبیبانِ بدن دانشور اند بر سقامِ تو ز تو واقف تر اند

یعنی یہ طبیبانِ بدن عقلا ہیں کہ تیری بیماریوں پر تجھ سے زیادہ واقف ہیں۔

تا ز قارورہ ہمی بینند حال کہ ندانی تو ازاں رو اعتلال

یعنی یہانتک کہ قارورہ سے حال کو دیکھ لیتے ہیں کہ تو اُس طرح بیماری کو نہیں جانتا۔

ہم ز رنگ و ہم ز نبض و ہم ز دم بو برند از تو بصد گونہ سقم

یعنی رنگ سے بھی اور نبض سے بھی اور سانس سے بھی سیکڑوں قسم کی بیماریوں کو معلوم کر لیتے ہیں

پس طبیبانِ الٰہی در جہاں چون ندانند از تو اسرارِ نہاں

یعنی پس طبیبانِ الٰہی جہاں میں تیرے اسرارِ نہانی کو کیوں نہ جانیں گے مطلب یہ کہ جب طبیبان ظاہری تمہارا صرف قارورہ دیکھکر یا نبض دیکھ کر تمہاری اندرونی حالت تک بتا دیتے ہیں جسکی خود تمکو بھی اکثر خبر نہیں ہوتی کہ ہمکو فلاں مرض ہے اور وہ صرف قارورہ سے بتا دیتے ہیں تو جو طبیبان الٰہی اولیاء اللہ اور عرفا ہیں کیا وہ تمہارے اسرارِ نہانی پر مطلع نہیں ہو سکتے۔ ہو سکتے ہیں لیکن بعض مرتبہ کسی مصلحت خداوندی کے سبب مطلع نہیں ہوتے ورنہ اُن میں استعداد اسکی ضرور ہے

ہم ز نبضت ہم ز چشمت ہم ز رنگ صد سقم بینند از تو بیدرنگ

یعنی تیری نبض سے اور تیری آنکھ اور رنگ سے (طبیبانِ ظاہری) سیکڑوں مرض فوراً دیکھ لیتے ہیں

این طبیبان نو آموزند خود ، که بدین آیات شان حاجت بود

یعنی یہ طبیب خود نو آموز ہیں کہ انکو ان علامات کی حاجت ہوتی ہے (ورنہ) -

کاملان از دور نامت بشنوند تا بقعر تار و پودت در روند

یعنی کاملین تو دور سے تیرا نام سن لیں تو تمھاری اندرونی حالت تک پہونچ جاتے ہیں -

بلکہ پیش از زادن تو سالہا ، دیدہ باشندت ترا با حالہا

یعنی بلکہ تمھاری پیدایش سے برسوں پہلے تجھے معہ تیرے احوال کے دیکھے ہوئے ہوتے ہیں -

حال تو دانند یک یک مو بمو زانکہ پر بودند از اسرار ہو

یعنی تیرا حال ایک ایک ذرا ذرا جانتے ہیں اسلئے کہ اسرار حق سے پر ہوتے ہیں مطلب یہ کہ طبیبان ظاہری جو ان اولیاء اللہ کے آگے بالکل نو آموز و طفل مکتب ہیں جب یہ لوگ صرف نبض وغیرہ دیکھکر اور چہرہ کا رنگ دیکھکر اسرار اندرونی اور امراض اندرونی کو معلوم کر لیتے ہیں تو جو کاملین ہیں وہ تو اسرار پر کیوں نہ مطلع ہونگے انکی تو یہ شان ہوتی ہے کہ بے کسی علامت نبض وغیرہ کے صرف نام سنکر معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص ایسا ہے اور اسکے اخلاق باطنی ایسے ہیں جیسا کہ بزرگوں کے قصص سے معلوم بھی ہوتا ہے کہ بعض بزرگوں نے صرف نام سنکر اخلاق بتا دئیے ہیں بلکہ نام سننا تو الگ رہا بعض حضرات تو ایسے ہوئے ہیں کہ انھوں نے پیدایش سے پہلے ہی سب حالات بتا دئیے ہیں نام بھی صورت شکل بھی اخلاق بھی حالات بھی تو دیکھو بعض مرتبہ بعض بزرگوں کا کشف اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ انکو پیدایش سے قبل ہی تمام حالات کی اطلاع ہو گئی اور یہاں بھی تقریر بالا ہی سمجھ لینی چاہئے کہ یہ کشف نہ ہر وقت ہوتا ہے اور نہ ہر کسی کو ہوتا ہے اور نہ ہر بات کا ہوتا ہے بلکہ جسکو خدا تعالیٰ چاہیں جسوقت چاہیں جسقدر چاہیں مطلع فرما دیں خوب سمجھ لو آگے مولانا حضرت بایزید رح کا حضرت ابو الحسن خرقانی رح کی نسبت کشف کا قصہ بیان فرماتے ہیں یہاں جو کہا ہے کہ بلکہ پیش از زادن تو سالہا الخ اسی پر یہ قصہ لاتے ہیں کہ دیکھو حضرت بایزید بسطامی رح نے حضرت ابو الحسن خرقانی رح کی پیدایش سے سالہا سال قبل انکی پیدایش کی خبر دی تھی اور ان کے حالات بھی بتلائے تھے کہ وہ ایسے ہونگے اور ایک ان ہی کا کیا سیکڑوں قصے ہوئے ہیں کہ بزرگوں نے پیدائش سے قبل بتا دیا ہے کہ اس طرح فلاں شخص ہوگا کیونکہ ان حضرات کو

کہیں سے خود اطلاع تو نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ کے اطلاع کرنے سے اطلاع ہوتی ہے تو پس حق تعالیٰ کو جب کل علم ہے تو اسمیں سے وہ جسقدر علم چاہیں ان حضرات کو عنایت کر دیں اسمیں استبعاد اور استحالہ ہی کیا ہے خوب سمجھ لو اب قصہ سنو۔

شرح حبیبی

حضرت بایزید رح کا حضرت ابوالحسن خرقانی رح کی پیدایش کی کئی سال قبل خوشخبری دینا اور اُن کی صورت اور اخلاق کا پتہ بھی بتلانا اور آپ کے صدق کے معلوم کرنے کیلئے مورخین کا تاریخ وغیرہ لکھ لینا

آں شنیدی داستاں بایزید
کوز حال بوالحسن پیشیں چہ دید

روزے آں سلطان تقویٰ می گذشت
با مریدان جانب صحرا و دشت

بوئے خوش آمد مراورا ناگہاں
در سواد رے ز سوئے خارقاں

ہم بدانجا نالہ مشتاق کرد
بوئے را از باد استنشاق کرد

بوئے خوش را عاشقانہ می کشید
جاں او از باد بادہ می چشید

کوزہ کو از یخ آبہ پر بود
چوں عرق بر ظاہرش پیدا شود

آں ز سردی ہوائے گشتہ است
از دروں کوزہ نم بیروں نہ جست

باد بوآور مراورا آب گشت
آب ہم اورا شراب ناب گشت

چوں درو آثار مستی شد پدید
یک مرید اورا ازاں دم بر رسید

چوں بہ پرسیدش کہ ایں احوال خوش، ‌ ‌ ‌ کہ بروں است از حساب پنج و شش

گاہ سرخ و گاہ زرد و گہ سپید ‌ ‌ ‌ می شود رویت چہ حالست و نوید

می کشی بو و لظاہر نیست گل ‌ ‌ ‌ بیشک از غیبست و از گلزار کل

اے تو کام جان ہر خود کامہ ‌ ‌ ‌ ہر دم از غیبت پیام و نامہ

ہر دمے یعقوب وار از یوسفے، ‌ ‌ ‌ می رسد اندر مشام تو شفے

قطرۂ بر ریز بر ما زاں سبو، ‌ ‌ ‌ شمۂ زاں گلستاں با ما بگو

خو نداریم اے جمال مہتری، ‌ ‌ ‌ کہ لب ما خشک و تو تنہا خوری

اے فلک پیمائے چست و چست خیز ‌ ‌ ‌ زانچہ خوردی جرعہ بر ما بریز

میر مجلس نیست در دوراں دگر ‌ ‌ ‌ جز تو اے شہ در حریفاں در نگر

کے تواں نوشید ایں مے زیر دست ‌ ‌ ‌ مے یقیں مر مرد را رسوا گرست

بوئے را پوشیدہ و مکنوں کند ‌ ‌ ‌ چشم مست خویشتن را چوں کند

خود نہ آں بوئیست ایں کاندر جہاں ‌ ‌ ‌ صد ہزاراں پردہ اش دارد نہاں

پر شد از تیزی او صحرا و دشت ‌ ‌ ‌ دشت چہ کہ نہ فلک ہم در گذشت

ایں سر خم را بہ کہگل در مگیر ‌ ‌ ‌ کایں برہنہ نیست خود پوشش پذیر

لطف کن اے راز داں راز گو ‌ ‌ ‌ آنچہ بازت صید کردش باز گو

گفت بوئے بو العجب آمد بمن ‌ ‌ ‌ ہمچنانکہ مر نبی را از یمن

کہ محمد گفت بر دست صبا ‌ ‌ ‌ از یمن می آیدم بوئے خدا

بوئے رامیں میرسد از جان ویس ‌ ‌ ‌ بوئے رحمان میرسد ہم از اویس

از اویس و از قرن بوئے عجب ‏ مر نبی را مست کرد و پر طرب

چوں اویس از خویش فانی گشتہ بود ‏ آں زمینی آسمانی گشتہ بود

آں ہلیلہ پروریدہ در شکر ‏ چاشنی تلخیش نبود دگر

آں ہلیلہ رستہ از ما و منی ‏ نقش دارد از ہلیلہ طعم نے

آں کسے کز خود بکلی درگذشت ‏ ایں منی و مائی خود در نوشت

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد ‏ تا کہ گفت از وحی غیب آں شیر مرد

کیا تم نے شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنا ہے کہ انھوں نے شیخ ابو الحسن خرقانی کی ولادت سے پہلے انکا کیا حال دیکھا تھا اگر نہیں سنا تو اب سنو۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان تقوی بایزید علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ اپنے مریدوں کے ساتھ جنگل کو جا رہے تھے اتفاقاً انکو رَے کے علاقہ میں خارقان کی جانب سے ایک نہایت عمدہ خوشبو آئی اسکو سونگھتے ہی انھوں نے ایک مشتاقانہ نالہ کیا اور ہوا میں سے خوشبو کو سونگھنا شروع کیا۔ وہ اس بو کو عاشقوں کی طرح سونگھتے تھے۔ اور آپکی جان ہوا میں سے شراب الٰہی پی رہی تھی۔ تم کو شاید تعجب ہو کہ ہوا میں سے شراب الٰہی پینا چہ معنی دارد اسلئے ہم اس استبعاد کو دور کرتے ہیں سنو جس لوٹے میں برف کا پانی بھرا ہو اُسکے اوپر کچھ قطرات پسینہ کی طرح نمودار ہو جاتے ہیں۔ انکو جانتے ہو یہ کیا ہیں۔ سنو برف کی سردی سے وہ ہوا جو لوٹے کو محیط تھی پانی ہو گئی ہے یہ اُسکے قطرات ہیں اور یہ نہیں ہے کہ لوٹے کی تری باہر آگئی ہو پس جب ہوا سردی پاکر پانی بن سکتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جو ہوا خوشبو کی حامل تھی وہ پانی ہو گئی پس وہ پانی ایک خاص کیفیت سرور پیدا کرنے کے اعتبار سے شراب کا کام دیتا تھا اب کچھ استبعاد نہ رہا۔ خیر تو جبکہ ان کے اندر مستی ذوق و شوق پیدا ہوئی تو ایک مرید خدمت میں پہونچ گیا اور پہونچکر دریافت کیا کہ یہ آپکی عمدہ حالت جو کہ حواس پنجگانہ اور جہات ستہ سے بالاتر ہے اور جسکے اثر سے آپکا چہرہ کبھی سُرخ ہوتا ہے اور کبھی زرد کبھی سفید۔ کیا حالت اور کیا خوشخبری ہے (ف) ایں احوال خوش مبتدا ہے اور کہ بر دست الخ اسکی صفت اولی اور گاہ سرخ الخ بحذف عاطف صفت ثانیہ ہے اور چہ حالست الخ خبر ہے مبتدا

کی) آپ بو سونگھتے ہیں اور بظاہر یہاں کوئی پھول یا کوئی اور خوشبو دار شے بھی نہیں تو یقیناً یہ خوشبو غیبی اور اسی گلزار کی ہے جو اصل ہے تمام گلزاروں کی اور جسکو گلزار کل کہنا چاہیئے پس ہی وہ شخص جو ہر عاشق کی جان کا مقصود ہے اور جسکے پاس ہر دم غیب سے ایک نیا پیام اور نیا رقعہ پہونچتا ہے یعنی جو ہر دم حق سبحانہ سے تلقی فیض کرتا ہے اور جسکی مشام جان میں یعقوب کی طرح ایک عجیب وغریب یوسف یعنی مطلوب حقیقی کی بو پہونچکر موجب شفائے امراض روحانیہ ہوتی ہے۔ آپ جس سبو سے شراب پی رہے ہیں اُسکا کوئی قطرہ ہم پر بھی ڈال دیجئے۔ اور اس گلستان کی کچھ حالت ہم سے بھی بیان فرما دیجئے کیونکہ اے سرداری کے شان و شوکت والے ہم اسکے عادی نہیں ہیں کہ ہم پیاسے ہوں اور آپ تنہا یہ شراب پئیں بلکہ ہمیشہ سے آپ ہمیں شریک کرتے آئے ہیں لہذا اب بھی شریک کیجئے۔ ہاں اے تیزی کے ساتھ اپنے عروج روحانی سے فلک کو طے کرنے والے آپ جلد اُٹھیں اور جو شراب آپنے پی ہے اُسکا ایک گھونٹ ہم پر بھی ڈالدیں! اس زمانہ میں آپ کا ساکوئی اس بزم شراب کا مہتمم نہیں ہے۔ پس اے بادشاہ آپ ہم بادہ خواروں پر بھی نظر عنایت کیجئے آپ ہم سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر شراب کو کوئی چھپا نہیں سکتا۔ بلکہ شراب آدمی کو یقیناً مشہور کردیتی ہے۔ فرض کرو کہ اگر شرابخوار بو چھپا بھی لے اور پوشیدہ بھی کرلے لیکن اپنی چشم مست کو کیا کریگا وہ تو ظاہر کرہی دے گی۔ آپ ہم سے چھپانے کی ناحق کوشش کرتے ہیں یہ تو وہ بو نہیں ہے جسے ہزاروں پردے بھی چھپا سکیں کیونکہ اُسکی تیزی ہی دشت و بیابان پر ہیں۔ دشت و بیابان کیا چیز ہیں بلکہ یوں کہئے کہ فلک تہم سے تجاوز کر گئی ہے پس آپ اس خم کے منہ پر گارا نہ لگائے کیونکہ یہ برہنہ لباس ہیں چھپنے کے قابل نہیں ہے آپ خواہ اسے کتنے ہی لباس پہنائیں مگر یہ ننگی ہی رہے گی یعنی خواہ آپ اسے کتنا ہی چھپائیں مگر ظاہر ہی ہوگی پس اے محرم راز خداوندی اور اپنی تحقیق سے راز بیان کرنے والے جس راز کو آپ کے شہباز روح نے شکار کیا ہے اُسکو ہم سے بیان فرما دیجئے۔ بایزید علیہ الرحمۃ نے اس درخواست کے جواب میں فرمایا کہ مجھے یوں ہی ایک عجیب خوشبو آئی ہے جسطرح کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یمن کی جانب سے چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ بذریعہ صبا کے مجھے یمن سے حق سبحانہ کی بو آئی ہے۔ بات یہ ہے کہ جسطرح رامین کی بو ویس سے آتی تھی یوں ہی حق سبحانہ کی بو اویس سے

آتی تھی اور اس عجیب بو نے جو اویس اور اُن کے وطن قرن سے آتی تھی۔ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مست اور پرجوش کر دیا تھا اور اویس سے بو آنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کو ذات حق میں فنا کر دیا تھا (جسطرح کہ ویس نے جو اول رامین کی معشوقہ تھی رامین پر عاشق ہو کر اپنے کو فنا کر دیا تھا) اور چونکہ وہ فانی ہو چکے تھے اسلئے وہ زمینی یعنی غیر حق سبحانہ سے آسمانی یعنی متحد مع الحق ہو گئے تھے۔ شاید اس انقلاب کے سمجھنے میں تمھیں کچھ دقت ہوا سلئے ہم ایک محسوس مثال سے سمجھاتے ہیں جب ہلیلہ کو شکر میں مربیٰ کر لیا جاتا ہے تو اسکی صفت رذیلہ یعنی تلخی دور ہو جاتی ہے اور شیرینی کی صفت شریف اسمیں سرایت کر جاتی ہے۔ اسوقت وہ ہلیلہ جو وصف ہلیلویت سے الگ ہو چکی ہے صورۃً ہلیلہ ہوتی ہے۔ مگر مزہ ہلیلہ کا اسمیں نہیں ہوتا۔ پس یہی جو آدمی اپنے کو فنا کر دیتا ہے اور خودی کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ بایں معنی اپنی حقیقت سے خارج ہو کر حق سبحانہ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے کہ گو اسکی صورت باقی رہتی ہے مگر صفات رذیلہ اس سے دور ہو جاتی ہیں جو منشا تھیں حق سبحانہ سے مغایرت کا اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے یہ حقیقت ہے اس انقلاب کی اور یہ معنی ہیں فنا فی اللہ اور اتحاد مع اللہ کے۔ اچھا یہ گفتگو تو کبھی ختم ہی نہ ہوگی۔ اب لوٹنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اُس بہادر نے الہام غیبی کے متعلق کیا بیان کیا

شرح شبیری

حضرت بایزید کا حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی پیدائش کی کئی سال قبل خوشخبری دینا اور آنکی صورت اور اخلاق کا پتہ بھی بتلانا اور آپکے صدق معلوم کرنے کے لئے مورخین کا تاریخ وغیرہ لکھ لینا

آں شنیدی داستان بایزید — کو زحال بوالحسن پیشیں چہ دید

یعنی تم نے وہ بایزید کا قصہ بھی سنا ہے۔ کہ انھوں نے حضرت ابوالحسن کے حالات پہلے ہی

کیا دیکھ لئے تھے (یہاں ایک سوال کرکے کہ جس سے مخاطب کو توجہ قصہ کی طرف ہو جاوے آگے قصہ کی طرف ہو جاوے آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ)

روزے آن سلطان تقوی می گذشت با مریداں جانب صحرا و دشت

یعنی ایک دن وہ سلطان تقوی مریدوں کی ساتھ جنگل میں جا رہے تھے۔

بوئے خوش آمد مرا و را ناگہاں در سواد رے ز سوی خارقاں

یعنی اُنکو اچانک رے کے علاقہ میں خارقان کی جانب سے ایک نہایت عمدہ خوشبو آئی۔

ہم بد انجا نالۂ مشتاق کرد بوے را از باد استنشاق کرد

یعنی انھوں نے اسی جگہ ایک مشتاقانہ نالہ کیا۔ اور خوشبو کو ہوا سے سونگھا۔

بوئے خوش را عاشقانہ می کشید جاں او از باد بادہ می چشید

یعنی (اس) عمدہ خوشبو کو عاشقوں کی طرح کھینچ رہے تھے۔ اور اُنکی جاں ہوا سے شراب چکھ رہی تھی مطلب یہ کہ ایکمرتبہ حضرت بایزید بسطامی جنگل میں مریدوں کی ساتھ جا رہے تھے۔ کہ یکایک اُنکو خارقان کی طرف سے ایک خوشبو نفیس آئی بس اُسکو سونگھ کر اُنکی یہ حالت ہوئی کہ جیسا کوئی کسی کا مشتاق لقا ہوتا ہے اور اس اشتیاق میں نالہ و فغاں کیا کرتا ہے ایسے ہی وہ بھی نالہ و فریاد کرنے لگے اور جیسا کوئی عاشق محبوب کی خوشبو کو سونگھا کرتا ہے اسی طرح وہ اُسکو خوب زور زور سے سونگھتے تھے۔ اور اس سونگھنے سے اُنکی روح اس طرح مست ہوتی تھی جیسے کہ شراب پیکر انسان مست ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ اُس ہوا میں شراب ہے جسکو حضرت بایزید پی رہے ہیں۔ اور مست ہو رہے ہیں۔ اب یہاں شبہ ہوا کہ بھلا تم جو کہتے ہو کہ جان او از باد بادہ می چشید تو بھلا کہیں ہوا میں بھی شراب ہوئی ہے آگے ایک مثال سے اسکا جواب دیتے ہیں کہ

کوزۂ کو از یخ آبہ پر بود چوں عرق بر ظاہرش پیدا شود

یعنی جو برتن کہ برف کے پانی سے بھرا ہو تو اُسکے اوپر کس طرح پسینہ ظاہر ہوتا ہے۔

آں ز سردی باد آبے گشتہ است از دروں کوزہ نم بیروں نہ جست

یعنی وہ سردی کی وجہ سے ہوا پانی ہو گئی ہے۔ برتن کے اندر سے نمی باہر نہیں آئی۔

باد بو آور مرا و را آب گشت آب ہم او را شراب ناب گشت

یعنی خوشبو لانے والی ہوا اُن کیلئے پانی ہوگئی تھی۔ اور پانی ہی اُن کیلئے شراب ناب ہوگیا تھا مطلب یہ کہ دیکھو اگر کسی لوٹے وغیرہ میں برف کا پانی رکھا ہو تو اس برتن کے اوپر پسینہ سا آجاتا ہے تو وہ پسینہ کیا ہوتا ہے اُس لوٹے کے پاس جو ہوا تھی وہ سردی کی وجہ سے پانی ہوگئی ہے وہ پسینہ سا معلوم ہونے لگتا ہے تو جسطرح یہاں ہوا پانی ہوگئی اسی طرح اگر وہ ہوا جسمیں سے انکو خوشبو آرہی تھی اُن کیلئے قدرت حق سے پانی ہوگئی ہو اور پھر اس پانی میں شراب جیسی مستی آگئی ہو تو تعجب ہی کیا ہے لہذا ہمارا یہ کہنا کہ جان او از باد بادہ می چشید بالکل درست ہوگیا۔ غرضکہ حضرت بایزیدؒ اس خوشبو کو سونگھ سونگھ کر مست ہو رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔

چوں درو آثار مستی شد پدید　　　یک مرید او را از آں دم بر رسید

یعنی جب اُنمیں مستی کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اُنکا ایک مرید اُسی وقت پہونچا۔

چوں بپرسیدش کہ ایں احوال خوش　　　کہ بروں است از حساب پنج و شش

یعنی پوچھا کہ یہ عمدہ احوال جو کہ حواس خمسہ سے اور شش جہات سے باہر ہیں۔

گاہ سرخ و گاہ زرد و گہ سپید　　　می شود رویت چہ حالست و نوید

یعنی آپکا چہرہ کبھی تو سرخ اور کبھی زرد اور کبھی سفید ہوتا ہے یہ کیا حال ہے اور کیا خبر ہے یعنی آنکی اس حالتمیں ایک مرید بھی اُن کے پاس جا پہونچا اور اُس نے اس حالت کو دیکھکر عرض کیا کہ حضرت یہ احوال خوش جو اسباب طبعیہ سے باہر ہیں اور جنکی وجہ سے آپکے چہرہ کا رنگ تک متغیر ہو رہا ہے آخر کیا حالات ہیں اور کیا بات ہے جسکی وجہ سے آپکی یہ حالت ہو رہی ہے اور عرض کیا کہ۔

می کشی بو و لظاہر نیست گل　　　بیشک از غیب است و از گلزار کل

یعنی آپ خوشبو سونگھ رہے ہیں اور ظاہر میں کوئی پھول وغیرہ نہیں ہے تو نزد گلزار غیب سے کوئی پھول ہے مطلب یہ کہ آپ جو خوشبو سونگھ رہے ہیں تو ظاہر میں تو کوئی پھول وغیرہ ہے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ گلزار غیب میں سے آپ کو خوشبو آرہی ہے اور وہاں کے پھولونکو سونگھ رہے ہیں اور عرض کیا کہ۔

اے تو کام جان ہر خود کامۂ　　　ہر دم از غیبت پیام و نامۂ

یعنی اے وہ ذات کہ ہر طالب کے آپ مقصود ہیں اور آپکے پاس غیب سے ہر دم پیام و نامہ آتے ہیں

ہر دمے یعقوب وار از یوسفے
می رسد اندر مشام تو سفے

یعنی ہر دم یعقوب علیہ السلام کی طرح ایک یوسف سے تمھاری قوت شامہ میں ایک خوشبو آتی ہے۔

قطرۂ بر ریز بر ما زاں سبو
شمۂ زاں گلستاں با ما بگو

یعنی ایک قطرہ اس گھڑے میں سے ہم پر ڈالیئے اور اس گلستان کا کچھ (حال) ہم سے بیان کیجئے۔

خو نداریم اے جمال مہتری
کہ لب ما خشک و تو تنہا خوری

یعنی ہم اسکے عادی نہیں ہیں اے زینت سرداری کے کہ ہمارے لب خشک ہوں اور آپ اکیلے ہی اکیلے کھاویں۔

اے فلک پیمائے چست و چست خیز
زانچہ خوردی جرعۂ بر ما بریز

یعنی اے فلک کے جلدی سے ناپنے والے اور جلدی اٹھنے والے اور جو کچھ آپنے کھایا ہے اسمیں کا ایک گھونٹ ہم پر ڈالئے۔ مطلب یہ کہ اس مریدنے عرض کیا کہ حضرت آپکی تو وہ شان ہے کہ طالبین کے آپ ہی مقصود ہیں اور غیب سے آپکو ہر دم نامہ و پیام آتے رہتے ہیں اور ہر دم آپکو فیوض و برکات غیب سے پہونچتے ہیں اور ہم لوگ اسکے عادی نہیں ہیں کہ آپکو تو وہ فیوض ملیں اور ہم محروم رہیں بلکہ جناب کی عادت ہی کہ ہمکو بھی اسمیں سے عطا ہوتے ہیں تو بس اسوقت بھی جو فیوض و برکات آپ پر فائض ہو رہے ہیں اسمیں سے کچھ تھوڑا بہت حصہ تو غریبوں کو بھی عنایت ہو۔ کیونکہ آپ کی تو وہ شان ہے کہ۔

میر مجلس نیست در دوران دگر
جز تو اے شہ در حریفان در نگر

یعنی اے شاہ (دین) سوا آپ کے دنیا میں کوئی دوسرا میر مجلس نہیں ہے تو ذرا ساتھیوں میں نظر فرمائیے۔ مطلب یہ کہ حضرت ہمارے لئے تو اب جہان میں کوئی کامل ہی نہیں ہے کہ اگر آپ سے نہ ملیگا تو اسی سے لیلیں گے اسلئے آپ ہی سے مناسبت ہے لہذا آپ ہی عنایت کیجئے اور عرض کیا کہ

کے تواں نوشید ایں مے زیر دست
مے یقیں مر فرار رسوا گرست

یعنی اس شراب کو چھپا کر کب پی سکتے ہیں شراب تو انسان کو یقیناً رسوا کرنے والی ہے۔

بوئے را پوشیدہ و مکنوں کند
چشم مست خویشتن را چوں کند

یعنی بو کو پوشیدہ اور مکنون کرلیگا (مگر) اپنی چشم مست کو کیا کریگا۔ مطلب یہ کہ اس مریدنے عرض کیا کہ حضرت یہ شراب عشق حق ایسی تو ہے نہیں کہ جسکو آپ پی لیں اور کسی کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ شراب

تو پینے والے کو رسوا کرہی دیتی ہے۔ کیونکہ اگر اسکی بو کو منہ صاف کرکرا کے چھپا لیا مگر آنکھوں میں جو مستی بھری ہوئی اور قدم قدم پر جو گرے جاتے ہیں اسکو کہاں سے چھپاؤ گے علیٰ ہذا ہم نے مانا کہ آپ نے اس شراب حب حق کو کسی سے بیان نہ کیا کہ ہم پر کیا حالات ہیں مگر جو آثار کہ ظاہر و باہر ہیں انکو کہاں سے چھپائیے گا اور شراب ظاہری کی بو تو چھپ بھی سکتی ہے اسکو تو صرف آثار ہی سے معلوم کریں گے مگر یہ تو وہ شراب ہے کہ اسکی تو بو بھی نہیں چھپتی بو سے بھی اور آثار سے بھی معلوم ہو ہی جاتا ہے اسکو فرماتے ہیں کہ۔

خود نہ آن بو نیست این کاندر جہان　　　صد ہزاران پردہ اش دارد نہان

یعنی یہ بو وہ نہیں ہے کہ دنیا میں اسکو لاکھوں پردے بھی چھپا سکیں۔ (بلکہ اسکی تو یہ حالت ہے کہ)

پر شد از تیزی او صحرا و دشت　　　دشت چہ کز نہ فلک ہم در گذشت

یعنی اسکی تیزی سے جنگل و میدان پر ہو گئے ہیں۔ اور جنگل تو کیا نو آسمانوں سے نکل گئی۔

این سرخم را بہ کہگل در مگیر　　　کاین برہنہ نیست خود پوشش پذیر

یعنی اس مٹکے کے سر کو کہگل سے مت بند کرو کہ یہ برہنہ کپڑے کو قبول کرنے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت یہ وہ شراب نہیں ہے کہ جسکی کسی شے کو بھی آپ چھپا سکیں اسکے تو آثار بھی اور بو بھی سب ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور صاف معلوم ہو گیا کہ اسوقت کوئی خاص حالت ہے، اور خاص واردات جناب پر ہو رہے ہیں اسکو پوشیدہ کرنے کی آپ کوشش نکریں کہ یہ چھپنے والی چیز نہیں ہے لہذا آپ خدا کیلئے

لطف کن اے رازداں راز گو　　　آنچہ بازت صید کردش باز گو

یعنی اے راز (حق) کے جاننے والے مہربانی فرما کر راز کو بیان کر دیجئے اور آپکے باز نے جو شئے شکار کی ہے اسکو بتا دیجئے۔ مطلب یہ کہ عالم غیب سے جو فیوض آپکو ملے ہیں جنھوں نے کہ آپکو مست کر دیا ہے وہ ہمکو بھی بتا دیجئے کہ ہم بھی تو سنیں اور فیضیاب ہوں جب اس مرید نے اسقدر اصرار کیا تو حضرت بایزید رحمتہ نے فرمایا کہ۔

گفت بوئے بو العجب آمد بمن　　　ہمچنانکہ مر نبی را از یمن

یعنی حضرت بایزید رحمتہ نے فرمایا کہ ایک عجیب خوشبو مجھے آئی جیسی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یمن سے آئی تھی۔

کہ محمدؐ گفت بر دست صبا — از یمن می آیدم بوئے خدا

یعنی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبا کی معرفت مجھے یمن سے بوئے حق آرہی ہے مطلب یہ کہ حضرت نے جواب دیا کہ مجھے ایک عجیب طرح کی خوشبو آئی ہے جیسے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آئی تھی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یمن کی طرف سے بوئے رحمن آرہی ہے۔ اسکو مسلم نے روایت کیا ہے۔ تو جیسی خوشبو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آئی تھی ویسی ہی مجھے ایک خوشبو آرہی ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بوئے رامیں میرسد از جان ویس — بوئے رحمن میرسد ہم از اویس

یعنی ویس کی جان سے رامین کی بو آرہی تھی اور اویس سے بھی بوئے رحمن آرہی تھی یعنی اویسؓ سے اور (اُن کے شہر) قرن سے ایک عجیب بو نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مست اور پرطرب کر دیا

....

.........(رامین ایک عاشق کا نام ہے اور ویس معشوقہ کا نام مورخین نے لکھا ہے کہ اول رامین ویس پر عاشق ہو گیا تھا پھر جب ویس نے رامین کو دیکھا تو وہ بھی عاشق ہو گئی اسی لئے فرمایا ہے کہ بوئے رامین میرسد از جان ویس کیونکہ وہ بھی تو عاشق ہو گئی تھی) مطلب یہ کہ جسطرح کہ رامین کے جذب الفت کا اثر ویس میں ہوا تھا کہ اُسمیں سے رامین کے عشق کی خوشبو آنے لگی اور پھر وہ بھی عاشق ہو گئی۔ ایسے ہی حضرت اویس قرنیؓ کی حب حق کی خوشبو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کے شہر کی طرف سے آئی تھی آگے حضرت اویس قرنیؓ کی خوشبو آنیکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چوں ویس از خویش فانی گشتہ بود — آں زمینی آسمانی گشتہ بود

یعنی جبکہ حضرت اویسؓ اپنے سے فانی ہو گئے تھے تو وہ زمینی آسمانی ہو گئے تھے مطلب یہ کہ چونکہ حضرت اویس قرنیؓ حب حق میں بالکل فنا ہو چکے تھے اور اپنے تمام ارادوں وغیرہ کو فنا کر چکے تھے اور عین مصطلحہ باری تعالیٰ کے ہو گئے تھے اس سے وہ بھی عالم بالا ہی میں سے ہو گئے تھے اور اس فنا کی وجہ سے اُن میں سے بوئے حق آئی کہ وہ عین مصطلحہ ہو گئے تھے آگے اسکی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ

آں ہلیلہ پروریدہ در شکر — چاشنی تلخیش نبود دگر

یعنی وہ ہلیلہ جو شکر میں مربی بنالی جاوے اُسکی تلخی کا مزہ پھر نہیں ہوتا۔

آں ہلیلہ رستہ از ما د مئے — نقش دارد از ہلیلہ طعم نے

یعنی وہ ہلیلہ اپنے وجود سے چھوٹ جاتا ہے تو ہلیلہ کی صورت تو رکھتا ہے مگر مزا نہیں۔ (اسی طرح)

آں کسے کز خود بکلی در گذشت — ایں منی و مائی خود در نوشت

یعنی جو شخص کہ بالکل اپنے سے گذر گیا اپنی اس ہستی کو اس نے لپیٹ دیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہلیلہ اول کیسا کڑوا ہوتا ہے مگر جب اسکو شکر میں ڈالکر اسکا مربی بناتے ہیں تو اسکی وہ تلخی کافور ہو جاتی ہے اور بوجہ شکر کے عین ہو جانے کے وہ بھی شیریں ہو جاتا ہے تو بس اسی طرح جو شخص کہ اپنی مرضیات کو اور ارادوں کو حق تعالیٰ کے ارادوں میں فنا کر دیتا ہے اور عین مصطلحہ ہو جاتا ہے . . . .

. اسی میں بھی . . . . وہ اور دوسرے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو بس حضرت اویس چونکہ فانی ہو چکے تھے اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے بوئے حق آئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد — تا کہ گفت از وحی غیب آں شیر مرد

یعنی اس مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اب تم واپس ہو کر یہ بیان کرو کہ الہام غیب سے اس شیر مرد نے کیا بیان کیا۔ مطلب یہ کہ عین مصطلحہ کا بیان اور فنا کا بیان کرنے کی تو کہیں انتہا نہیں ہے لہذا اس مضمون کو تو یہیں چھوڑ و اب حضرت بایزید کا قصہ بیان کرو کہ آگے انھوں نے الہام غیب میں سے کیا کیا باتیں بیان فرمائیں۔

شرح حبیبی

جواب سلطان بایزید قدس سرہٗ کا معنی میں قول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن (او کما قال)

گفت زیں سو بوئے یارے میرسد — کاندریں دہ شہریارے میرسد

بعد چندیں سال میزاید شہے — میزند بر آسمانہا خرگہے

روئیش از گلزار حق گلگوں بود ‌ ‌ ‌ از من او اندر مقام افزوں بود

چیست نامش گفت نامش بوالحسن ‌ ‌ ‌ حلیہ اش وا گفت ز ابرو تا ذقن

قد او و رنگ او و شکل او ‌ ‌ ‌ یک بیک وا گفت از گیسو و رو

حلیہائے روح او را ہم نمود ‌ ‌ ‌ از صفات و از طریق و جائے بود

حلیہ تن ہمچو تن عاریت است ‌ ‌ ‌ دل بر آں کم نہ کہ آں یک ساعت است

حلیہ روح طبیعی ہم فناست ‌ ‌ ‌ حلیہ آں جاں طلب کاں بر سماست

جسم او ہمچوں چراغے بر زمیں ‌ ‌ ‌ نور او بالائے سقف ہفتمیں

آں شعاع آفتاب اندر وثاق ‌ ‌ ‌ قرص او اندر چہارم چار طاق

نقش گل در زیر بینی بہر لاغ ‌ ‌ ‌ بوئے گل بر سقف و ایوان دماغ

مرد خفتہ در عدن دیدہ فرق ‌ ‌ ‌ عکس آں بر جسم افتادہ عرق

پیرہن در مصر رہن یک حریص ‌ ‌ ‌ پر شدہ کنعاں ز بوئے آں قمیص

بر نبشتند آں زماں تاریخ را ‌ ‌ ‌ از کباب آراستند آں سیخ را

چوں رسید آں وقت و آں تاریخ راست ‌ ‌ ‌ زاں زمیں آں شاہ پیدا گشت و خاست

غرض تو بایزید علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس طرف میرے محبوب (حق سبحانہ) کی بو آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں ایک جلیل القدر ولی اللہ پیدا ہونے والے ہیں اتنے سال کے بعد ایک بزرگ پیدا ہونگے اور آسمان پر خیمہ زن ہوں گے یعنی نہایت عالی مرتبت ہوں گے اور انکا چہرہ گلزار حق سبحانہ سے گلگوں ہوگا۔ اور مجھ سے مقام میں بڑھکر ہونگے کسی نے پوچھا کہ انکا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابو الحسن نام بتلا کر آپ نے ابرو سے ٹھوڑی تک پورا حلیہ بھی بیان کردیا۔ اور ان کے رخسار، رنگ، شکل، گیسو اور چہرہ کی تفصیلی کیفیت بیان کردی۔ اور اسی پ

اکتفا نہیں کیا بلکہ انکی روح کا حلیہ بھی بتلا دیا یعنی اسکے صفات اور اسکا مسلک اور مقام بھی بیان کر دیا۔ یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ نقشہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جسم کا نقشہ دوسرا روح کا نقشہ پس تم سمجھو کہ جسطرح جسم چند روزہ ہے یوں ہی اسکا نقشہ (حسن وغیرہ) بھی چند روزہ ہے۔ پس اس سے دل نہ لگاؤ کیونکہ یہ تھوڑی دیر کا مہمان ہے اور روحیں دو قسم کی ہیں ایک روح حیوانی دوسری روح انسانی سو روح حیوانی کا نقشہ بھی فانی ہے اس سے بھی دل نہ لگانا چاہئے۔ ہاں اُس روح انسانی کا حلیہ باقی ہے جو آسمان پر ہے اور جسکو عالم بالا سے تعلق ہے لہذا اس جان کا حلیہ مطلوب ہونا چاہئے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ بایزید علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابوالحسن کا جسم تو چراغ کی طرح زمین پر ہوگا۔ اور اسکا نور ساتویں آسمان سے اوپر۔ اس مضمون کو ہم دیگر چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں سنو قرص آفتاب آسمان پر ہوتی ہے مگر اسکی شعاعیں لوگوں کے گھروں میں۔ نیز صورت گل ناک سے نیچے ہوتی ہے مگر بو دماغ میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص سوتا ہوتا ہے اور عدن میں وہ ایک خوفناک منظر دیکھتا ہے مگر اسکے جسم پر پسینہ آجاتا ہے اور دیکھو پیرہن یوسفی مصر میں ایک شخص کے قبضہ میں تھا مگر کنعان آکی بو سے مالا مال تھا ان تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات شے کہیں اور ہو اور اسکا اثر کہیں اور یہ ممکن بلکہ واقع ہے۔ پس یہی حالت ابوالحسن کی ہوگی کہ گو وہ خود زمین پر ہونگے مگر اُن کے انوار عالم بالا پر ہونگے۔ خیر تو جب اُنھوں نے انکی تفصیل حال بیان کر دی تو لوگوں نے اُن کی تاریخ ولادت لکھ لی۔ جو شیخ کی زبان سے سنی تھی۔ پس جب وہ وقت اور تاریخ آئی تو اسی سرزمین سے جس سے شیخ نے انکا پیدا ہونا بیان کیا تھا شیخ ابوالحسن ظاہر ہوئے۔

شرح شبیری

جواب سلطان بایزید قدس سرہٗ کا معنی ہیں قول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ انی لاجد نفس الرحمٰن

من قبل الیمن راو کما قال)

گفت زیں سو بوئے یارے میرسد   کاندریں دہ شہریارے میرسد

یعنی حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ اس طرف سے ایک یار کی بو آرہی ہے کہ اس گانوں میں ایک بادشاہ آویگا۔

بعد چندیں سال میزاید شہے   میزند بر آسمانہا خرگہے

یعنی اتنے سال کے بعد ایک شاہ صاحب پیدا ہونگے جو کہ آسمانوں پر جائے قیام بنا دینگے

رویش از گلزار حق گلگوں بود   از من او اندر مقام افزوں بود

یعنی انکا چہرہ گلزار حق سے گلگوں ہوگا۔ اور رتبہ میں وہ مجھ سے بھی زیادہ ہونگے مطلب یہ کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ یہاں اس گاؤں میں سے یعنی خارقان میں سے ایک دوست کی خوشبو آرہی ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں اتنے برس کے بعد ایک شاہ دین پیدا ہوگا جو کہ عالم بالا میں اپنی جائے قیام بناویگا یعنی بہت بڑے بزرگ ہونگے جنکے چہرہ پر نور حق ظاہر ہوگا۔ انکا مرتبہ اور مقام میرے مرتبہ اور مقام سے بھی عالی ہوگا۔

چیست نامش گفت نامش بو الحسن   حلیہ اش واگفت ز ابرو تا ذقن

یعنی (مریدنے عرض کیا کہ) انکا اسم گرامی کیا ہے تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ انکا نام نامی ابو الحسن ہے۔ اور حضرت بایزیدؒ نے اُن کا حلیہ ابرو اور ٹھوڑی تک بیان کر دیا۔ (ز ابرو تا ذقن سے مراد یہ کہ تمام حلیہ ذرا ذرا کرکے بیان فرما دیا)۔

قد او و رنگ او و شکل او   یک بیک واگفت از گیسو و رو

یعنی انکا رخسار اور انکا رنگ اور انکی شکل ایک ایک کرکے اُن کے گیسو اور رُو کی حالت بیان فرما دی

حلیہائے روح او را ہم نمود   از صفات و از طریق و جائے بود

یعنی انکی روح کا حلیہ بھی دکھلایا صفات سے اور طریقہ سے اور جگہ سے اور بود و باش سے مطلب یہ کہ انکے بدن کا سارا حلیہ بیان فرمایا کہ ایسے رخسار ہونگے ایسی آنکھ ناک ہوگی ایسے گیسو ہوں گے علی ہذا اور انکی روح کا حلیہ بھی بیان فرمایا کہ ان میں اسقدر قوت روحانی ہوگی فلاں مرتبہ ولایت

وغیرہ پر انکا مقام ہوگا غرض سارے حلیے بیان فرمادئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

حلیۂ تن ہمچو تن عاریت است ۔۔۔ دل براں کم نہ کہ آں یک ساعت است

یعنی تن کا حلیہ تو تن کیطرح عاریتی ہے اوسپر دل کو کم رکھ کہ وہ تو ایک گھڑی کا ہے۔

حلیۂ روح طبیعی ہم فناست ۔۔۔ حلیۂ آں جاں طلب کاں بر سماست

یعنی روح طبعی کا حلیہ بھی فانی ہے اُس روح کا حلیہ طلب کرو جو آسمان پر ہے۔ مطلب یہ کہ تم نے جو اُن کے حلیۂ تن کو سنا ہے اور انکی روح طبعی کے حلیے سنکر خوش ہو رہے ہو اسی میں مست لگے ہو تاکہ یہ تو فانی چیزیں ہیں اُس روح مجرد کا حلیہ دیکھو کہ جو باقی ہے جسکا مرتبہ عالی او مقام عالم بالا او عالم غیب ہے غرض کہ ان اشیار فانی میں مست لگو عالم غیب اور عالم بالا کی طرف متوجہ ہو آگے پھر ان ہی کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ

جسم او ہمچوں چراغے بر زمیں ۔۔۔ نور او بالائے سقف ہفتمیں

یعنی انکا جسم تو چراغ کی طرح زمین پر ہوگا مگر انکا نور ساتویں چھت کے اوپر ہوگا۔ مطلب یہ کہ انکا جسم ظاہری تو زمین پر ہوگا مگر انکا نور باطن ساتویں آسمان سے بھی بالا ہوگا۔ جیساکہ چراغ ہوتا ہے کہ وہ تو ایک جگہ رکھا رہتا ہے مگر اسکا نور تمام مکان کو روشن کئے ہوتا ہے۔ آگے اور اسی کے نظائر بیان فرماتے ہیں کہ

آں شعاع آفتاب اندر وثاق ۔۔۔ قرص او اندر جہان چار طاق

یعنی وہ آفتاب کی شعاع تو گھر میں ہے اور اُسکی ٹکیہ جہاں چار طاق میں ہے (جہاں چار طاق سے مراد آسماں) مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب کا نور توکسقدر پھیلا ہوا ہوتا ہے مگر اُسکا جسم ایک جگہ ہی ہوتا ہے۔

نقش گل در زیر بینی بہر لاغ ۔۔۔ بوئے گل بر سقف و ایوان و دماغ

یعنی پھول کا نقش تو ناک کے نیچے ہوتا ہے اور پھول کی خوشبو محل و دماغ کی چھت پر ہوتی ہے۔

مرد خفتہ در عدن دیدہ فرق ۔۔۔ عکس آں بر جسم افتادہ عرق

یعنی انسان عدن میں سوتا ہوا ہوتا ہے تو خوف دیکھتا ہے اسکا عکس اسکے جسم پر پسینہ آجاتا ہے

پیرہن در مصر رہن یک حریص ۔۔۔ پر شدہ کنعان ز بوئے آں قمیص

یعنی مصر میں لباس (یوسفی) ایک حریص (برادر یوسفؑ) کے پاس تھا اور اس کرتہ کی خوشبو سے کنعان بھرا ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب کا جسم ایک جگہ ہے اور نور تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے علیٰ ہذا پھول کو ناک کے نیچے رکھکر سونگھتے ہیں اور اسکی خوشبو دماغ کے اعلیٰ حصہ تک پہونچتی ہے اور لیجئے ایک شخص سو رہا ہے اور خواب میں کوئی خوفناک واقعہ دیکھتا ہے تو جسم پر اس کے پسینہ آجاتا ہے۔ حالانکہ ظاہر جسم پر کوئی خوف وغیرہ نہیں ہے مگر خواب کا یہ اثر ہوتا ہے اور سنئے کہ پیراہن یوسفی ابھی مصر میں برادران یوسف علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام نے عنایت ہی کیا تھا مگر اسکی خوشبو کنعان میں پہونچ گئی اسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا جسم اگرچہ خاک پر اور اس دنیاء فانی میں ہوگا مگر انکا نور روحانی ساتوں آسمان سے بھی بلند ہوگا غرض کہ انکی پوری حالت کو بیان فرما دیا۔

بر نبشتند آن زمان تاریخ را   از کباب آراستند آں سیخ را

یعنی لوگوں نے اسی وقت تاریخ لکھ لی۔ اور کباب سے اس سیخ کو سنوار لیا۔ (سیخ را از کباب آراستن ای کار را بانجام رسانیدن) مطلب یہ کہ انھوں نے اسی وقت تاریخ وغیرہ لکھ لی اور کام بالکل ٹھیک کر لیا کہ کوئی کسر باقی نہ رہی تاریخ سنہ حلیہ حالات واقعات وغیرہ جو بیان کئے تھے سب لکھکر رکھ لیئے۔

چوں رسید آں وقت و آں تاریخ راست   زاں زمین آں شاہ پیدا گشت خاست

یعنی جب ٹھیک وہ وقت اور تاریخ پہونچی تو اس زمین سے وہ شاہ (دین) پیدا ہوئے اور اٹھے مطلب یہ کہ جب وہ تاریخ جسکو حضرت بایزیدؒ نے لکھوایا تھا پہونچی تو حضرت ابوالحسن خرقانی پیدا ہو گئے۔ آگے ان کی پیدائش کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا پیدا ہونا

زادہ شد آں شاہ و نرد ملک باخت   از عدم پیدا شد و مرکب بتافت

از پس آں سالہا آمد پدید	بوالحسن بعد از وفات بایزید
جملہ خوہائے اوز امساک وجود	آنچناں آمد کہ آں شہ گفتہ بود
لوح محفوظ است اورا پیشوا	از چہ محفوظ است محفوظ از خطا
نے نجوم ست و نہ رمل است و نہ خواب	وحی حق واللہ اعلم بالصواب
از پئے روپوش عامہ در بیاں	وحی دل گویند آنرا صوفیاں
وحی دل گیرش کہ منظرگاہ اوست	چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست
مومنا ینظر بنور اللہ شدی	از خطا وسہو ایمن آمدی
ایں سخن پایاں ندارد و انجواں	از کم اجرائے ناں شد ناتواں

وہ پیدا ہوئے اور پیدا ہو کر سلطان طریقت ہوگئے وہ عدم سے وجود میں آئے اور موجود ہو کر راہ سلوک کو طے کرنا شروع کردیا وہ بایزید علیہ الرحمہ کی وفات کے بھی چند سال بعد پیدا ہوئے مگر جو صفات شیخ نے بیان کی تھیں کہ ان میں اپنے محل پر بخل ہوگا جو محمود ہے اور اپنے موقع پر سخاوت ہوگی وہ سب اُسی طرح ظاہر ہوئیں جس طرح اُنھوں نے بیان کی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں وہ تو لوح محفوظ کے مطالعہ سے کہہ رہے تھے اور لوح محفوظ کو محفوظ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اسمیں غلطی نہیں ہو سکتی۔ تو اُنکا بیان کیونکر غلط ہو سکتا تھا اور اُنکا بیان وحی حق سبحانہ پر مبنی تھا نہ کہ نجوم یا رمل یا خواب پر پھر غلطی کیسے ہو سکتی تھی اس مقام پر ہم تمھیں ایک باریک بات پر مطلع کرتے ہیں وہ یہ کہ کشف والہام بھی وحی ہے مگر عوام سے مخفی رکھنے کیلئے صوفیہ اسکو مطلق استعمال نہیں کرتے بلکہ وحی دل کہتے ہیں تاکہ عوام دھوکہ میں نہ پڑجائیں اور اس سے وہ وحی نہ سمجھ جائیں جو مخصوص ہے انبیا کے ساتھ اور اہل اللہ کو نبی نہ سمجھ بیٹھیں یا ان سے بدظن نہ ہوجائیں۔ خیر تم اسے اُس دل کی وحی مانو جو محل نظر حق سبحانہ ہے اور مطلق وحی نہ کہو۔ مگر اس سے اصل مقصود پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ اسوقت بھی یہ یقینی ہی رہے گی کیونکہ وہ قلب عارف باللہ ہے اور صاحب قلب مومن ہے اور مومن ناظر بنور اللہ او رنظر بنور اللہ خطا وسہو سے مامون ہے اسلئے عارف خطا و

سہو سے مامون ہے پھر غلطی کیونکر ہوسکتی ہے (ف تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ یقینیت وعدم یقینیت کشف والہام غیر نبی اہل فن کے درمیان مختلف فیہ ہے کچھ لوگ انہیں یقینی کہتے ہیں اور کچھ لوگ یقینیت کا انکار کرتے ہیں۔ مولانا کی تحقیق مسلک اول کے موافق ہے اور وہ بھی یقینیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ... پر وہ کہتے ہیں کہ کشف والہام بھی حقیقۃ اقسام ہیں وحی کے۔ اسلئے ان پر وحی کا اطلاق فی نفسہ صحیح ہے۔ مگر صوفیہ لوگوں کو غلطی سے بچانے کیلئے اسکو مطلق استعمال نہیں کرتے۔ اور وحی دل کہتے ہیں جس سے وحی انبیاء اور وحی اہل اللہ میں تغایر نوعی مفہوم ہوتا ہے اور اہل اللہ پر دعویٰ نبوت کا شبہ نہیں ہوتا اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اچھا تم اسکو مطلق وحی نہ کہو بلکہ وحی دل ہی مانو۔ مگر یقینیت اسکی اسوقت بھی ہاتھ سے نہیں جاتی کیونکہ قلب عارف باللہ ہے اور صاحب قلب مومن اور مومن ناظر بنور اللہ اور نظر بنور اللہ میں خطاء وسہو واقع نہیں ہوسکتے تو ہمارا مدعا ثابت ہے یہ تو حاصل ہے اس کلام کا اب ہم اس شبہ کو دفع کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو سالکین مسلک یقینیت کشف والہام پر وارد ہوتا ہے ان پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں انکا نبی ہونا لازم آئیگا۔ اور لازم ہے کہ ان کے الہام وکشف کا منکر کافر ہو جواب اسکا یہ ہے کہ الہام وکشف کا یقینی ہونا اور انکا وحی حق ہونا نبوت کو مستلزم نہیں ہے نبوت ایک خاص منصب ہے پس یہ ضروری نہیں کہ جسکو کشف والہام یقینی ہو اسکو یہ خاص منصب بھی عطا ہو۔ مثلاً بادشاہ اپنے وزیر سے بھی خطاب کرتا ہے اور ایک خادم سے بھی اور باوجودیکہ وہ خطاب دونوں کیلئے قطعی ہوتا ہے مگر اس سے وہ خادم وزیر نہیں ہوجاتا۔ اور اس الہام وکشف کا منکر کافر اسلئے نہیں ہوتا کہ ان کے یقینیت کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں۔ چنانچہ مولانا نے جو دلیل بیان فرمائی ہے وہ بھی خطابی ہے نہ کہ برہانی۔ نیز خود ان قائلین کے فہم میں بھی نفس الامر میں غلطی کا احتمال موجود ہے اسلئے نہ دوسرے لوگ کشف والہام اہل اللہ کے انکار سے نفس الامر میں کافر ہوسکتے ہیں اور نہ قائلین بہ یقینیت کشف والہام کے نزدیک اور نہ وہ لوگ خود اپنے کشف والہام کے انکار سے کافر ہوسکتے ہیں) خیر یہ گفتگو تو ختم ہو گی اور وہ جوان روٹی کی کمی سے کمزور ہوگیا ہے اسلئے اس گفتگو کو چھوڑ کر اسکی خبر لینی چاہئے (ف واضح ہو کہ این سخن پایاں ندارد الخ نسخہ موجودہ میں سرخی آئندہ کے تحت میں تین شعروں کے بعد واقع ہوا

لیکن چونکہ مضمون کے لحاظ سے اسکا اس مقام پر ہونا مناسب نہیں تھا اسلئے اس مقام پر نقل کیا گیا ہے واللہ اعلم باسرار خلص عبادہ)۔

شرح شبیری

حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا پیدا ہونا

زادہ شد آں شاہ نرد ملک باخت ۔۔۔ از عدم پیدا شد و مرکب بتاخت

یعنی وہ شاہ (دین) پیدا ہوئے اور ملک کی بازی کھیلی عدم سے پیدا ہو کر مرکب کو چلایا مطلب یہ کہ حضرت پیدا ہوئے اور ملک دین کے بادشاہ ہوئے یعنی شیخ طریقت ہوئے۔

از پس آں سالہا آمد پدید ۔۔۔ بوالحسن بعد از وفات بایزید

یعنی ان برسوں کے بعد (جنکو حضرت بایزید نے فرمایا تھا) حضرت ابوالحسنؒ بعد وفات حضرت بایزیدؒ کے ظاہر ہوئے یعنی حضرت بایزیدؒ کی وفات کے اسی قدر مدت بعد جتنی کہ وہ بتلا گئے تھے حضرت ابوالحسنؒ پیدا ہوئے۔

جملہ خوہائے او ز امساک و جود ۔۔۔ آنچناں آمد کہ آں شہ گفتہ بود

یعنی ان کی تمام خصلتیں سخاوت کی اور امساک کی اس طرح آئیں جیسی کہ اس شاہ (دین) نے بتائی تھیں اب یہاں کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ انھوں نے اس طرح کیسے بتا دیا اس شبہ کو زائل فرماتے ہیں کہ۔

لوح محفوظ است او را پیشوا ۔۔۔ از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی لوح محفوظ ان کی پیشوا تھی اور محفوظ کس شے سے تھی خطا سے محفوظ تھی۔

نے نجوم ست و نہ رمل ست و نہ خواب ۔۔۔ وحی حق واللہ اعلم بالصواب

یعنی نہ کوئی نجوم تھا اور نہ رمل تھا اور نہ خواب تھا (بلکہ) الہام حق تھا واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ انھوں نے ان کے قصہ کو نہ تو کسی رمل سے نہ نجوم سے نہ خواب وغیرہ کسی شے سے معلوم کیا تھا۔ بلکہ لوح محفوظ پر سے حق تعالیٰ نے ان کو بذریعہ الہام کے بتا دیا تھا۔ اسلئے انکو معلوم

ہو گیا تھا۔ اور مصرعہ از چہ محفوظ الخ جملہ معترضہ کے طور پر ہے کہ لوح محفوظ کو لوح محفوظ کیوں کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ وہ خطاسے چونکہ محفوظ ہے اسلئے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ غرض الہام حق سے انکو معلوم ہو گیا تھا۔ باقی اگر اور کوئی بات ہو اُسکو اللہ جانے ہمیں تو جسقدر معلوم تھا بیان کر دیا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

از پئے روپوش عامہ در بیان — وحی دل گویند آنرا صوفیاں

یعنی عوام کے بتلانے کیلئے بیان میں صوفیہ اُسکو وحی دل کہہ دیتے ہیں۔

وحی دل گیرش کہ منظر گاہ اوست — چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست

یعنی اُسکے دل کی لینے والی وحی جو اُسکی منظر گاہ ہے کیونکر غلط ہو سکتی ہے کہ دل اُس سے آگاہ ہے

مومنا ینظر بنور اللہ شدی — از خطا و سہو ایمن آمدی

یعنی اے مومن تو ینظر بنور اللہ ہو گیا ہے اور خطا اور سہو سے بیخوف ہو گیا ہے مطلب یہ کہ اس الہام حق کو عوام کے سمجھانے کیلئے حضرات صوفیہ الہام قلب کہدیتے ہیں ورنہ اصل میں یہ الہام حق ہی ہوتا ہے جس میں کہ اگر کوئی مانع اور عارض نہو تو خطا نہیں ہو سکتی اور سہو نہیں ہو سکتا۔ ہاں عارض کے ہوتے ہوئے اگر خطا و سہو ہو وہ اور بات ہے ورنہ اسمیں خطا و سہو ہرگز نہیں ہوتا اسکی بالکل ایسی مثال ہے جیسے حواس ظاہری کہ آنکھ دیکھتی ہے اور اگر کوئی عارض اور مانع نہو تو عادت یہ ہے کہ اُسکے دیکھنے میں خطا نہیں ہوتی لیکن اسمیں بھی عارض ہو تو خطا ہو جاتی ہے مگر اس خطا کے ہو جانے سے کوئی اُسکے ادراکات کو غیر یقینی نہیں کہتا۔ بلکہ ادراکات یقینی ہی ہیں اور اس کا غلط ہو جانا عارض کے سبب سے کہا جاویگا۔ اسی طرح ان حواس باطن میں بھی ہے کہ اگر عارض پیش نہ آوے تو بے شک ان میں غلطی نہیں ہوتی اسی لئے بعض صوفیہ نے انکے ادراکات کو یقینی قرار دیا ہے مگر محققین صوفیہ انکے ادراکات کو ظنی ہی کہتے ہیں کہ ان پر یقین کرکے کسی سے بدگمان ہو جانا یا کسی پر تہمت لگا دینا جائز نہیں فرماتے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے اُس غلام کے وظیفہ کم ہو جانے کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور اُسی کے ذیل میں یہ مضمون بھی بیان فرماویں گے کہ حضرات اہل اللہ کا وظیفہ اور اُنکا کھانا دل و جان سے ہوتا ہے اور اُن کی اصل غذا غیب سے ہوتی ہے۔

شرح حبیبی

اس غلام کے وظیفہ کے کم ہو جانے کی حکایت کی طرف رجوع اور بیان اسکا کہ صوفی کے دل وجان کا وظیفہ حق تعالیٰ کے کہانے سے ہوتا ہے

صوفیے از فقر چوں در غم شود — عین فقرش دایہ و مطعم شود

زانکہ جنت از مکارہ رستہ است — رحم قسم عاجز و اشکستہ است

آنکہ سرہا بشکند او از علو — رحم حق و خلق ناید سوئے او

شاد آں صوفی کہ رزقش کم شود — آں شبہ در گردد او یم شود

زاں جرائے خاص ہر کہ آگاہ شد — او سزائے قرب و اجرے گاہ شد

زاں جرائے روح چوں نقصان شود — جانش از نقصاں او لرزاں شود

پس بداند کہ خطائے رفتہ است — کہ سمن زار رضا شگفتہ است

ہمچناں کاں شخص از نقصاں کشت — رقعہ سوئے صاحب خرمن نوشت

رقعہ اش بردند پیش میر داد — خواند او رقعہ جوابے وا نداد

گفت او را نیست الا درد قوت — پس جواب احمق اولیٰ تر سکوت

نیستش درد فراق و وصل ہیچ — بند فرع است او نجوید اصل ہیچ

احمق است و مردہ ماو منے — کز غم فرعش فراغ اصل نے

وہ غلام تو روٹی کی کمی سے ناتواں ہوگیا تھا مگر صوفیہ کرام کی حالت اسکے خلاف ہے کیونکہ صوفی فقر و فاقہ کی وجہ سے مغموم ہوتا ہے تو اُسکا یہ فقر و فاقہ ہی اُسکا مربی اور اسکے لئے غذائے روحانی کا سبب بنجاتے ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جنت عیش و راحت تکالیف ہی سے پیدا ہوتی ہے اور رحم عاجز اور مسکین ہی کا حصہ ہے اور جو لوگ کہ سرکش ہیں اور اپنی سرکشی سے لوگوں کے سر پھوڑتے ہیں اُن پر نہ خدا کو رحم آتا ہے اور نہ مخلوق کو بس مزہ بس ہے وہ صوفی جسکا رزق کم ہو جاوے۔ اور اس کمی رزق کے سبب وہ لوتھ سے موتی اور قطرہ سے دریا یعنی ناقص سے کامل ہو جاوے۔ یاد رکھو کہ یہ کمی رزق وہ وظیفہ ہے کہ جو اسکی خاصیت اور اثر سے واقف ہو جاتا ہے وہ مستحق قرب الٰہی اور محل ثواب ہو جاتا ہے اور جب اسکے اس وظیفہ روحانی میں کمی ہو جاتی ہے اور اسکو روٹی زیادہ ملنے لگتی ہے تو اُسکی جان کانپ جاتی ہے اور سمجھتا ہے کہ ضرور مجھسے کوئی قصور ہوا ہے جسکے سبب خوشنودی کا سمن زار نہیں کھلا ہے اور مجھپر یہ عتاب ہوا ہے اور اس رزق کے اجراء کی یوں ہی درخواست کرتا ہے جسطرح اس غلام نے اپنے رزق کے کم ہونے کے سبب بادشاہ کو رقعہ لکھا تھا اب اس غلام کے قصہ کی طرف عود کرتے ہیں سنو جب اُس نے بادشاہ کو رقعہ لکھا تو لوگ اُسکا رقعہ بادشاہ کے پاس لیگئے اُس نے رقعہ لیکر پڑھا اور خاموش ہو رہا۔ اور یہ کہا کہ اسکو تو صرف روٹی کا غم ہے اسلئے یہ احمق ہے اور احمق کا جواب خاموشی ہی بہتر ہے اسکو فراق اور انقطاع وصل کا کچھ بھی خیال نہیں۔ اور یہ فرع میں الجھا ہوا ہے اور وصل کا طالب نہیں اسلئے یہ احمق ہے۔ اور خودی سے مردہ ہے کیونکہ یہ فرع میں ایسا منہمک ہے کہ وصل کی طلب کی اسے فرصت ہی نہیں۔

آسمانہا و زمیں یک سیب داں	کز درخت قدرت حق شد عیاں
تو چو کرمے درمیان سیب در	وز درخت و باغبانی بیخبر
آں یکے کرمے دگر در سیب ہم	لیک جانش از بروں صاحب علم
جنبش او وا شگافد سیب را	بر نتابد سیب آں آسیب را
بر دریدہ جنبش او پردہا	صورتش کرم است معنی اژدہا

آتشی کاول ز آہن می جہد / او قدم بس سست بیرون می نہد

دایہ اش پنبہ است اول لیک اخیر / می رساند شعلہا را تا اثیر

مرد اول بستۂ خواب و خورست / آخر الامر از ملائک برترست

در پناہ پنبہ و کبریتہا / شعلۂ و نورش برآید تا سہا

عالم تاریک روشن میکند / کندۂ آہن بسوزن می کند

گرچہ آتش نیز ہم جسمانی است / نے ز روح است و نہ از روحانی است

جسم را نبود ازاں عز بہرۂ / جسم پیش بحر جاں چوں قطرۂ

جسم از جاں روز افزوں می شود / چوں رود جاں جسم بیں چوں می شود

حد جسمت یک دو گز خود بیش نیست / جان تو تا آسماں جولاں گہیست

تا بہ بغداد و سمرقند اے ہمام / روح را اندر تصور نیم گام

دو درم سنگ است پیہ چشمتاں / نور جسمش تا عنان آسماں

نور بے ایں چشم می بیند بخواب / چشم بے ایں نور چہ بود جز خراب

جاں ز ریش و سبلت تن فارغ است / لیک تن بیجاں بود مردار و پست

بارنامہ روح حیوانی است ایں / پیشتر رو روح انسانی بہ بیں

بگذر از انساں و ہم از قال و قیل / تا لب دریائے جاں جبرئیل

بعد از انت جان احمد لب گزد / جبرئیل از بیم تو واپس خزد

گوید ار آیم بقدر یک کماں / من بسوئے تو بسوزم در زماں

ایں بیاباں خود ندارد پا و سر / بے جواب نامہ خستہ است آں پسر

اوپر چونکہ بیان کیا تھا کہ وہ غلام فرع میں منہمک ہے اور اصل کی خبر نہیں اس مناسبت سے فرماتے ہیں کہ عالم کو ایک سیب سمجھو جو کہ درخت قدرت حق سبحانہ سے پیدا ہوا ہے اور آدمی کو اسکے اندر ایک کیڑا تصور کرو۔ اب سمجھو کہ یہ کیڑے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو ہمہ تن اس سیب (عالم) میں ہی مشغول ہیں اور انکو درخت (قدرت حق سبحانہ) اور باغبان (حق سبحانہ) کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو ہیں تو سیب کے اندر مگر انکی جان کو سیب سے باہر یعنی عالم غیب میں نہایت شان و شوکت حاصل ہے اور وہ اسقدر عالی حوصلہ ہیں کہ انکی حرکت سیب کو پھاڑے دیتی ہے اور سیب اسکے صدمہ کو دفع نہیں کر سکتا۔ بالآخر اسکی حرکت تمام پردوں کو پھاڑ ڈالتی ہے۔ اور وہ باہر نکل آتا ہے۔ ایسا کیڑا اگرچہ صورت میں کیڑا ہے مگر ہمت و قوت کے لحاظ سے اژدہا ہے دیکھو جسطرح آگ جبکہ لوہے سے نکلتی ہے تو کمزور نکلتی ہے اور اولاً روئی اسکی تربیت کرتی ہے مگر آخر میں اپنے شعلوں کو آسمان تک پہونچا دیتی ہے یونہی آدمی بھی ابتدائً خواب و خور میں محبوس ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے آخر میں فرشتوں سے بڑھجاتا ہے اور روئی اور گندھک (یعنی مشائخ) کی حمایت و تربیت میں اسکا شعلہ اور نور آسمان تک پہونچتا ہے اور اس عالم تاریک سے ظلمت جہل و ضلالت کو دور کر کے اسکو نور ہدایت سے منور کر دیتا ہے اور وہ کام کرتا ہے جو قیاس سے باہر ہیں گویا کہ لوہے کے ستون کو سوئی سے اکھیڑ ڈالتا ہے۔ اب سمجھو کہ روح سے جسم کو کیا نسبت ہے ۔ سنو آگ اگرچہ ایک جسمانی شے ہے نہ روح ہے اور نہ روحانی مگر جو شان و شوکت اسکو حاصل ہے وہ بدن کو نہیں۔ تو اسکو روح سے کیا نسبت ہوسکتی ہے اسکے سامنے تو اسکی ایسی مثال ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ۔ نیز جسم کو جان سے ترقی ہوتی ہے اور جب جان نکل جاتی ہے تو دیکھو اسکی کیا حالت ہوتی ہے برخلاف روح کے کہ وہ جسم کی اسدرجہ محتاج نہیں ہے اور دیکھو جسم زیادہ سے زیادہ ایک دو گز کا ہوتا ہے لیکن اسکی روح زمین سے آسمان تک جولانی کرتی ہے اور بغداد اور سمرقند تک کی مسافت اسکے لئے بمنزلہ نصف قدم کے ہے اور دیکھو تمھاری آنکھ کی چربی زیادہ سے زیادہ ۵ ماشے کی ہوگی لیکن اسکی روح کا نور آسمان تک پہونچتا ہے پھر اس نور کو آنکھ کی ضرورت نہیں کیونکہ

وہ خواب میں اشیاء کا احساس بدون آنکھ کے کرتا ہے۔ برخلاف آنکھ کے کہ اگر نور نہ ہو تو کسی کام کی بھی نہیں اور سنو جان کو جسم کی ڈاڑھی مونچھ اور شان وشوکت کی کچھ حاجت نہیں برخلاف جسم کے کہ وہ بدون جان کے مردہ اور محقر ہے یہ ڈاڑھی مونچھ وغیرہ اگر ساز وسامان ہے تو روح حیوانی کا اور روح انسانی کو اس سے کوئی تعلق نہیں پس جبکہ روح کا تفوق جسم پر ان وجوہ سے ثابت ہو گیا تو تم کو جسم کی فکر میں نہ پڑا رہنا چاہیئے۔ بلکہ اسکو چھوڑ کر روح انسانی کو مطمح نظر بنانا چاہیئے اسی کی اصلاح کی فکر ہونی چاہیئے اور اسی کی ترقی کی اور انسانیت از قیل وقال سے ترقی کر کے جان جبرئیلی تک پہونچنا چاہیئے یعنی کمالات جبرئیلی حاصل کرنی چاہیئیں جب تم اس مرتبہ پر پہونچ جاؤ گے تو اسوقت تم کو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیدار کریگی وہ اس مرتبہ پر پہونچا دیگی کہ جبرئیل تم سے خوف کرینگے اور تمھاری معیت فی السیر المعنوی سے دست بردار ہو جاویں گے اور فرماویں گے کہ اگر میں تمھارے ساتھ ایک کمان کی برابر آگے چلوں تو تجلی حق سبحانہ مجھے فوراً جلادیگی کیونکہ میری ترقی کے مدارج یہاں ختم ہو گئے ہیں اور اس مقام سے آگے بڑھنے کی مجھ میں استعداد نہیں۔ اچھا اس بیان کی نہ تو ابتدا ہے نہ انتہاء سے چھوڑنا چاہیئے کیونکہ وہ غلام بدون جواب کے بہت پریشان ہے۔

شرح شبیری

اس غلام کے وظیفہ کے کم ہو جانے کی حکایت کیطرف رجوع اور بیان اسکا کہ صوفی کے دل وجان کا وظیفہ حق تعالیٰ کے کھانے سے ہوتا ہے

صوفیے از فقر چوں در غم شود ۔۔۔ عین فقرش دایہ و مطعم شود

یعنی صوفی فقر سے کیوں غم میں ہو اسلئے کہ عین فقر اسکے لیے مربی اور کھانا کھلانیوالا ہوتا ہے

زانکہ جنت از مکارہ رستہ است ۔۔۔ رحم قسم عاجزا شکستہ است

یعنی چونکہ جنت ناگوار چیزوں سے بنی ہے تو رحم عاجز اور شکستہ حال کا حصہ ہوتا ہے۔

آنکہ سرہا بشکند او از غلو رحم حق و خلق ناید سوئے او

یعنی جو شخص کہ سر کو غلو کی وجہ سے توڑے تو حق تعالیٰ کا اور مخلوق کا رحم اُسکی طرف نہیں آتا مطلب یہ کہ اہل اللہ کو فقر سے اور دنیا کی کمی سے کچھ غم نہیں ہوتا بلکہ وہ فقر وغیرہ میں خوش رہتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ کہ جنت کے چاروں طرف ناگوار اشیاء کی باڑ لگی ہوئی ہے کہ جو جنت میں جاوے اول ناگواریوں کو برداشت کرے تو جنت میں جاتے کیلئے ان اشیاء کا گوارا کرنا شرط ہوا تو اہل اللہ کو دنیا کی کمی سے کیوں غم ہوگا۔ وہ تو جانتا ہے کہ اسکی کمی سے خدا کے یہاں کی نعمتیں نصیب ہونگی لہٰذا یہ کمی اُسکے لئے موجب فرح ہوتی ہے اور بجائے اس دنیوی فرحت کے یہ فرحت اسکو بیحد خوش کن ہوتی ہے مگر یہ تو اُسکے لئے ہے جو اللہ والا ہو اور جسمیں یہ صفت نہو اسکو تو بس یہ دنیا ہی کی نعمتیں مایۂ زندگی ہوں گی۔ اور ان ہی کے پیچھے جان دیگا۔ جیسا کہ وہ غلام تھا کہ ذرا سے وظیفہ کی کمی سے گھبرا گیا اور بادشاہ کو شکایت لکھی آگے اُسی کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایان ندارد و آن جوان از کم اجرائے نان شد ناتوان

یعنی یہ مضمون تو انتہا نہیں رکھتا اور وہ جوان وظیفہ کی کمی کی وجہ سے ناتواں ہو رہا ہے مطلب یہ کہ اس مضمون کی اور اولیاء اللہ کے طعام غیب سے کھانے کے مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اسکو ترک کرو کہ وہ غلام وظیفہ کی کمی کی وجہ سے مرا جا رہا ہے اُسکا قصہ بیان کرو۔ اتنا فرما کر آگے پھر وہی مضمون ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

شاد آن صوفی کہ رزقش کم شود آن شبہ‌اش گردد و او یم شود

یعنی کیا اچھا ہے وہ صوفی کہ اُسکا رزق کم ہو تو وہ پوتھ موتی ہو جاوے اور وہ شخص دریا ہو جاوے مطلب یہ کہ وہ اہل اللہ کیسے اچھے ہیں کہ انکا اگر رزق دنیوی کم بھی ہو جاتا ہے تو انکو کوئی غم نہیں ہوتا بلکہ اُنکی وہ حالت جو مشابہ پوتھ کے تھی جو ایک سب سے ادنیٰ درجہ کی قسم موتیوں میں سے ہے مشابہ دُر اعلیٰ قسم کے موتی کے ہو جاتی ہے اور یہ شخص بوجہ اسکے کہ اسکے اندر وہ صفت ہوتی ہے دریا کے مشابہ ہو جاتا ہے کہ جیسے دریا میں موتی ہوتا ہے غرض کہ اس دنیوی رزق کی کمی سے اسکے

مراتب اور عالی ہوتے ہیں کیونکہ یہ شخص ان پر صبر کرتا ہے انکا حق ادا کرتا ہے اسکے درجے بڑھتے ہیں اور اسکے بدلہ میں رزق حقیقی اور رزق ابدی عالم غیب کا اور قرب حق تعالیٰ کا نصیب ہوتا ہے اور پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

زاں جرائے خاص ہر کہ آگاہ شد　　او سزائے قرب و اجری گاہ شد

یعنی اُس خاص وظیفہ سے جو آگاہ ہوا وہ قرب (حق) کے لائق اور وظیفہ ملنے کی جگہ کے لائق ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جو اس حق تعالیٰ کے جرا سے آگاہ ہو گیا اور جسکو وہ ملگئی اُسکو تو قرب حق نصیب ہو گیا اور عالم غیب میں اسکا مقام ہو جاتا ہے۔

زاں جرائے روح چوں نقصاں شود　　جانش از نقصان او لرزاں شود

یعنی اُس روحانی وظیفہ میں سے اگر کم ہو جاوے تو اُسکی جان اسکی کمی کی وجہ سے کانپ اٹھتی ہے

پس بداند کہ خطائی رفتہ است　　کہ سمن زار رضا نشگفتہ است

یعنی وہ سمجھتا ہے کہ کوئی خطا ہوئی ہے کہ رضائے (حق) کا گلزار شگفتہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جب کسی شخص کو روحانی وظیفہ ملجاتا ہے اور اسکی وجہ سے اسکو قرب نصیب ہو جاتا ہے پھر اگر اسمیں ذرا سی بھی کمی آتی ہے تو یہ شخص کانپ اٹھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ضرور مجھ سے کوئی خطا ایسی سرزد ہوئی ہے کہ جسکی وجہ سے اسمیں کمی آئی بس یہ سمجھکر اپنی خطا کی معافی میں لگتا ہے اور اسکا تدارک کرتا ہے اسی کو ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ؎ بر دل سالک ہزاراں غم شود + گر زباغ دل خلالے کم بود۔

ہمچناں کاں شخص از نقصان کشت　　رقعہ سوئے صاحب خرمن نوشت

یعنی اسیطرح اُس شخص نے وظیفہ کی کمی کی وجہ سے صاحب خرمن کو رقعہ لکھا تھا۔ مطلب یہ کہ جسطرح یہ شخص روحانی وظیفہ کی کمی کی وجہ سے کانپ جاتا ہے اور اپنی خطا پر نادم ہوتا ہے اسی طرح اُس غلام نے بھی بادشاہ کو رقعہ لکھا جسمیں اپنی حالت کا اظہار تھا اگرچہ وہ پشیمانی اور اپنی غلطی کا مشاہدہ اسکو نہ تھا مگر خیر او دہر توجہ کرنے میں اُس صوفی اور لعنت والے کے مشابہ ہو گیا آگے اُسکے قصہ کی طرف رجوع فرما کر اُسکو ختم فرماتے ہیں کہ۔

رقعہ اش بردند پیش میر داد　　خواند او رقعہ جوابے وا نداد

یعنی اُس کا رقعہ امیر سخی کے آگے لیگئے تو اُس نے رقعہ کو پڑھا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

گفت او را نیست الا درد لوت — پس جواب احمق اولی تر سکوت

یعنی کہنے لگا کہ اسکو سوائے روزی کے غم کے اور کچھ نہیں ہے تو احمق کے جواب میں سکوت بہتر ہے مطلب یہ کہ جب اُس نے رقعہ لکھا تو اُس کا رقعہ لوگ بادشاہ کی خدمت میں لیگئے بادشاہ نے رقعہ کو پڑھکر اُسکو تو کوئی جواب نہیں دیا ہاں اور لوگوں سے فرمایا کہ میاں دیکھو اسکو سوائے اپنی تنخواہ کے غم کے اور کوئی فکر ہی نہیں اسکو اسکا غم نہیں کہ ہم اس سے خفا ہیں عتاب شاہی کا خوف نہیں ذراسی کمی روٹی میں آگئی تو مراجاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل بیوقوف اور احمق ہے۔ لہذا جواب الاحمق سکوت جواب جاہلاں باشد خموشی یہی بہتر ہے کہ اس نامعقول کو جواب ہی نہ دیا جاوے۔ اسی لئے کوئی جواب اُسکو نہیں دیا گیا۔ اور بادشاہ نے کہا کہ۔

نیستش در د فراق و وصل ہیچ — بند فرع است و نجوید اصل ہیچ

یعنی اُسکو (ہمارے) فراق و وصل کا بالکل غم نہیں فرع میں لگا ہوا ہے اصل کو تلاش نہیں کرتا۔

احمق است و مردہ ما و منے — کز غم فرعش فراغ اصل نے

یعنی احمق ہے اور اپنی خودی میں مرا ہوا ہے کہ فرع کے غم کی وجہ سے اُسکو اصل کی فراغت ہی نہیں مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ اس نالائق کو یہ فکر نہیں کہ مجھپر عتاب شاہی ہو رہا ہی اسکی فکر کروں جو اصل ہے اگر بادشاہ راضی ہیں تو سب کچھ موجود ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ مگر یہ اسقدر احمق ہے کہ فرع میں ایسا لگ گیا کہ اصل کی اسے خبر ہی نہ رہی اور اسکو اتنی فرصت ہی نہیں جو اصل کی طرف توجہ کرے یہ ساری باتیں اسکو مقتضی ہیں کہ اسکو جواب نہ دیا جاوے۔ مولانا نے اس قصہ کو اسپر شروع فرمایا تھا کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو میں اور بیان کرتا مگر چونکہ عوام کا فہم کم ہے اسلئے میں اور بیان نہیں کرتا احمقوں کے سامنے تو چپ رہنا ہی بہتر ہے آگے یہ قصہ شروع فرمایا تھا یہاں آکر مولانا کا مقصود قصہ سے حاصل ہوگیا کہ بے شک احمق کا جواب سکوت ہی ہے۔ آگے اسکا جو قصہ آویگا وہ تتمیم قصہ ہوگا۔ اور دیگر فوائد اسمیں ہونگے .... یہ مقصود یہانتک ختم ہوا چونکہ یہاں فرمایا ہے کہ وہ غلام فرع میں لگا ہوا تھا

اور اصل سے غافل تھا۔ اسپر آگے ایک مضمون بیان فرماتے ہیں کہ اہل دنیا بھی اصل کو چھوڑ کر فروع میں لگے ہوئے ہیں۔ اصل یعنی حق تعالیٰ کیطرف تو توجہ کرتے نہیں اس دنیا میں جو فرع ہے منہمک ہو رہے ہیں اسکو ایک مثال دیکر بیان فرماتے ہیں کہ۔

آسمانہا و زمیں یک سیب داں — کہ درخت قدرت حق شد عیاں

یعنی آسمانوں کو اور زمین کو ایک سیب (کی طرح) جانو جو کہ قدرت حق کے درخت سے ظاہر ہوا ہے۔

تو چو کرمے درمیان سیب در — وز درخت و باغبانے بیخبر

یعنی تو ایک کیڑے کی طرح سیب کے اندر ہے اور درخت اور باغبان سے بیخبر ہے۔

آں یکے کرمے دگر در سیب ہم — لیک جانش از بروں صاحب علم

یعنی ایک دوسرا کیڑا بھی سیب کے اندر ہی ہے لیکن اُسکی جان باہر سے صاحب علم ہے۔

جنبش او وا شگافد سیب را — بر نتابد سیب آں آسیب را

یعنی اُسکی جنبش سیب کو پھاڑ ڈالے اور سیب اُس قوت کی برداشت نہیں لا سکتا۔

بردریده جنبش او پردہا — صورتش کرم است و معنی اژدہا

یعنی اُسکی جنبش نے پردوں کو پھاڑ دیا ہے۔ اُسکی صورت تو کیڑے کی ہے اور حقیقۃً ایک اژدہا ہے مطلب یہ کہ اس دنیا کی اور تمھاری اسمیں انہماک کی اور غفلت عن الحق کی اور اہل اللہ کے اس سے الگ رہنے کی اور تعلق مع الحق کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک سیب ہے جو کسی باغبان کے لگائے ہوئے درخت میں سے گرا ہے اسمیں دو کیڑے ہیں ایک کی تو یہ حالت ہو کہ اسکو باہر کی کچھ خبر نہیں بس وہ اپنا عالم اور مقصود سب کچھ اُس سیب ہی کو سمجھے ہوئے ہے۔ نہ اُسے یہ خبر کہ یہ سیب کسی درخت پر سے گرا ہے تو وہ درخت کیسا ہے اور نہ اُسے یہ خبر کہ وہ درخت کسی کے لگانے سے لگا ہے تو اُس لگانے والے کی تلاش ضروری ہے غرض اُسکو سوائے سیب کے اور کسی کی خبر نہیں اور دوسرا کیڑا بھی صورت میں تو ویسا ہی اور اُسی کا ہمجنس ہے مگر حالت اُسکی یہ ہے کہ وہ درخت سیب سے واقف ہے اور اُس درخت کے لگانے والے سے بھی اپنی استعداد کے موافق واقف ہے۔ اور اسی وجہ سے اُسکی یہ حالت ہے کہ اگر وہ ذرا سی جنبش بھی کرے تو سیب وغیرہ سب ہلاک ہو جاویں۔ اور اسکی جنبش کی برداشت نہ کر سکیں۔ یہ قوت اُسمیں درخت سیب

اور اسکے لگانے والے کی واقفیت ہی کی بدولت پیدا ہوئی ہے۔ بس اسی طرح یہ دنیا ایک سیب ہے
اور اسکا درخت قدرت حق ہے اور اُس درخت کا لگانے والا یعنی قدرت کا جاری کرنے والا
حق تعالیٰ جل شانہ ہے اور اہل دنیا اور اہل اللہ دو کیڑوں کے مانند ہیں تو اہل دنیا نے تو صرف اس
سیب ہی کو ماویٰ وملجا قرار دے رکھا ہے اور اسی میں منہمک ہو کر اصل کو یعنی حق تعالیٰ کو چھوڑ
رکھا ہے جسکا کہ یہ سارا کرشمہ ہے ورنہ اگر وہ درخت نہ لگاتا یعنی قدرت کو ظاہر نہ فرماتے تو یہ سیب
ہی کہاں سے لگتا۔ غرض وہ تو اصل سے غافل اور فرع میں لگا ہوا ہے اور حضرات اہل اللہ رہتے تو
ہیں اسی دنیا میں مگر انھوں نے قدرت حق کا بھی مشاہدہ کیا ہے اور بقدر اپنی طاقت کے معرفت
حق بھی حاصل کی ہے۔ اُسکی بدولت آج اُن کی یہ شان ہے کہ تمام زمین وآسمان اُنکی ایک حرکت
کی تاب نہیں لاسکتے۔ بلکہ خود ان زمین وآسمان کا وجود ہی اُنکی بدولت ہے۔ تو انھوں نے اصل کو
لیا ہے اور فروع کو ترک کیا۔ اُسکی برکت دیکھ لو یہ ہے کہ وہ ان فروع کو ترک کرتے ہیں اور یہ اور ان کو
لپٹی جاتی ہیں۔ اور جو خود ان فروع ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں اُنکو اصل تو بوجہ اُنکی غفلت کے
ملتی ہی نہیں مگر جنکی طرف توجہ کی تھی یعنی فروع وہ بھی ڈھنگ سے نہیں ملتیں۔ بس لا الیٰ ھٰؤلاء
ولا الیٰ ھٰؤلاء کے مصداق ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر یہ غلام بادشاہ کو راضی کر لیتا تو ساری
چیزیں اسکی تھیں کہ اُسکی رضا ہی اصل تھی مگر یہ فروع میں لگ گیا اور روٹی کے کم ہو جانے کے غم
میں مرنے لگا تو اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عتاب شاہی سے بھی رہائی نہ ہوئی اور جسکی طلب میں لگا تھا وہ
مقصود بھی پورا نہ ہوا لہذا چاہیئے کہ فروع کو ترک کر کے اور انہماک دنیا سے الگ ہو کر متوجہ بحق ہو
اور حق تعالیٰ کو راضی کر دو کہ پھر سب کچھ تمھارا ہے چونکہ بیان کیا تھا کہ دولوں کرم صورۃً ایک سے
ہوتے ہیں مگر معنیً ایک اُن میں سے اژدہا ہوتا ہے جس سے مقصود یہ تھا کہ حضرات اہل اللہ ظاہر
صورت تو مثل دیگر انسان کے ہوتے ہیں مگر قوت روحانی کے اعتبار سے ان سے بڑے ہوئے
ہوتے ہیں آگے اسی کو ایک اور مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ۔

آتشے کاول ز آہن می جہد　　　او قدم بس سست بیروں می نہد

یعنی جو آگ کہ اول لوہے سے نکلتی ہے وہ بہت ہی سست قدم باہر رکھتی ہے۔

دایہ اش پنبہ است اول لیک اخیر　　　میرساند شعلہا را تا اثیر

یعنی اسکی مربی اول تو روئی ہوتی ہے مگر آخر میں وہ (اپنے) شعلونکو آسمان تک پہونچاتی ہے
مطلب یہ کہ دیکھو کہ جب چقماق کو لوہے پر مارتے ہیں تو اس سے کسقدر ضعیف اور ذراسی چنگاری
نکلتی ہے اس چنگاری کو روئی میں رکھ لیتے ہیں تو وہ روئی اسکو بڑہاتی ہے اور پالتی ہے یہانتک
کہ پھر اسی ذراسی چنگاری کے شعلے آسمان تک پہونچتے ہیں اور کسی کے روکے رک نہیں سکتے
بس اسی طرح سمجھو کہ۔

مرد اول بستۂ خواب و خور است　　آخر الامر از ملائک برتر است

یعنی انسان اول خواب وخور کا مقید ہوتا ہے اور آخر میں فرشتوں سے بھی بڑہجاتا ہے۔

در پناہ پنبہ و کبریتہا　　شعلۂ و نورش برآید تا سہا

یعنی روئی کی اور گندہک کی پناہ میں اسکا شعلہ اور نور سہا تک پہونچ جاتا ہے۔

عالم تاریک روشن میکند　　کندۂ آہن بسوزن میکند

یعنی عالم تاریک کو روشن کر دیتا ہے اور ایک لوہے کے ستون کو سوئی سے کھودتا ہے مطلب
یہ کہ جسطرح وہ آگ روئی اور گندہک کی پرورش کرنے سے بڑہگئی تھی اسی طرح انسان اول مقید
خواب وخور کا ہوتا ہے اور دنیا ہی میں لگا ہوا ہوتا ہے مگر شیوخ اسکی تربیت کرتے ہیں اور
اسکی روح کی پرورش کرتے ہیں اسکے بعد اسکی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ وہی شخص قرب حق میں ملائک
سے بھی بڑہجاتا ہے اور ایک عالم اسکے نور سے روشن ہوتا ہے اور انسان ہوکر جو کہ ایک بہت ہی
ضعیف شے ہے بڑے بڑے کام کرتا ہے جیسا کہ کوئی لوہے کے ستون میں سوئی سے سوراخ کرے
تو بالکل خلاف قیاس بات ہے اسی طرح وہ بھی ایسے ایسے کام کرتا ہے کہ گمان میں بھی نہیں آسکتے
جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اسکا مصداق ہونا ظاہر ہے اور حضرات اولیاء اللہ سے بھی ایسے
ایسے کام ہونا مشاہد ہیں۔ غرض کہ تربیت کے بعد حضرت انسان ہی جو بالکل ضعیف اور کمزور
تھے ایسے ہوجاتے ہیں کہ پھر انکا ہم پلہ کوئی نہیں رہتا۔ حالانکہ انکا جسم بالکل اور لوگوں کی طرح
ہوتا ہے صرف انکو روحانی ترقی ہوتی ہے کہ اسکی برکت سے آج ان میں اسقدر قوت آجاتی ہے۔
اسی لئے آگے روح اور جسم میں جو نسبت ہے اسکو بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ جسم کی تربیت کے انہماک
سے الگ ہوکر روح کی تربیت کریں فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ آتش تیز ہم جسمانی است　　نے ز روح است و نہ از روحانی است

یعنی اگرچہ تیز آگ بھی جسمانی ہے نہ روح سے ہے اور نہ روحانی سے ہے۔ (مگر)۔

جسم را نبود ازاں عز بہرۂ　　جسم پیش بحر جاں چوں قطرۂ

یعنی جسم کو اس عزت سے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اور جسم بحر جان کے آگے ایک قطرہ کی طرح ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو آگ بھی ایک جسم ہی ہے کوئی روح وغیرہ نہیں ہے مگر اسکو جو عروج اور قوت اور عزت حاصل ہے جسم انسانی کو اتنی بھی قوت نہیں ہے بالکل ہی کمزور واقع ہوا ہے اور روح کے مقابلہ میں بالکل ایسا ہے جیسا کہ دریا کے آگے قطرہ پھر اس جسم کی پرورش میں لگنا اور روح کو ویسے ہی چھوڑ دینا کسقدر سخت غلطی ہے حالانکہ۔

جسم از جان روزافزوں می شود　　چوں رود جان جسم بین چوں می شود

یعنی جسم جان ہی سے بڑھتا ہے اور جب جان جاتی رہتی ہے تو جسم کو دیکھلو کہ کس طرح ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جسم کی ترقی روح ہی سے ہے اگر روح نہو تو جسم بھی بیکار محض ہے مگر تم ہو کہ اس اصل شے ہی کو چھوڑے ہوئے ہو اور اس جسم کی آرایش و زینت میں لگ رہے ہو سخت افسوس ہے اور ضعف جسم ہی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حد جسمت یکدو گز خود بیش نیست　　جان تو تا آسمان جولان کنیست

یعنی تمھارے جسم کی مقدار ایک دو گز سے زیادہ نہیں ہے اور تمھاری جان آسمان تک جولانی کرنے والی ہے۔

تا بہ بغداد و سمرقند اے ہمام　　روح را اندر تصور نیم گام

یعنی اجی حضرت بغداد اور سمرقند تک روح کیلئے تصور میں آدھا قدم ہے مطلب یہ کہ دیکھو تمھارا جسم تو زیادہ سے زیادہ ایک دو گز کا ہوتا ہے۔ تو زمین سے ایک دو گز تک اسکا عروج ہے بخلاف روح کے کہ اسکا عروج آسمانوں تک ہے دیکھو تصور اشیاء بذریعہ روح کے ہی ہوتا ہے پھر لاکھوں کوس کا تصور ایک ذراسی دیر میں ہو جاتا ہے اور روح ایک آدھے قدم میں لاکھوں کوس پہونچ جاتی ہے اور جسم کو ہرگز یہ قدرت نہیں اور سنو کہ۔

دو درم سنگ است پیہ چشم تاں　　نور روشن تا عنان آسمان

یعنی تمھاری آنکھ کی چربی دو درم کی برابر وزنی ہوگی اور اسکی روح کا نور آسمان تک ہے۔

نور بے این چشم می بیند بخواب چشم بے این نور چہ بود جز خراب

یعنی نور تو بے اس آنکھ کے بھی خواب میں دیکھ لیتا ہے اور آنکھ بے اس نور کے سوائے خراب کے اور کیا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو تمھاری آنکھ کی چربی جو کہ جسم ہے چار پانچ ماشہ کی ہوگی مگر اسکی روح کا نور دیکھو کہاں کہاں تک پہونچ رہا ہے تو وہ جسم ضعیف اور روح قوی ہوئی۔ پھر اگر لو کہ اچھا وہ نور روح کسی درجہ میں اس جسم کا محتاج ہے اسکو بھی دیکھلو کہ خواب میں وہ نور روح بے اس آنکھ کے اشیاء کا ادراک کرتا ہے تو جس درجہ میں یہ اس نور روح کی محتاج ہوئی وہ نور اسکا محتاج نہیں ہے۔ اور اگر یہ نور نہو تو آنکھ بیکار محض ہے اور سنو کہ۔

جان ز ریش و سبلت تن فارغ است لیک تن بیجان بود مردار و پست

یعنی جان بدن کی ڈاڑھی مونچھ سے فارغ ہے۔ لیکن تن بیجان کے مردار اور ذلیل ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جان کو بدن کی ضرورت نہیں اور جو چیزیں بدن کو زینت دینے والی ہیں ان کی روح کو ضرورت نہیں ہے مگر جان نہو تو بدن بالکل بیکار ہوتا ہے اور ساری زینت و آرایش کی چیزیں موجود مگر ایک روح کے نہونے سے وہ ساری چیزیں بیکار ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جسم و روح میں جسم فرع ہے اور روح اصل ہے

بار نامہ روح حیوانی است این پیشتر رو روح انسانی ببین

یعنی یہ تو روح حیوانی کا ساز و سامان ہے آگے چلکر روح انسانی کو دیکھو۔ مطلب یہ کہ یہ جسقدر باتیں ہم نے بیان کی ہیں یہ تو ساری روح حیوانی اور روح طبی کی ہیں کہ اسکو جسم پر اس طرح فوقیت ہے پھر آگے چلکر ذرا روح انسانی کو دیکھو اور اسکی تربیت کسی شیخ کامل سے کراؤ تاکہ تم انسان کامل بنجاؤ اس جسم کی آرایش و آسایش کو چھوڑو۔ اور روح انسانی کی تربیت کرو۔

بگذر از انسان و ہم از قال و قیل تا لب دریائے جان جبرئیل

یعنی انسان سے اور قیل و قال سے بھی گذر کر دریائے جان جبرئیل علیہ السلام کے کنارہ تک پہونچو۔

بعد از انت جان احمد لب گزد جبرئیل از بیم تو واپس خزد

یعنی اسکے بعد احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جان تمکو بوسہ دیگی اور جبرئیل علیہ السلام تمھارے خوف سے واپس ہٹیں گے۔

گوید ار آیم بقدر یک کماں — من بسوئے تو بسوزم در زماں

یعنی جبرئیل علیہ السلام کہیں گے کہ اگر میں بقدر ایک کمان کے تمہاری طرف آوں تو فوراً جل جاؤں مطلب یہ کہ پھر روح انسانی کی تربیت کر کے تم ترقی کرو اور مرتبۂ جبرئیل تک پہونچو اسوقت تمکو روح پر فتوح حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت کرے گی اور اس تربیت سے تمہارا مرتبہ اس درجہ کو پہونچ جاویگا۔ یہانتک ملائکہ کی بھی رسائی نہیں جسطرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان تھے کہ انما انا بشر مثلکم ارشاد حق ہے مگر چونکہ آپنے ترقی فرمائی تھی اسلئے آپکو ایک درجہ ایسا ملا کہ جہاں جبرئیل علیہ السلام کو بھی یہی کہتے بنا ؎ اگر یک سر موئے برتر پرم + فروغ تجلی بسوزد پرم + تو اسی طرح تمہارا مرتبہ بھی ملائکہ سے بڑھ جاویگا اور تم کو بھی قرب حق نصیب ہوگا غرض کہ ان فروع کو ترک کرو اور اصول کو حاصل کرو آگے پھر اسی غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

ایں بیاباں خود ندارد پاؤ سر — بے جواب نامہ خستہ است آں پسر

یعنی یہ بیاباں تو نہ ابتدا رکھتا ہے نہ انتہا اور بے جواب خط کے وہ صاحبزادے صاحب ملول ہو رہے ہیں مطلب یہ کہ میاں ارواح اور انکی تربیت کا حال بیان کرنے کی تو کہیں انتہا نہیں۔ اور وہ غلام بادشاہ کے پاس سے جواب نہ آنیکی وجہ سے گھبرا رہا ہے لہذا اس مضموں کو یہیں تک بیان کر کے کہ بقدر کافی بیان ہوگیا ہے اُس غلام کا قصہ بیان کرو۔

شرح حبیبی

غلام کا بادشاہ کی طرف سے جواب پرچہ نہ جانے کی وجہ سے پریشان ہونا

چوں جواب نامہ نامد خیرہ گشت — وز غم او آب صافی تیرہ گشت

بے قرارش ماند وے خواب از حنق | روز و شب بُد در تفکر سرنگوں
کای عجب چونم نداد آں شہ جواب | یا خیانت کرد رقعہ بر زتاب
رقعہ پنہاں کرد و ننمود او بشاہ | کو منافق بود و آبے زیر کاہ
رقعۂ دیگر نویسم ز آزموں | دیگرے جویم رسولے ذوفنوں
بر امیر و مطبخی و نامہ بر | عیب بنہادہ ز جہل آں بیخبر
ہیچ گرد خود نمی گردد کہ من | کژ روی کردم چو اندر دین شمن

جب اُسکے خط کا جواب نہ آیا تو متحیر ہوا اور غم سے اُسکی آنکھوں کے سامنے یہ اندھیرا چھایا کہ صاف پانی مکدر معلوم ہونے لگا۔ نہ اسکو چین تھا نہ نیند اور جنون سے رات دن متفکر رہتا تھا اور سوچتا تھا کہ تعجب ہے بادشاہ نے جواب کیوں نہ دیا پھر کہتا تھا کہ شاید غصہ سے نامہ بر نے خیانت کی ہو۔ اور رقعہ کو چھپا لیا ہو۔ اور بادشاہ کو نہ دکھلایا ہو اسوجہ سے کہ وہ منافق اور مکار تھا۔ اچھا اب امتحان کیلئے دوسرا رقعہ لکھتا ہوں اور کوئی اور ہوشیار نامہ بر تلاش کرتا ہوں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس احمق کو دیکھو کہ اپنی حماقت سے کبھی بادشاہ پر عیب لگاتا ہے کبھی داروغہ مطبخ پر کبھی نامہ بر اور اپنی خبر نہیں لیتا اور نہیں سمجھتا کہ میں نے دنیاوی لحاظ سے ٹیڑھی چال چلی تھی جیسے بت پرست دین کے اعتبار سے ٹیڑھی چال چلتا ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی کا نتیجہ ہے اب ہم اس موقعہ پر تمہیں ایک عبرت خیز قصہ سناتے ہیں۔

شرح شبیری

غلام کا بادشاہ کی طرف سے جواب پرچہ نہ جانیکی وجہ سے پریشان ہونا

چوں جواب نامہ نامد خیرہ گشت | وز غم او آب صافی تیرہ گشت

یعنی جب پرچہ کا جواب نہ آیا پریشان ہوا اور اسکے غم کیوجہ سے آب صافی سیاہ ہو گیا مطلب یہ کہ اُسکے جواب کی فکر میں اُسکا عیش مکدر ہو گیا۔

نے قرارش ماند نے خواب از جنوں   روز و شب بُد در تفکر سرنگوں

یعنی پگلے پن سے نہ اُسکو چین رہی اور نہ نیند رہی رات دن سوچ میں سرنگوں رہتا تھا (اور وہ سوچ یہ تھی کہ)۔

کائی عجب چونم نداد آں شہ جواب   یا خیانت کرد رقعہ بر زتاب

یعنی کہ تعجب ہے کہ بادشاہ نے جواب نہیں دیا (پھر خیال ہوتا کہ) یا نامہ بر نے حسد کیوجہ سے خیانت کی

رقعہ پنہاں کرد و ننمود او بشاہ   کو منافق بود و آبے زیر کاہ

یعنی اُس نامہ بر نے پرچہ چھپا لیا ہو اور بادشاہ کی حضور میں پیش نہ کیا ہو کیونکہ وہ منافق اور چاہ خسپوش (مکار) تھا یعنی کبھی بادشاہ کے جواب نہ دینے پر تعجب ہوتا پھر خیال ہوتا کہ بادشاہ تو ضرور جواب دیتا اس پرچہ لیجانے والے نے معلوم ہوتا ہے پرچہ ہی پیش نہیں کیا۔ پھر یہ خیال کرتا کہ

رقعۂ دیگر نویسم ز آزموں   دیگرے جویم رسولے ذوفنوں

یعنی امتحاناً ایک دوسرا پرچہ لکھوں اور ایک دوسرا ہوشیار قاصد تلاش کروں۔ مطلب یہ کہ پھر یوں سوچتا کہ اچھا میں دوسرا پرچہ لکھکر ایک اور قاصد کے ہاتھ بھیجوں تو معلوم ہو جائیگا کہ اگر اب جواب دیدیا تو اُس نامہ بر نے پرچہ ہی نہ پہونچایا تھا اور اگر اب بھی جواب نہ دیا تو معلوم ہوگا کہ بادشاہ کو جواب دینا ہی منظور نہیں ہے امتحان ہی ہو جائیگا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بر امیر و مطبخی نامہ بر   عیب بنہادہ ز جہل آں بیخبر

یعنی بادشاہ پر اور داروغہ مطبخ پر اور قاصد پر وہ بیخبر جہالت سے عیب لگا رہا تھا۔

ہیچ گرد خود نمی گردد کہ من   کژروی کردم چو اندر دیں شمن

یعنی اپنے گرد بالکل نہیں پھرتا کہ میں نے ہی کجروی کی ہے جیسے کہ دین میں بت پرست (کجروی کرتا ہے) مطلب یہ کہ وہ سب کو الزام لگا رہا تھا کہ داروغہ نے خود بے حکم شاہی روٹی کم کر دی اور نامہ بر نے پرچہ نہیں پہونچایا اور بادشاہ نے جواب نہیں دیا۔ غرض کہ ساری دنیا ملزم تھی مگر کمبخت خود اپنے اندر کی حالت کو نہ دیکھتا تھا کہ میں ہی کجی کر رہا ہوں۔ اور یہ ساری میری ہی خطا ہے

ایک عجیب قصہ بیان فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہوا جو تخت سلیمانی کو اڑایا کرتی تھی
ٹیڑھی چلی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُسکو کجروی سے روکا تو اُس نے جواب دیا کہ حضرت آپ بھی
کجروی نکریں اگر آپ کجروی کرتے ہیں تو مجھسے کیوں شکایت کرتے ہیں پھر تاج ٹیڑھا ہوگیا۔ اُسکو بار بار
سیدھا کرتے تھے مگر وہ ٹیڑھا ہی ہو جاتا تھا اُس سے جو کہا تو اس نے بھی وہی جواب دیا جو ہوا نے
دیا تھا اسپر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے باطن کی طرف نگاہ کی تو ایک ایسا خیال دل میں پایا
جو انکے شایاں شان نہ تھا اگرچہ واقعہ میں خدانخواستہ گناہ نہ تھا مگر حسنات الابرار سیئات
المقربین کا مصداق تھا۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس وسوسہ کو قلب سے نکال دیا فوراً
سب چیزیں درست ہوگئیں تو مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود اپنے اندر
نظر کی تو اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ اپنی اندرونی حالت پر خبر پاکر اُسکو دفع کر دیا۔ اور سب کام بن گیا اسی طرح
اُس غلام کو چاہیئے تھا بلکہ ہر انسان کو چاہیئے کہ جب کوئی آفت آوے اپنے اندر نظر کرکے اپنی حالت
کو دریافت کرلے حق تعالیٰ اُس مصیبت کو بھی اکثر دور فرما دیتے ہیں مولانا ہی ایک دوسری جگہ
اس مضمون کو فرماتے ہیں کہ ؎ غم چو بینی زود استغفار کن ؛ غم بامر خالق آمد کار کن ۔ غرضکہ جب
کوئی امر کسی کی طرف سے پیش آوے انسان خود اپنی حالت میں غور کرکے اپنی باطنی حالت کو درست
کرلے سو انشاء اللہ وہ مصیبت بھی جاتی رہے گی اور اگر بظاہر وہ مصیبت نہ بھی ٹلے تو یاد رکھو کہ اس
طریقہ سے مصیبت مصیبت نہ رہے گی کیونکہ مصیبت جو مصیبت ہوتی ہے وہ قلب کی پریشانی کی
وجہ سے ہوتی ہے اور اگر مصیبت میں بھی قلب مطمئن رہے تو وہ مصیبت ہی نہیں رہتی بلکہ اسمیں بھی
ایک قسم کی راحت ہوتی ہے۔ اور یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر مصیبت کے وقت کسی
وجہ سے قلب کو اطمینان ہو تو وہ مصیبت مصیبت ہی نہیں رہتی اسکی ایسی مثال سمجھو کہ ایک
شخص کے زخم میں جراح شفیق نشتر لگا رہا ہے اور اس مریض کو اطمینان ہے کہ اسکے بعد مجھے صحت حاصل
ہو جاوے گی تو طبعی کلفت کی تو اور بات ہے اسکا تو انکار نہیں اور نہ وہ مصیبت ہے باقی اس اطمینان
کی وجہ سے وہ نشتر لگانا اس مریض کیلئے مصیبت نہوگا بلکہ سبب راحت ہے کیونکہ اسکو ایک اطمینان
حاصل ہے بخلاف اُس شخص کے کہ وہ زخمی ہے اور اسکے پھوڑے میں ایک دشمن نے اگر چھری ماردی
تو اسوقت بھی وہ زخم کٹ گیا اور پہلے شخص کا زخم بھی کٹا ہی تھا مگر اسکو اُس کٹنے سے فرحت و راحت

ہوئی تھی اور یہ دوسرا اس کششے سے مصیبت میں مبتلا ہو گیا بس فرق صرف اطمینان اور غیر اطمینان کا ہے خوب سمجھ لو لہذا جب کوئی مصیبت آوے پس متوجہ بحق ہو جاؤ کہ اسکے بعد وہ مصیبت انشاء اللہ مبدل بہ راحت ہو جاویگی اسی لئے کہتے ہیں کہ اہل اللہ پر مصیبت نہیں آتی اسکے یہی معنی ہیں کہ ان پر جو جسمانی تکالیف اور ظاہری مصائب آتے ہیں ان میں چونکہ ان کو تعلق حق کی وجہ سے اطمینان ہوتا ہے لہذا ان کیلئے وہ مصیبت نہیں ہوتی ہاں طبعی اثر ضرور ہوتا ہے سو وہ مصیبت نہیں ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے مضمون دور چلا گیا مقصود یہ ہے کہ جب کوئی ایذا کسی سے دیکھو یا کوئی مصیبت آوے پس متوجہ بحق ہو جاؤ اور اپنی کوتاہیوں سے استغفار کرو اور اُنکا تدارک کردو کہ پھر انشاء اللہ اس سے چھوٹ جاؤ گے جیسا کہ اس حکایت سلیمانی سے معلوم ہوتا ہے اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ہوا کا تخت سلیمانی پر کج چلنا بسبب حضرت سلیمان علیہ السلام کی لغزش کے

باد بر تخت سلیمان رفت کژ
پس سلیمان گفت باد اکژ مغژ

باد ہم گفت اے سلیمان کژ مرو
ور روے کژ از کژم خشمیں مشو

ایں ترازو بہر ایں بنہاد حق
تا رود انصاف ما را در سبق

از ترازو کم کنی من کم کنم
تا تو با من روشنی من روشنم

ہمچنیں تاج سلیمان میل کرد
روز روشن را بر آں چوں لیل کرد

گفت تاجا کژ مشو بر فرق من
آفتابا گم مشو از شرق من

راست میکرد او بدست آں تاج را
باز کج می شد برو تاج اے فتی

ہشت بارش راست کرد و گشت کژ
گفت تاجا چیست آخر کج مغژ

گفت اگر صد رہ کنی تو راست من
کژ شوم چوں کژ روی اے مؤتمن

پس سلیمان اندرونہ راست کرد — دل بران شہوت کہ بودش گشت سرد
بعد ازاں تاجش ہماندم راست شد — آنچنانکہ تاج را می خواست شد
بعد ازانش کژ ہمی کرد او بقصد — تاج او می گشت تارک جو بقصد
ہشت کرت کژ نہاد آں مہترش — راست می شد تاج بر فرق سرش
شاہ گفت اے تاج چونست ایں زماں — کژ کنم تو راست گردی زامتحاں
تاج ناطق گشت کاے شہ ناز کن — چوں فشاندے پر ز گل پرواز کن
نیست دستورے کزیں من بگذرم — پردہائے غیب ایں برہم درم
بر دہانم نہ تو دست خود ببند — مر دہانم راز گفت ناپسند
پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد — بر کسے تہمت منہ بر خویش گرد
ظن مبر بر دیگرے اے دوست کام — آں مکن کہ می سگالید آں غلام
گاہ جنگش با رسول و مطبخی — گاہ خشمش با شہنشاہ سخی
ہمچو فرعونے کہ موسیٰ ہشتہ بود — طفلگان خلق را سر می برود
آں عدو در خانۂ آں کور دل — او شدہ اطفال را گردن گسل
تو ہم از بیروں بدی با دیگراں — و اندروں خوش گشتہ با نفس گراں
خود عدوت اوست قندش می دہی — وز بروں تہمت بہر کس می نہی
ہمچو فرعونے تو کور و کور دل — با عدو خوش بے گناہاں را اذل
چند فرعونا کشی بے جرم را — می نوازی مر تن پر غرم را
عقل او بر عقل شاہاں می فزود — حکم حق بے عقل و کورش کردہ بود

مہر حق بر چشم و بر گوش خرد	گر فلاطونست حیوانش کند
حکم حق بر لوح می آید پدید	آنچنانکہ حکم غیبی بایزید

ایکمرتبہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ٹیڑہی چلی تو آپنے فرمایا کہ اے ہوا ٹیڑہی مت چل ہوا نے جواب دیا کہ اے سلیمان آپ بھی اپنی روش کو ٹھیک رکھئے اور اگر آپ اپنی روش ٹھیک نکریں تو میری کجروی کی بھی شکایت نکریں - اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے یہ میزان مجازات اسلئے قائم کی ہے تاکہ ہمارے لئے انصاف جاری رہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم اس ترازو میں کمی کروگے تو جسقدر تم کمی کروگے اتنی ہی ہم کمی کردیں گے - اور جب تک تم ہم سے صاف رہوگے ہم تم سے صاف رہیں گے - علی ہذا ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام کا تاج ٹیڑہا ہوگیا اور غم نے روز روشن کو انکے لئے رات کردیا - انھوں نے حکم دیا کہ اے تاج تو میرے سر پر ٹیڑہا مت ہوا ور اے آفتاب راستی تو میری مشرق سے غروب مت ہو یہ کہکر انھوں نے اسے سیدہا کیا مگر وہ پھر ٹیڑہا ہوگیا - پس یہ تو اسے سیدہا کرتے تھے اور وہ ٹیڑہا ہوجاتا تھا - غرض کہ آٹھ مرتبہ انھوں نے اسے سیدہا کیا مگر وہ ہر مرتبہ ٹیڑہا ہوگیا - بالآخر انھوں نے پھر کہا کہ آخر کیا بات ہے جو تو ٹیڑہا ہوجاتا ہے - اب ٹیڑہا ہونا تاج نے جواب دیا کہ حضور والا جبکہ آپ ٹیڑہے چلیں گے تو اگر آپ سو مرتبہ سیدہا کریں گے تو میں ٹیڑہا ہوجاؤنگا - اسپر سلیمان علیہ السلام نے اپنے باطن کو درست کیا - اور جو فی نفسہ مباح مگر انکی شان کے خلاف خواہش انکو تھی اس سے انکا دل سرد ہوگیا - اسکے بعد فوراً ہی تاج سیدہا ہوگیا - اور جس طرح چاہتے تھے اس طرح ہوگیا - اسکے بعد اسکی یہ حالت تھی کہ وہ بقصد اسے ٹیڑہا کرتے تھے مگر وہ سیدہا ہی ہوجاتا تھا - غرضکہ آٹھ مرتبہ اسے ٹیڑہا کیا مگر ہر مرتبہ وہ انکے سر پر سیدہا ہوگیا - سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے تاج کیا بات ہے کہ میں امتحاناً تجھے ٹیڑہا کرتا ہوں اور تو سیدہا ہوجاتا ہے تاج نے کہا کہ اسوقت حضور والا کو ناز کا حق حاصل ہے آپ جسقدر چاہیں ناز کریں - اور جبکہ آپ اپنے روحانی پردوں سے مٹی علیحدہ کرچکے ہیں تو جسطرح چاہیں اڑیں اب مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں اس سے آگے بڑہوں - اور اسرار بیان کرکے پردہائے غیب کو چاک کروں ای اللہ تو میرے منہ پر ہاتھ رکھدے اور میرے منہ کو اس گفتگو سے روکدے جو تجھے ناپسند ہو یعنی اگر میں

غلطی سے کوئی ایسی بات کہنے لگوں جو تیری مرضی کے خلاف ہو تو مجھے باز رہنے کی توفیق دے۔
اور میری اس خواہش میں مزاحمت کر۔ یہ فرما کر اب مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ جب تمہیں یہ واقعہ معلوم ہو گیا تو اب تمکو جس تکلیف سے کوئی رنج پہونچے تو اپنے ادبیر
نظر کرو۔ اور دوسروں کو الزام نہ دو۔ کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ما اصابکم من مصیبۃ
فبما کسبت ایدیکم اور دوسروں پر بدگمانی نکرو جسطرح کہ وہ غلام کرتا تھا کہ کبھی قاصد سے
لڑتا تھا کبھی داروغہ باورچیخانہ سے اور کبھی بادشاہ پر غضبناک ہوتا تھا دیکھو جس طرح کہ فرعون
نے موسیٰ علیہ السلام کو تو گھر میں چھوڑ رکھا تھا اور دوسرے بچوں کے گلے کاٹتا تھا دشمن تو اس بے بصیر
کے گھر میں موجود تھا اور دوسرے بچوں کی گردنیں توڑتا تھا۔ یوں ہی تم بھی دوسروں کی ساتھ تو بدسلوکی
کرتے ہو اور نفس سے خوش ہو جو تمہارا اصلی دشمن ہے۔ دشمن تو تمہارا وہ ہے اسے تو تم اسکے مرغوبات
عطا کرتے ہو اور باہر ہر شخص پر الزام لگاتے ہو۔ کہ اس نے میری ساتھ یہ کیا وہ کیا۔ بس تم فرعون
کی طرح اندھے اور بے بصیرت ہو کہ دشمن سے خوش ہو اور بیگناہوں کی تذلیل اور توہین کرتے ہو غرض
سے کوئی کہے کہ ظالم تو بیگناہوں کو کب تک ماریگا اور کب تک اپنے قصور وار جسم کی خاطر کریگا تو
اس بے انصافی کو چھوڑ اور جو تیرا حقیقی دشمن ہے یعنی نفس اسے مار اب مولانا فرماتے ہیں کہ فرعون جو یہ
حرکت کرتا تھا تو وہ دیوانہ نہ تھا بلکہ اسکی عقل اور بادشاہوں کی عقل سے بڑھی ہوئی تھی مگر تقدیر الٰہی نے
اُسے اندھا اور پاگل بنا رکھا تھا۔ اور اسکے دل پر مہر خدا لگی ہوئی تھی اور مہر حق کا قاعدہ ہے کہ جب
یہ آنکھوں اور کانوں اور عقل پر لگجاتی ہے تو افلاطون سے عاقل کو بھی جانور بنا دیتی ہے (اللھم
احفظنا منہ) اور حکم الٰہی ظاہر ہو کر رہتا ہے جسطرح کہ بایزید علیہ الرحمہ کا حکم غیبی ظاہر ہوا۔

شرح شبیری

ہوا کا تخت سلیمانی پر کج چلنا بسبب حضرت سلیمان علیہ السلام کی لغزش کے

لغزش سے میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ مراد ہے کہ وہ ان کے شایان شان نہ تھی کوئی معصیت
نہ تھی خوب سمجھ لو۔

باد بر تخت سلیمان رفت کژ — پس سلیمان گفت بادا کژ مغژ

یعنی ہوا تخت سلیمانی پر کج چلی تو سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے ہوا کج مت چل۔

باد ہم گفت ای سلیمان کژ مرو — ور روی کژ از کژم خشمیں مشو

یعنی ہوا نے بھی کہا کہ اے سلیمان (علیک السلام) آپ بھی کج نہ چلئے اور اگر آپ کج چلتے ہیں تو میری کجی سے خفا نہ ہوجئے۔ مطلب یہ کہ ہوا ایک مرتبہ تخت سلیمانی کو اڑاتے وقت ٹیڑھی چلنے لگی تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اری ہوا کج کیوں چلتی ہے تو ہوا نے جواب دیا کہ حضرت آپنے کیوں کجروی اختیار کر رکھی ہے۔ آپ بھی اسکو ترک کیجئے ورنہ میری کجی سے خفا کیوں ہوتے ہیں اور کہنے لگی کہ۔

ایں ترازو بہر ایں بنہاد حق — تا رود انصاف ما را در سبق

یعنی حق تعالیٰ نے یہ ترازو اسی لئے رکھی ہے تاکہ سبقت میں ہمارا انصاف چلے مطلب یہ کہ مکافات و مجازات کی جو حق تعالیٰ نے ترازو دنیا میں رکھی ہے یہ اسی لئے ہے تاکہ جو شخص جیسا کرے ویسا بھرے اور انصاف سے سب کام ہوتے رہیں۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔

از ترازو کم کنی من کم کنم — تا تو با من روشنی من روشنم

یعنی اگر تم ترازو سے کم کروگے میں بھی کم کرونگا اور جب تک تم میری ساتھ روشن ہو میں تم سے روشن ہوں مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم میرے کام کرنے میں اور میری طاعت میں کمی کروگے میں بھی تمھارے کام کرنے میں اور تمکو بدلا دینے میں کمی کرونگا۔ اسی لئے اے سلیمان علیہ السلام چونکہ آپکے قلب میں ایک ایسی بات ہے جو آپ کی شان کے لائق نہیں ہے اسلئے حق تعالیٰ نے مجھے بھی ٹیڑھا کردیا ہے۔ یہ تو ہوا کا قصہ ہوا آگے تاج کا قصہ فرماتے ہیں کہ

ہمچنیں تاج سلیماں میل کرد — روز روشن را برو چوں لیل کرد

یعنی اسی طرح تاج سلیمانی ٹیڑھا ہوگیا تو روز روشن کو ان پر رات کی طرح کردیا۔ مطلب یہ کہ ایک مرتبہ اسی طرح تاج کج ہوگیا تو اسوجہ سے انکا عیش مکدر ہوگیا اور انہیں فکر ہوئی کہ کیا بات ہے۔

گفت تاجا کژ مشو بر فرق من — آفتابا گم مشو از شرق من

یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے تاج میرے سر پر کج مت ہو اور اے آفتاب میرے مشرق سے

گم رستاہو۔ مطلب یہ کہ آپ نے تاج کو حکم دیا کہ تو میرے سر پر ٹیڑھا مت ہوا جا اور اے راستی تو مجھے گم رستا ہو سبلکہ میرے پاس رہ راستی کو آفتاب سے تشبیہ دیدی مگر یہ حالت تھی کہ۔

راست می کرد او بدست آں تاج را　　　باز کج می شد برو تاج اے فتی

یعنی آپ اُس تاج کو ہاتھ سے سیدھا فرماتے تھے مگر اے میاں وہ تاج پھر ٹیڑھا ہو جاتا تھا۔

ہشت بارش راست کرد و گشت کژ　　　گفت تاجا چیست آخر کژ مغژ

یعنی آپ نے اُسکو آٹھ مرتبہ سیدھا کیا مگر وہ ٹیڑھا ہو گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے تاج آخر بات کیا ہے کج رستا ہو مطلب یہ کہ آپ بار بار اسکو سیدھا کرتے تھے مگر وہ ٹیڑھا ہی ہو جاتا تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میاں کج رستا ہو آخر تو جو کج ہوتا ہے اُسکی وجہ کیا ہے اسکو سنکر وہ تاج جواب دیتا ہے کہ۔

گفت اگر صد رہ کنی تو راست من　　　کژ شوم چوں کژ روی اے موتمن

یعنی تاج نے کہا کہ اگر تم مجھے سو مرتبہ بھی سیدھا کرو گے تو میں کج ہو جاؤنگا جبکہ آپ کج چلیں گے اے امانت دار مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ حضرت جب تک آپکی اندرونی کجی نہ جاویگی اسوقت تک اگر آپ مجھے سو مرتبہ بھی سیدھا کریں گے میں کج ہی ہو جاؤنگا یہ سُنکر حضرت سلیمان علیہ السّلام کو فکر ہوئی اور انھوں نے باطن میں غور کیا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پس سلیماں اندرونہ راست کرد　　　دل براں شہوت کہ بودش گشت سرد

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے باطنی حالت کو درست کیا تو جس خواہش پر کہ انکا دل تھا سرد ہو گیا مطلب یہ کہ اُنھوں نے اپنے باطن میں جو نظر کی تو ایک خواہش جو اُن کے خلاف شان تھی اُس کو انھوں نے درست کر لیا اور اُس سے دست بردار ہو گئے اور دل سے اُسکا خیال نکال دیا پس اُسکا یہ اثر ہوا کہ۔

بعد ازاں تاجش ہماندم راست شد　　　آنچنانکہ تاج را میخواست شد

یعنی اُسکے بعد انکا تاج فوراً سیدھا ہو گیا اور جسطرح کہ آپ تاج کو چاہتے تھے (اُسی طرح) ہو گیا۔

بعد ازانش کژ ہمی کرد او بقصد　　　تاج او مے گشت تارک جو بقصد

یعنی اُسکے بعد اُسکو آپ قصداً کج کرتے تھے (مگر) آپکا تاج سر کا متلاشی قصداً ہو جاتا تھا مطلب یہ

بعد اس وسوسہ کے نکل جانے کے پھر یہ حالت تھی کہ آپ تاج کو کج کرتے تھے۔ مگر وہ پھر سر پر سیدھا رکھا جاتا تھا اور ٹیڑھا نہ رہتا تھا۔

ہشت کرت کژ بکرد آں مہترش — راست می شد تاج بر فرق سرش

یعنی اُن حضرت نے اُسکو آٹھ ہی مرتبہ کج رکھا (مگر) تاج اُن کے سر کی مانگ پر سیدھا ہی ہو جاتا تھا مطلب یہ کہ جس طرح بار بار وہ سیدھا کر رہے تھے اور وہ ٹیڑھا ہو جاتا تھا اسی طرح آپ نے پھر اُسکو بار بار ٹیڑھا رکھکر دیکھا مگر اب وہ باوجود ٹیڑھا رکھنے کے سیدھا ہو جاتا تھا۔

شاہ گفت ای تاج چونست این زماں — کژ کنم تو راست گردی زامتحاں

یعنی حضرت نے فرمایا کہ اے تاج اسوقت کیا (بات) ہے کہ میں تو کج کرتا ہوں اور تو آزمایش کے لئے سیدھا ہوتا ہے۔

تاج ناطق گشت کای شہ ناز کن — چوں فشاندی پر ز گل پرواز کن

یعنی تاج گویا ہوا کہ حضرت اب ناز کیجئے اور جب آپ نے پروں کو مٹی سے صاف کر لیا تو پرواز کیجئے مطلب یہ کہ جب باوجود ٹیڑھا کرنے کے وہ تاج سیدھا ہو جاتا تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ میاں یہ کیا بات ہے کہ میں تو تجھے ٹیڑھا رکھ رہا ہوں اور تو اب سیدھا ہو جاتا ہے اسپر تاج حکم حق سے گویا ہوا کہ حضرت اب وہ وقت ہے کہ جسقدر آپ ناز کریں بجا ہے۔ اسلئے کہ اب وہ حالت تو جاتی رہی ہے جسکی وجہ سے یہ کجی ہمارے اندر پیدا ہوئی تھی اب تو پھر آپ کی وہی شان موجود ہے لہذا اب آپ عروج کیجئے۔ اور ترقی فرمائیے اب آپ کی وہی حالت پہلی ہو گئی ہے لہذا اب کوئی فکر کی بات نہیں ہے تو دیکھو ایک ذراسی بات جو فی نفسہ مباح تھی مگر شان نبوی کے شایاں نہ تھی اسلئے تمام چیزیں اُن سے بدل گئیں پھر جو انھوں نے اپنے اندر نگاہ کی اور اسکا تدارک کر کے متوجہ بحق ہوئے تو پھر ساری چیزیں تابع ہو گئیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب روز میرا گھوڑا سواری دینے میں سرکشی کرتا ہے یا گھر کے لوگ میرے کام میں سستی کرتے ہیں تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ ضرور مجھ سے کوئی حق تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہو پھر جو غور کرتا ہوں تو ایسا ہی ہوتا ہے جب اُس سے توبہ کر لیتا ہوں تو پھر ساری چیزیں تابع ہو جاتی ہیں لہذا چاہیئے کہ جب کوئی امر ناگوار پیش آوے فوراً اپنے نفس کی حالت کا تدارک کر کے متوجہ بحق ہو جاوے خوب سمجھ لو۔ چونکہ مولانا نے یہاں یہ فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے ایک لغزش جو انکی شان

کے مناسبت بھی ہو گئی تھی اس لئے یہ سارا قصہ ہوا مگر اس لغزش کو بتلایا نہیں کہ کیا تھی اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست دستورے کزیں من بگذرم ۔ پردہائے غیب ایں برہم درم

یعنی مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں اس سے آگے بڑھوں اور اسکے پردہائے غیب کو پھاڑوں مطلب یہ کہ آگے اس بیان کرنے کی کہ وہ کیا بات تھی مجھے اجازت نہیں ہے اسلئے کہ انبیا علیہم السلام کا واقعہ ہے اسمیں اجازت حق نہیں ہے کہ اس سے زیادہ کہا جاوے۔ لہٰذا ہم اسیقدر بتاتے ہیں آگے حق تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں کہ

بر دہانم نہ تو دست خود بہ بند ۔ مر دہانم راز گفت ناپسند

یعنی اے اللہ میرے منہ پر آپ اپنا ہاتھ رکھ لیجئے۔ اور میرے منہ کو ناپسندیدہ گفتگو سے بند کر دیجئے مطلب یہ کہ اے اللہ جو بات کہ آپ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو اگر کہیں وہ میرے منہ سے نکلنے لگے تو آپ کوئی بند تکوینی ایسا لگا دیجئے کہ میں اسکو بیان ہی نہ کر سکوں اب آگے مولانا تفریع فرماتے ہیں کہ اے مخاطب جب تمکو یہ معلوم ہو گیا کہ اکثر آفات خود ہمارے نفس کے اعمال ہی کی بدولت پیدا ہوتی ہیں اور اکثر مصائب توجہ بحق سے دفع ہو جاتے ہیں تو اب تمکو چاہئے کہ۔

پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد ۔ بر کسے تہمت منہ بر خویش گرد

یعنی پس تم کو جو غم کہ تکلیف کی وجہ سے پیش آوے تو کسی پر تہمت مت رکھو اپنے ہی اوپر پھرو۔

ظن مبر بر دیگرے اے دوستکام ۔ ان مکن کہ می سگالید آں غلام

یعنی کسی پر بدگمانی مت کرو اے طالب وہ مت کرو جو وہ غلام سوچ رہا تھا۔

گاہ جنگش با رسول و مطبخی ۔ گاہ خشمش با شہنشاہ سخی

یعنی کبھی تو اسکی لڑائی قاصد سے اور کبھی داروغہ سے اور کبھی شاہ سخی پر غصہ ہوتا تھا مطلب یہ کہ جو مصیبت بھی پیش آوے اسمیں اوروں کو الزام مت دو کہ تو نے کیا اور تیری وجہ سے ہوا بلکہ خود اپنی حالتیں غور کرو کہ ہم نے خدا کی کونسی نافرمانی کی ہے جسکی یہ سزا ملی ہے اور اس غلام کی طرح مت بنو کہ جسطرح اپنی خطا کو تو دیکھتا نہ تھا اور لوگوں پر الزام رکھتا تھا کہ اس نے یہ کیا اس نے وہ کیا حالانکہ ساری خطا خود اسی کی تھی ورنہ اگر خود اپنے اندر غور نہ کروگے اور دوسروں کو الزام دیتے رہوگے تو تمہاری مثال

فرعون جیسی ہو جاوے گی کہ اس نے اپنے گھر کے اندر کی تو خبر نہ لی کہ موسیٰ علیہ السلام کو خود ہی اپنے ہی گھر میں پال رہا ہوں اور دوسرے لوگوں پر الزام رکھتا تھا کہ یہ لوگ میرے دشمن کو پالتے ہیں او راسی وجہ سے ان پر ظلم کرتا تھا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو فرعونے کہ موسیٰ ہشتہ بود طفلگان خلق را سر مے ربود

یعنی جیسے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو تو چھوڑ رکھا تھا اور ساری دنیا کے بچوں کے سر لیتا تھا۔

آں عدو در خانۂ آں کور دل او شدہ اطفال را گردن گسل

یعنی وہ دشمن (موسیٰ علیہ السلام) تو اس کور دل کے گھر میں (موجود تھے) اور وہ (دوسرے) بچوں کی گردن توڑتا تھا۔

تو ہم از بیروں بدی با دیگراں واندروں خوش گشتہ با نفس گراں

یعنی تو بھی باہر دوسروں کی ساتھ بُرا ہے اور اندر سے نفس گراں کی ساتھ خوش ہو رہا ہے۔

خود عدوت اوست قندش میدہی وز بروں تہمت بہر کس مے نہی

یعنی تیرا دشمن خود (وہ) نفس ہی ہے تو اسکو شکر دے رہا ہے اور باہر سے ہر شخص پر تہمت رکھ رہا ہے

ہمچو فرعونے تو کور و کور دل با عدو خوش بیگناہاں را اذل

یعنی تو فرعون کی طرح اندھا اور کور دل ہے کہ دشمن کی ساتھ خوش ہے اور بیگناہوں کو ذلیل کرنیوالا ہے

مطلب یہ کہ دیکھو جیسے فرعون نے خود اپنے دشمن کو یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں پال رکھا تھا اور انکی پرورش کر رہا تھا اور دوسرے لوگوں کے بچونکو قتل کرتا تھا اسی طرح اے طالب تیری حالت ہے کہ تونے اپنے نفس کو تو خوب کھلا پلا کر پھلا رکھا ہے اور اسکو خوب پال رہا ہے اسکی حرکتوں پر اسکو بالکل بھی سرزنش نہیں کرتا بلکہ دوسروں پر الزام لگاتا ہے کہ تونے یہ کیا اور تونے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا حالانکہ جسقدر نقصانات ہیں وہ سارے تیرے نفس سے تجھے پہونچ رہے ہیں اور اس حالت میں تو بالکل فرعون کی طرح ہے آگے فرعون کو خطاب کر کے سالک کو سناتے ہیں کہ۔

چند فرعونا کشی بے جرم را می نوازی ایں تن پر جرم را

یعنی اے فرعون بیجرموں کو کب تک قتل کریگا اور اس تن کو جو تاوانوں سے بھرا ہوا ہے کب تک نوازیگا

مطلب یہ کہ میاں کب تک اوروں کو الزام دیتے رہوگے اور اس نفس کو جسکے ذمہ لاکھوں تاوان ہیں اور

سیکڑوں الزام اسپر عائد ہیں کب تک بغل میں لئے پرورش کرتے رہوگے چونکہ یہاں اس حالت کو حالت فرعون سے تشبیہ دی تھی اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

عقل او بر عقل شاہان می فزود　　　حکم حق بے عقل و کورش کردہ بود

یعنی اسکی عقل بادشاہوں کی عقل سے (بھی) زائد تھی (لیکن) حکم حق نے اسکو بے عقل و اندھا کر رکھا تھا۔

مُہرِ حق بر چشم و بر گوش و خرد　　　گر فلاطونست حیوانش کند

یعنی حق تعالیٰ کی مہر آنکھ پر اور کان پر اور عقل پر۔ اگر افلاطون ہو تو اسکو حیوان کر دیتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو فرعون جو اسقدر عاقل تھا کہ کوئی دوسرا اسکے مقابل کا عاقل نہ تھا تمام شاہان وقت سے زیادہ اسکو عقل تھی مگر اس معاملہ میں آکر ایسا بے عقل ہو گیا تھا کہ اپنے دشمن کو خود پال رہا ہے اور خبر نہیں۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے اسکے دل پر مُہر فرمادی تھی کہ جسکی وجہ سے اُسے اچھے بُرے کی بالکل بھی تمیز نہ رہی تھی اور بالکل اندھا ہو گیا تھا اور وہ تو وہ حق تعالیٰ تو جسکے قلب پر مہر فرمادیں افلاطون بھی ہو تو جانور کی طرح بیعقل اور ناسمجھ ہو جاتا ہے اللھم احفظنا ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب غرضکہ تم کو چاہیئے کہ اوروں پر الزام نہ رکھو بلکہ خود اپنے نفس کی حالت کا تدارک کرو۔

حکم حق بر لوح مے آید پدید　　　آنچنانکہ حکم غیبی بایزید

یعنی حق تعالیٰ کا حکم لوح پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت بایزید رحؒ کا حکم غیب مطلب یہ کہ جس طرح کہ حق تعالیٰ نے ایک اپنا حکم حضرت بایزید رحؒ کی زبانی ظاہر فرمایا اور وہ اُسی طرح ہوا جس طرح کہ انھوں نے فرمایا تھا سر مو فرق نہ ہوا اسی طرح حق تعالیٰ کے تمام احکام بالکل صاف طور پر اور پورے پورے ظاہر ہوتے ہیں اور اسی لیۓ فرعون بھی موسیٰ علیہ السلام کو نہ پہچان سکا کیونکہ حکم حق یہی تھا کہ وہ نہ پہچان سکے آگے حضرت بایزید رحؒ اور حضرت ابوالحسن رحؒ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

حضرت ابوالحسن رحؒ کا حضرت بایزید رحؒ کی پیشین گوئی کو سننا

آنچناں آمد کہ او فرمودہ بود / بوالحسن از مردماں آں را شنود
کہ حسن باشد مُرید و امتم / درس گیرد ہر صباح از تربتم
ہر صباحے آید و خواند سبق / بر سر خاکم شود پیرے بحق
گفت من ہم نیز خوابش دیدہ ام / وز رواں شیخ ایں بشنیدہ ام
ہر صباحے تیز رفتے بے فتور / بر سر گورش نشستے با حضور
ہر صباحے رو نہادے سوئے گور / ایستادے تا ضحے اندر حضور
تا مثال شیخ پیشش آمدے / یا کہ بے گفتے شکالش حل شدے
تا یکے روزے بیامد با سعود / گورہا را برف نو پوشیدہ بود
توئے بر تو برفہا ہمچوں علم / قبہ قبہ دید و شد جانش بغم
بانگش آمد از حظیرہ شیخ حے / ہا انا ادعوک کے تسعے الے
ہیں بیا ایں سو بر آوازم شتاب / عالم ار برف است روز از من متاب
حال او زاں روز شد خوب و پدید / آں عجائب را کہ اول می شنید
باز باید گشت سوئے آں غلام / کرد باید آں حکایت را تمام

اوپر مولانا نے فرمایا تھا "آنچناں کہ حکم غیبی بایزید" اس مناسبت سے پھر قصہ بایزید رحمۃ اللہ کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی ہوا جو انھوں نے کہا تھا اور ابوالحسنؒ نے بھی لوگوں سے اس قصہ کو سُنا کہ شیخ نے فرمایا تھا کہ ابوالحسنؒ پیدا ہوں گے اور ہمارے مرید اور ہماری جماعت کے آدمی ہوں گے اور ہماری قبر سے ہر روز تعلیم حاصل کریں گے۔ وہ ہر روز ہماری قبر پر آکر سبق لیں گے۔ اور بالآخر شیخ باخدا

ہوں گے۔ یہ سنکر انھوں نے فرمایا کہ میں نے بھی انکو خواب میں دیکھا ہے اور شیخ کی روح سے یہ بھی سنا ہے جو تم کہتے ہو۔ القصہ وہ ہر صبح کو قبر پر بلا ناغہ جاتے اور قبر کے پاس باحضور قلب بیٹھ جاتے اور ہر صبح کو کو قبر کی طرف جاتے اور دن چڑھے تک انکی حضور میں کھڑے رہتے۔ یہانتک کہ شیخ کی صورت مثالیہ انکے سامنے آتی۔ اور تعلیم دیتی۔ یا بدون گفتگو ہی کے انکی مشکلیں حل ہو جاتیں یعنی افاضہ کی صورتیں مختلف تھیں کبھی بتوسط صورت مثالیہ افاضہ ہوتا تھا اور کبھی بلا توسط یہ ہی طریقہ جاری رہا۔ یہانتک کہ وہ ایک روز بہت سے خوش نصیبوں کی ساتھ متلبس آئے اور قبروں کو تازہ برف سے چھپا ہوا پایا اور دیکھا کہ پہاڑ کی مثل برف کے تودے لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھکر انکی جان غمگین ہو گئی کیونکہ شیخ کی قبر اُن کو معلوم نہو سکی کہ آخر شیخ زندہ بحیات روحانی کے مقبرہ سے آواز آئی کہ ارے میں تجھے بلاتا ہوں تاکہ تو میری طرف چلا آئے۔ تو میری آواز پر چلا آ اور دنیا اگر یہ برف ہو جاوے تو تو مجھسے نہ پھر اس روز سے انکی حالت اچھی ہو گئی اور انھوں نے وہ عجائب دیکھے جنکو پہلے سنا کرتے تھے۔ اچھا اب اُس غلام کی طرف لوٹنا چاہئے۔ اور اس حکایت کو پورا کرنا چاہئے۔

شرح شبیری

حضرت ابوالحسنؒ کا حضرت بایزیدؒ کی پیشین گوئی کو سننا

ہمچناں آمد کہ او فرمودہ بود بوالحسنؒ از مرد ماں آنرا شنود

یعنی جس طرح کہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا اُسی طرح ہوا اور حضرت ابوالحسنؒ نے لوگوں سے اسکو سنا (کہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا کہ)۔

کہ حسن باشد مرید و امتم درس گیرد ہر صباح از تربتم

یعنی کہ حضرت حسن میرے مرید اور تابع ہونگے اور میری قبر سے ہر روز فیض لیا کریں گے۔

ہر صباحے آید و خواند سبق بر سر خاکم شود پیرے بحق

یعنی ہر روز اگر فیض حاصل کریں گے اور میری خاک پر وہ ایک باخدا پیر ہوں گے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت ابوالحسنؒ خرقانی پیدا ہوئے تو انھوں نے لوگوں سے سنا کہ حضرت بایزیدؒ یہ فرما گئے تھے کہ ابوالحسنؒ

پیدا ہوں گے اور میری قبر سے فیض حاصل کیا کریں گے اور اسی طرح قبر ہی سے مستفیض ہوتے ہوتے ایکروز بڑے پایہ کے بزرگ اور شیخ طریقت ہو جاویں گے اسکو سنکر حضرت ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ۔

گفت من ہم نیز خوابش دیدہ ام　　　وز روان شیخ این بشنیدہ ام

یعنی حضرت ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ میں نے بھی اُن کو خواب میں دیکھا ہے اور حضرت شیخ کی روح سے میں نے یہی سنا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی خواب دیکھا ہے کہ حضرت بایزیدؒ مجھسے فرما رہے ہیں کہ ہماری قبر پر آکر فیض حاصل کرو تو دیکھو جسطرح حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا کہ وہ پیدا ہوں گے اسی طرح سب ہوا۔ آگے حضرت ابوالحسنؒ کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے لوگوں سے سُنا اور خود بھی خواب میں دیکھا تو اُنکی یہ حالت تھی کہ۔

ہر صباحے تیز رفتے بے فتور　　　بر سر گورش نشستے با حضور

یعنی بلاناغہ روزانہ جلدی سے تشریف لیجاتے اور ان کی قبر پر متوجہ ہو کر بیٹھتے۔

ہر صباحے رو نہادے سوئے گور　　　ایستادے تا ضحے اندر حضور

یعنی ہر روز قبر کی طرف جاتے اور چاشت کے وقت تک حضور میں کھڑے رہتے۔

تا مثال شیخ پیشش آمدے　　　ما کہ بے گفتے شکالش حل شدے

یعنی یہانتک کہ شیخ کی صورت مثالیہ اُن کے سامنے آتی اور بے گفتگو کے اُن کے اشکالات حل ہو جاتے۔ مطلب یہ کہ انکا یہ معمول ہو گیا کہ روزانہ بلاناغہ قبر پر تشریف لیجاتے اور وہاں دن چڑھے تک مراقب رہتے اسکے بعد شیخ کی صورت مثالیہ اُن کے سامنے آتی اور اُسوقت بلا گفتگو ظاہر کے انکو فیض ہوتا۔ اور جسقدر انکو طریق میں اشکالات ہوتے سب بلا بولے چالے صورت دیکھ لینے سے ہی حل ہو جاتے۔ بس یہ حالت تھی کہ ۵ اے لقائے تو جواب ہر سوال + از تو مشکل حل شود بے قیل و قال غرضکہ اسی طرح وہ فیض حاصل کرتے رہے یہانتک کہ ایکدن یہ ہوا کہ۔

تا یکے روزے بیامد با سعود　　　گورہا را برف نو پوشیدہ بود

یعنی یہاں تک کہ ایکدن حضرت ابوسعودؒ تشریف لائے تو تمام قبروں کو تازہ برف سے ڈھکے ہوئے پایا۔

توے بر تو برفہا ہمچوں علم　　　قبہ قبہ دید و شد جانش بغم

یعنی برف کے تودے کے تودے جھنڈوں کی طرح قبہ قبہ دیکھے۔ تو انکی جان غمگین ہوئی۔ مطلب یہ کہ

ایک دن جو تشریف لیگئے تو دیکھا کہ تمام قبروں پر برف جم رہا ہے اب جو ساری قبریں یکساں ہوگئیں تو شیخ کی قبر کو پہچان نہ سکے اب انکو بڑی فکر ہوئی اور غم ہوا کہ اب کس طرح فیض حاصل کروں قبر ہی کا پتہ نہیں یہ اسی فکر و غم میں تھے کہ۔

بانگش آمد از حظیرۂ شیخ حے   ہا انا ادعوک کے تسعے الے

یعنی شیخ زندہ کے مقبرہ سے اُن کو آواز آئی ارے میں تمکو بلا رہا ہوں تاکہ تم میری طرف آؤ۔ (اور آواز آئی کہ)

ہیں بیا ایں سو بر آواز م شتاب   عالم ار برف است روز از من متاب

یعنی ہاں اسطرف آؤ میری آواز پر دوڑو اگر تمام عالم برابر برف ہوجاوے تم مجھسے روگردانی مت کرو مطلب یہ کہ جب یہ حیرت میں تھے اور سوچ رہے تھے کہ شیخ کی قبر کونسی ہے عین اسی حالتمیں انکو حضرت شیخ کے مقبرہ میں سے آواز آئی وہ شیخ جو کہ حیات روحانی سے زندہ تھے انھوں نے آواز دی کہ میاں اگر تمام عالم میں برف ہی برف ہو اور سارا عالم ظاہر میں یکساں ہوجاوے تو تمکو کیا پرواہ ہے تم نور بصیرت سے میری قبر کو پہچانکر اسکے پاس آجاؤ اور مجھسے فیض حاصل کرو اب تم میری آواز پر چلے آؤ کہ میری قبر تک پہونچ جاؤگے بس اس آواز کو سننا تھا کہ اُنکی حالت ہی بدلگئی اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

حال او زاں روز شد خوب و پدید   آں عجائب را کہ اول می شنید

یعنی اُن کی حالت اُسی روز سے اچھی ہوگئی اور اُنھوں نے ان عجائب کو دیکھ لیا جنکو کہ اول سنتے تھے مطلب یہ کہ اُس روز کچھ ایسا فیض تھا کہ جس سے اُنکو وہ نور بصیرت حاصل ہوا کہ جو باتیں ابتک شیخ سے سُنا کرتے تھے آج خود انکی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں اور یہ خود اُن باتوں کو دیکھ رہے تھے یعنی بس اُسی روز سے کامل ہوگئے۔ آگے اُس غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماکر اُسکو پورا ہی فرماتے ہیں کہ۔

باز باید گشت سوئے آں غلام   کرد باید آں حکایت را تمام

یعنی پھر اُس غلام کی طرف واپس ہونا چاہیئے۔ اور اُس حکایت کو پورا کر دینا چاہیئے (آگے حکایت کو پورا فرماتے ہیں)۔

شرح حبیبی

اس غلام کا دوسرا رقعہ لکھنا جبکہ پہلے کا جواب نہ آیا

نامۂ دیگر نوشت آں بدگماں — پر ز تشنیع و نفیر و پر فغاں

کہ یکے رقعہ نوشتم پیش شاہ — اے عجب آنجا رسید و یافت راہ

آں دگر را خواند ہم آں خوب خد — ہم نداد او را جواب و تن بزد

خشک می آورد او را شہریار — او مکرر کرد رقعہ پنج بار

گفت حاجب آخر او بندہ شماست — گر جوابش بر نویسی ہم رواست

از شہی تو چہ کم گردد اگر — بر غلام و بندہ اندازی نظر

گفت ایں سہل است اما احمق است — مرد احمق زشت و مردود حق است

گرچہ آمرزم گناہ و زلتش — ہم کند در من سرایت علتش

صد کس از گرگیں ہمہ گرگیں شوند — خاصہ ایں کژ خبیث عقل بند

گر کم عقلے مبادا اگبر را — شومیش بے آب دارد ابر را

نم نبارد ابر از شومے او — شہر شد ویرانہ از بومی او

خیر تو اس بدگمان نے دوسرا رقعہ لکھا جو کہ طعن و تشنیع اور نالہ وزاری سے لبریز تھا اور یہ لکھا کہ اس سے پیشتر بھی میں نے ایک رقعہ لکھا تھا لیکن یقین ہے کہ وہ حضور تک نہیں پہونچا اگر پہونچ گیا ہو تو سخت حیرت ہے کہ جواب کیوں نہیں ملا۔ یہ رقعہ لکھکر اُس نے دوسرے نامہ بر کو بلایا۔ اُس نے

اسکا بھی جواب نہ دیا۔ اس نے پانچ رقعے یکے بعد دیگرے لکھے مگر بادشاہ اس سے رکھائی ہی برتتے رہے۔ دربان نے عرض کیا کہ آخر تو وہ حضور کا غلام ہی ہے اگر آپ جواب لکھدیں تو کیا مضائقہ ہے۔ اور اگر حضور اپنے غلام پر نظر عنایت فرماویں تو حضور کے مرتبۂ عالی میں کیا کمی آجائیگی۔ بادشاہ نے کہا کہ بات تو کچھ بھی نہیں مگر وہ احمق ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ احمق برا شخص اور مردود حق سبحانہ ہے (یہ مصرع جملہ معترضہ ہے اور بادشاہ کا مقولہ نہیں کیونکہ یہ شخص بدیں معنی احمق تھا کہ بادشاہ سے غافل اور روٹی کی فکر میں تھا اور مردود حق وہ احمق ہے جو خدا سے غافل اور دنیا میں منہمک ہو۔ ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ یہ احمق ہے اسلئے کہ شاکر نعمت نہیں۔ اور جو بندوں کا شکر نہ کرے وہ خدا کا شکر نہیں کر سکتا۔ اسلئے یہ احمق اور مردود حق ہے تو گنجایش ہے واللہ اعلم۔ اسکے بعد مولانا بادشاہ کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے کہا کہ) اگر میں اسکا قصور اور اسکی لغزش معاف کرتا ہوں اور پھر اسکو مقرب بناتا ہوں تو اسکی حماقت مجھ میں اثر کر جائیگی کیونکہ ایک خارشتی اونٹ سیکو خارشتی کر دیتا ہے لہذا اس سے بچنا چاہیئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ خاصکر یہ خبیث مرض خارش احمقی جو کہ عقل کو قید کر دیتا ہے یہ تو بالاولیٰ خارشتی بنادیگا اور اس سے تو بالاولیٰ بچنا چاہیئے۔ یہ حماقت کی کھجلی تو وہ بلا ہے کہ خدا کافر کو بھی نہ دے۔ اسکی نحوست سے ابر کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور اسکی نحوست سے ابر سے پانی نہیں برستا اور اسکے اوپن سے شہر اور ملک ویران ہو جاتے ہیں۔ دیکھو احمقوں ہی کی کھجلی کی وجہ سے طوفان نوح نے دنیا کو اجاڑ دیا تھا

شرح شبیری

اس غلام کا دوسرا رقعہ لکھنا جبکہ پہلے کا جواب نہ آیا

نامۂ دیگر نوشت آں بدگماں — پُر ز تشنیع و نفیر و پر فغاں

یعنی اس بدگمان نے ایک دوسرا پرچہ لکھا جو کہ طعن و تشنیع سے اور نالہ وزاری سے بھرا ہوا تھا (اور اسمیں یہ لکھا کہ)

کہ یکے رقعہ نوشتم پیش شاہ — اے عجب آنجا رسید و یافت راہ

یعنی میں نے ایک رقعہ حضور شاہی میں (پہلے بھی) لکھا تھا (مگر) تعجب ہے کہ وہ وہاں پہونچا اور اس نے راہ پائی (لیکن جواب نہیں ملا) مطلب یہ کہ آپنے لکھا کہ حضور میں ایک رقعہ اس سے قبل بھی لکھ چکا ہوں اور یقین ہے کہ وہ ضرور پہونچا ہوگا مگر تعجب ہے جواب سے محروم ہوں۔

آں دگر را خواند ہم آں خوب خد ہم نداد او را جواب و تن بزد

یعنی اُس خوب خد نے اُس دوسرے کو بھی پڑھ لیا اور جواب نہ دیا (بلکہ) چپ ہو رہا۔

خشک می آورد او را شہریار او مکرر کرد رقعہ پنج بار

یعنی بادشاہ اُسکو سکھا رہا تھا اور اُس نے پانچ مرتبہ رقعہ بھیجا۔ مطلب یہ کہ اُس بادشاہ نے اُس دوسرے رقعہ کو بھی پڑھکر رکھدیا اور چپ ہو رہا اُس غلام نے یکے بعد دیگرے پانچ رقعے بھیجے مگر بادشاہ نے بھی جواب ہی نہ دیا۔ یوں ہی انتظار میں اُسکو سکھاتا رہا۔

گفت حاجب آخر او بندہ شماست گر جوابش بر نویسی ہم رواست

یعنی دربان نے عرض کیا کہ آخر وہ غلام شاہی ہی ہے اگر آپ اُسکا جواب لکھ دیں تو کچھ حرج تو نہیں ہے۔

از شہی تو چہ کم گردد اگر بر غلام و بندہ اندازی نظر

یعنی آپ کی بادشاہت میں سے کیا کم ہو جاویگا۔ اگر آپ اپنے غلام اور سیوک پر نظر ڈالدیں گے مطلب کہ خادم خاص نے عرض کیا کہ حضور اگر اسکے رقعہ کا جواب دیدیں تو کیا حرج ہے آخر تو حضور کا غلام ہی ہے خواہ وظیفہ پورا نہ کیا جاوے۔ مگر جواب تو دیدیا جاوے اسپر بادشاہ نے جواب دیا کہ

گفت ایں سہل است اما احمق است مرد احمق زشت و مردود حق است

یعنی بادشاہ نے کہا کہ یہ تو آسان بات ہے لیکن وہ احمق ہے اور احمق آدمی بُرا اور حق تعالیٰ کے نزدیک مردود ہے مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ یہ بات تو کچھ بھی نہیں ذراسی بات ہے مگر وہ ہر احمق۔ مولانا دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ احمق آدمی تو خدا کے نزدیک بھی مردود ہوتا ہے کیونکہ جو احمق ہوگا۔ وہ حق تعالیٰ کو چھوڑکر غیر میں لگے گا۔ تو ظاہر ہے کہ مردود ہوگا۔ غرض کہ بادشاہ نے کہا کہ وہ ہے احمق اور

گرچہ آمرزم گناہ و زلتش ہم کند در من سرایت علتش

یعنی اگرچہ میں اُسکی خطا اور لغزش کو معاف کردوں (مگر) اُسکی بیماری مجھ میں سرایت کرجاوگی
مطلب یہ کہ یہ بہت آسان بات ہے کہ میں اُسکی خطا معاف کرکے پھر اسکو مقرب بنالوں مگر
مجھے خوف ہے کہ اُسکی یہ حماقت کہیں میرے اندر سرایت نہ کرجاوے اسلئے کہ۔

صد کس از گرگیں ہمہ گرگیں شوند   خاصہ ایں گر خبیث عقل بند

یعنی ایک خارشتی سے سو آدمی سارے خارشتی ہوجاتے ہیں۔ خاصکر یہ خبیث خارشت جو عقل
کو بند کردینے والی ہے۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ دیکھو ایک آدمی خارشتی آجاوے تو اگر وہاں
اور سو تندرست ہوں گے سب اُس ایک کی وجہ سے خارشتی ہوجاویں گے۔ اسی طرح مجھے خوف ہے
کہ اسکی یہ حماقت کہیں مجھے نہ لگ جاوے مولانا دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ وہ خارشت ظاہری
تو لگتی ہی ہے مگر خاصکر یہ خارشت بے عقلی کی تو بہت ہی جلدی لگتی ہے اس سے تو بہت ہی
بچنا چاہئے اور فرماتے ہیں کہ۔

گر کم عقلے مباد اگبر را   شومیش بے آب دارد ابر را

یعنی کم عقلی کی خارشت تو خدا کرے کافر کو بھی نہ ہو کہ اسکی نحوست ابر کو بھی خشک کردیتی ہے۔

نم نبارد ابر از شومے او   شہر شد ویرانہ از بومی او

یعنی ابر سے پانی اسکی نحوست کی وجہ سے نہیں برستا اور اُسکی نحوست سے شہر ویرانہ ہوجاتا ہے
مطلب یہ کہ یہ حماقت کی خارشت تو خدا کسی دشمن کو بھی نہ دے کیونکہ اسکی وہ نحوست ہے کہ
ابر میں پانی نہ رہے اور آبادیاں ویران ہوجاویں اب کوئی کہتا ہے کہ بھلا آبادیان ویران کہاں
ہوتی ہیں تو آگے اُسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

از گر احمقاں طوفاں نوح   کرد ویراں عالمے را در فضوح

یعنی ان احمقوں کی خارشت سے طوفان نوح آیا کہ اُس نے ایک عالم کو رسوائی میں تباہ کردیا
مطلب یہ کہ قوم نوح کی حماقت ہی کی بدولت تو طوفان آیا کہ اس نے ایک عالم کو برباد اور تباہ
کردیا۔ تو دیکھو اس حماقت ہی نے شہروں کو برباد کیا یا نہیں۔ آگے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا عاقل کی تعریف فرمانا۔ اور احمق کی برائی فرمانیکو
بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عاقل کی تعریف کرنا اور احمق کی برائی کرنا

گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست — او عدو ما و غول رہزن است

ہر کہ او عاقل بود او جان ماست — روح او و ریح او ریحان ماست

عقل دشنامم دہد من راضیم — زانکہ فیضے دارد از فیاضیم

نبود آں دشنام او بے فائدہ — نبود آں مہمانیش بے مائدہ

احمق ار حلوا نہد اندر لبم — من ازاں حلوائے او اندر تبم

ایں یقیں داں گر لطیف و روشنی — نیست بوس کون خر را چاشنی

سبلتت گندہ کند بے فائدہ — جامہ از دیگش سیہ بے مائدہ

مائدہ عقلست نے نان و کباب — نور عقلست اے پسر جان را شراب

نیست غیر نور آدم را خورش، — از خبر آں جاں نیابد پرورش،

زیں خورشہا اندک اندک باز بر — کایں غذائے خر بود نے آں حر

تا غذائے اصل را قابل شوی — لقمہائے نور را آکل شوی

عکس آں نورست کایں ناں ناں شدہ است — فیض آں جانست کایں جاں جاں شدہ است

چوں خوری یکبار از ماکول نور — خاک ریزی بر سر نان تنور

عقل شیدا شد چہ خوانی تر ہاست — راہ پیدا شد چہ پائے بے ثبات

عقل دو عقل است اول مکسبی | کہ در آموزی چو در مکتب صبی
از کتاب و اوستاد و فکر و ذکر | از معانی وز علوم خوب و بکر
عقل تو افزوں شود بر دیگراں | لیک تو باشی ز حفظ آں گراں
لوح حافظ باشی اندر دور و گشت | لوح محفوظ است کو زیں در گذشت
عقل دیگر بخشش یزداں بود | چشمۂ آں در میاں جاں بود
چوں ز سینہ آب دانش جوش کرد | نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد
ور رہ نبعش بود بستہ چہ غم | کو ہمی جوشد ز خانہ دمبدم
عقل تحصیلی مثال جویہا | کاں رود در خانۂ از کویہا
راہ آبش بستہ شد شد بے نوا | تشنہ ماندہ زار و با صد ابتلا
از دروں خویشتن جو چشمہ را | تا رہی از منت ہر ناسزا

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص احمق ہو وہ ہمارا دشمن اور شیطان مضل ہے اور جو عاقل ہو وہ ہمارا پیارا ہے اسکی بو ہمارے لئے شراب کیطرح سرور پیدا کرنیوالی ہے عاقل اگر بالفرض محال مجھے گالی بھی دے تو میں اُس سے بھی خوش ہوں۔ کیونکہ وہ میرے فیض سے مستفیض ہے اسلئے اسکی گالی میں بھی کوئی مصلحت ہوگی اور یہ دعوت اسکی بدون کھانے کے نہیں ہوگی۔ اور احمق اگر مجھے حلوا بھی کھلائے تو مجھے حلوے سے بھی بخار چڑھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاقل کی ظاہری مضرت میں بھی نفع ہے اور احمق کے ظاہری نفع میں بھی نقصان ہے احمق کی نفع ظاہری سے خوش ہونا ایسا ہے جیسا کہ بوسۂ کونِ خر سے استلذاذ اور اگر تم پاک طبع اور صاف باطن ہو تو سمجھ لو کہ بوسۂ کونِ خر میں کوئی لذت نہیں۔ بلکہ فضول تمہاری مونچھیں نجاست آلود ہوتی ہیں۔ اور اس دیگ سے تمہارے کپڑے ہی سیاہ ہوتے ہیں۔ کھانا نہیں ملتا۔ پس یہی حالت احمق کی ہے

کہ اس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ نقصان ہوتا ہے۔ ہمارے قول "جامۂ ازدیگش سیہ بے مائدہ کو دیکھکر شاید کوئی سطحی نظر والا یوں کہے کہ احمق تو لوگوں کو خوب کھلاتے پلاتے ہیں۔ پھر آپکا یہ قول کیونکر صحیح ہے اسلئے ہم اسکا جواب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جناب روٹی اور کباب وغیرہ غذا نہیں ہے اصل غذا تو عقل ہے اور جان کی شراب تو نور عقل ہے نہ کہ اشربہ متعارفہ پس اگر یہ ملے بھی تو کیا ہوا۔ کیونکہ آدمی کی غذا تو نور عقل ہی ہے اور وہ اسی سے پرورش پاتا ہے نہ کہ کسی اور شے سے۔ پس روٹی وکباب وغیرہ کا ملنا غذا کا ملنا نہوگا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب تمھیں معلوم ہوگیا۔ کہ آدمی کا کھانا پینا عقل اور نور عقل ہے تو ان حسی غذاؤں کو رفتہ رفتہ کم کرو۔ کیونکہ یہ انسانوں کی غذائیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو جانوروں کی غذائیں ہیں۔ تاکہ تم اصلی غذا کے قابل ہوجاؤ اور نور کے لقمے کھانے لگو دیکھو روٹی جو روٹی ہوتی ہے یہ بھی اسی نور کا پرتو ہے اور یہ روٹی جو جان کی طرح مرغوب ہوتی ہے یہ بھی اسی نور کا فیض ہے جو کہ بمنزلہ جان کے ہے تم ابتک اس غذا کی اسلئے قدر کرتے ہو کہ تم نے وہ غذا نہیں کھائی۔ لیکن اگر ایک مرتبہ نور کا لقمہ کھالو تو تم تنوری پر خاک ڈالدو اور کہو کہ اب مجھ پر عقل عاشق ہوگئی ہے تو کیا چکنی چپڑی باتیں بناکر مجھے دھوکہ دیتی ہے اور مجھے رستہ ملگیا ہے اب میرے سامنے تجھ کمزور پاؤں کی کیا حقیقت ہے۔ لیکن اس مقام پر تم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تعریف مطلق عقل کی نہیں ہے بلکہ عقلیں دو قسم کی ہیں ایک تو کسبی جسکو تم مدارس میں بچوں کی طرح حاصل کرتے ہو۔ پس کتاب سے استاد سے غور وخوض سے اچھوتے اور نادر مضامین اور علوم سے تمکو اوروں سے زیادہ عقل حاصل ہوجاتی ہے لیکن تم کو اسکا محفوظ رکھنا مشکل ہوتا ہے (کیونکہ اگر وہ اسباب نہ رہیں جن سے یہ عقل حاصل ہوئی ہے تو وہ بھی نہ رہیگی اسلئے ان اسباب کے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور انکا محفوظ رکھنا دشوار ہے اسلئے عقل کا محفوظ رکھنا بھی مشکل ہوتا ہے) اور اسوقت تم لوح حافظ ہوتے ہو اور وہ لوح نہیں ہوتی جسکے علوم کا خدا حافظ ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ وہ ہے جسنے ان علوم کو چھوڑ دیا ہو۔ بایں معنی کہ انکو درجۂ مقصودیت میں نہ رکھا ہو۔ خواہ دوسرے مقصد کے حاصل کرنے کیلئے ان میں مشغول ہو جیسے علوم شرعیہ کہ اہل اللہ ان میں طلب رضائے حق سبحانہ کے لئے مشغول رہتے ہیں۔ ایک عقل تو یہ ہوئی دوسری عقل وہ ہے جو موہوب من اللہ ہو۔ اور اسکا چشمہ روح کے اندر ہو۔ اسکی حالت یہ ہے کہ جب سینہ سے یہ چشمہ علوم جوش زن ہوتا ہے تو اسمیں کوئی تغیر نہیں آتا۔ نہ وہ سڑتا ہے نہ کہنہ ہوتا ہے

نہ زرد ہوتا ہے۔ اور اگر دیگر علوم کے حصول کے ذرائع بند ہو جائیں تو اسے کچھ فکر نہیں ہوتی۔ کیونکہ علوم کا چشمہ تو خود اسکے گھر میں موجود ہے جو ہر وقت اُبلتا رہتا ہے۔ جب دونوں عقلوں کی تفصیل معلوم ہو گئی تو اب سمجھو کہ وہ تعریف عقل کسبی کی نہ تھی بلکہ عقل وہبی کی تھی عقل کسبی تو ایسی ہے جیسے ندیاں جو گھروں میں خارجی گڑھوں سے آتی ہیں۔ اب اگر آمد کا رستہ بند ہو جاوے تو گھر بے سامان رہجاتا ہے اور پیاسا سخت خستہ اور سیکڑوں پریشانیوں میں مبتلا رہجاتا ہے۔ برخلاف عقل وہبی کے کہ چونکہ اُسکا چشمہ خود اپنے ہی اندر سے نکلتا ہے اسلئے وہ مسدود نہیں ہو سکتا۔ پس تم اس چشمہ کو اپنے اندر تلاش کرو۔ تاکہ ان نالائقوں کے احسان سے بچ جاؤ۔ جن کا تم کو عقل کسبی کی تحصیل کیلئے ممنون ہونا پڑتا ہے اب مولانا دوسرے عنوان سے عقل کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔

ایک شخص کا ایک شخص سے مشورہ کرنا اور اُس مشیر کا مستشیر سے کہنا کہ کسی اور سے مشورہ کر کیونکہ میں تیرا دشمن ہوں،

مشورت می کرد شخصے با کسے
کز تردد وارہد وز محبسے

گفت اے خوشنام غیرِ من بجوے
ماجرائے مشورت با ما مگوے

من عدوم مر ترا با من مپیچ
نبود از رائے عدو پیروز ہیچ

رو کسے جو کہ ترا او ہست دوست
دوست بہر دوست لاشک خیر جوست

من عدوم چارہ نبود کز منی
کژ روم با تو نمایم دشمنی

حارسی از گرگ جستن شرط نیست
جستن از غیرِ محل ناجستنے است

من ترا بے ہیچ شکے دشمنم
من ترا کے رہ نمایم رہزنم

ہر کہ باشد ہمنشیں دوستاں
ہست در گلخن میانِ بوستاں

ہر کہ با دشمن نشیند در زمن ، ہست او در بوستان در گولخن
دوست را مازار از ما و منت ، تا نگردد دوست خصم و دشمنت
خیر کن با خلق بہر ایزدت ، یا برائے راحت جان خودت
تا ہمہ را دوست بینی در نظر ، در دلت ناید ز کین ناخوش صور
چونکہ کردی دشمنی پرہیز کن ، مشورت با یار مہر انگیز کن
گفت من دانم ترا اے بوالحسن ، کہ توئی دیرینہ دشمن وارسن ،
لیک مردے عاقلے و معنوی ، عقل تو بگذاردت کہ کجروی
طبع خواہد تا کشد از خصم کین ، عقل بر نفس ست بند آہنین
آید و منعش کند وا داروش ، عقل چون شحنہ است در نیک و بدش
عقل ایمانی چو شحنہ عادلست ، پاسبان و حاکم شہر دلست
ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش ، دزد در سوراخ ماند ہمچو موش
در ہر آنجا کہ برآرد موش دست ، نیست گربہ ور بود او مردہ است
گربۂ چہ شیر شیر افگن بود ، عقل ایمانی کہ اندر تن بود
غرۂ او حاکم درندگان ، نعرۂ او مانع چرندگان
شہر پر دزدست و پر جامہ کنے ، خواہ شحنہ باش گو و خواہ نے
عقل در تن حاکم ایمان بود ، کہ ز بیمش نفس در زندان بود
عقل عقل و جان جان اے جان توئی ، عقل و جان عقل را سلطان توئی

کل موجودات در فرمان تست	عقل کل سرگشتہ و حیران تست

ایک شخص دوسرے شخص سے اسلئے مشورہ کرنا چاہتا تھا کہ تردد اور اسکی قید سے آزاد ہو جاوے
اُس نے کہا کہ آپ مشورہ کا قصہ مجھ سے نہ کہیں بلکہ کسی اور سے مشورہ کریں میں تمہارا دشمن ہوں
مجھے نہ لپٹو۔ کیونکہ دشمن کی رائے سے کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی اور اُسے تلاش کرو جو تمہارا دوست ہو
کیونکہ دوست بیشک دوست کا خیر خواہ ہوتا ہے نہ کہ دشمن میں دشمن ہوں اسلئے میں مجبور ہونگا
کہ نفسانیت سے غلط روش اختیار کروں اور تم سے دشمنی کروں بھیڑیئے کو چوپان بنانا نامناسب ہے
اور بے موقع کسی شے کو تلاش کرنا بمنزلہ نہ تلاش کرنے کے ہے اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ میں تمہارا دشمن
ہوں پس میں تو تمہارا رہزن ہوں رہنما کیسے ہو سکتا ہوں اب میں تم کو ایک مفید نصیحت کرتا ہوں
سنو۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص دوستوں میں ہوتا ہے وہ تکلیف میں بھی راحت میں ہوتا ہے اور جو
دشمنوں میں پھنسا ہوا ہے وہ راحت میں بھی تکلیف میں ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب تمکو چاہیئے
کہ اول تو غرض نفسانی سے دوست کو تکلیف نہ پہونچاؤ تاکہ وہ تمہارا دشمن نہ ہو جاوے۔ اور جہاں تک
ہو سکے لوگوں کی ساتھ احسان کرو۔ خواہ خدا کیلئے خواہ خود اپنی راحت کیلئے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا
کہ سب تمہیں دوست نظر آئیں گے۔ اور کسی کی دشمنی کے ناخوش خیالات تمہارے دل میں نہ
آئیں گے۔ لیکن جبکہ تم ایسا نکرو اور لوگوں سے دشمنی پیدا کر لو تو اب تمہارا فرض ہے کہ دوستوں سے مشورہ
کرو اور دشمن سے بچو۔ یہ سنکر اُس نے جواب دیا کہ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ آپ میرے پرانے دشمن ہیں
مگر اسکے ساتھ ہی میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ عاقل اور حقیقت شناس ہیں۔ اسلئے اگر تم غلط روی
کرنا بھی چاہو گے تو تمہاری عقل مانع ہو گی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ نفس چاہتا ہے کہ دشمن سے دشمنی
نکالے۔ لیکن عقل اُسکے لئے ایک سخت مزاحم ہے وہ اگر اُسے روکتی اور اس فعل سے باز رکھتی ہے
کیونکہ وہ بھلائی بُرائی میں بمنزلہ کوتوال کے ہے جسکا کام شریروں کو شرارت سے روکنا ہے۔ ہم
اس مضمون کو کسیقدر وضاحت کیساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ سنو عقل سے مراد ہماری وہ
عقل ہے جو منور بنور ایمان ہو۔ اور کوتوال سے مراد منصف کوتوال ہے تو حاصل یہ ہوا کہ عقل ایمانی
ایک منصف کوتوال ہے جو کہ شہر قلب کا حاکم اور اسکا محافظ ہے اور یہ کوتوال بلی کیطرح چوکنا

رہتا ہے اسلئے چور (نفس) اسکے سامنے چوہے کی طرح بل میں گھسا رہتا ہے پس اگر کسی جگہ یہ
چوہا (نفس) دست درازی کرے اور شورش کرے تو سمجھ لو کہ وہاں بلی (عقل ایمانی) نہیں
ہے یا ہے مگر وہ ہے۔ ہم نے عقل ایمانی کو جو کہ انسان کے اندر ہے بلی کہا ہے مگر اسکے
سامنے بلی کی کیا حقیقت ہے وہ تو ایک شیر ہے اور شیر بھی ایسا جو اور شیروں پر غالب ہے
اسکی غرش درندوں (قویٰ غضبیہ) پر حاکم ہے اور اسکا نعرہ چرندوں (قوائے شہوانیہ) کو
چرنے سے روکنے والا ہے۔ لیکن اے سالک تو ہمارے اس بیان سے دھوکہ نہ کھانا
اور یاد رکھنا کہ خواہ اس شہر باطن میں کوتوال عقل ایمانی ہویا نہ ہو۔ یہ شہر چوروں اور کپڑے
اُتارنے والوں سے ہر حالت میں بھرا ہوتا ہے اور ان سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں اتنی بات ہے
کہ عقل سلطان ایمان کی طرف سے جسم میں حاکم ہوتی ہے جس کے خوف سے نفس محبوس
ہوتا ہے۔ مگر مرتا نہیں اسلئے ان چوروں سے کبھی غافل نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ کبھی کبھی غفلت کے سبب
چور جیلخانہ میں سے نکلجاتے ہیں اور نکلکر نقصان پہونچاتے ہیں۔ اب مولانا مناجات فرماتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ اے اللہ عقل بھی بدون تیری اعانت کے کچھ نہیں کر سکتی۔ اور نہ روح ہی کچھ کر سکتی ہے
پس تو عقل کی عقل اور روح کی روح ہے یعنی مخلوق کی عقول اور انکی ارواح پر تو حاکم ہے اور عقل کل یعنی
عقل ایمانی بھی تیری عظمت و جلال کے سامنے سرگشتہ اور متحیر ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات تیری
ہی محکوم ہیں۔ تو جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔

تم النصف الاول من السفر الرابع للکتاب واللہ اعلم بالصواب

شرح شبیری

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عاقل کی تعریف کرنا اور احمق کی برائی کرنا،

گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست — او عدو ما و غول رہزن است

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص احمق ہے وہ ہمارا دشمن اور شیطان راہزن ہے،

ہر کہ او عاقل بود او جان ماست — روح او و ریح او ریحان ماست

یعنی جو شخص کہ عاقل ہے وہ ہمارا پیارا ہے اسکی روح و ریح ہمارے لئے خوشبو ہے مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احمق تو شیطان اور ہمارا دشمن ہے اور عاقل ہمارا دوست ہے۔ اور دم ہمارے لئے

موجب فرحت ہے یہ مضمون احادیث کے مضامین سے تو نکلتا ہے ورنہ حدیث میں یہ الفاظ
کہیں نظر سے نہیں گذرے اور فرماتے ہیں کہ

عقل دشنامم دہد من راضیم ‌ ‌ ‌ زانکہ فیضے دارد از فیاضیم

یعنی عاقل مجھے برا کہے تب بھی میں راضی ہوں اسلئے کہ وہ میری فیاضی میں سے ایک فیض رکھتا ہے

نبود آں دشنام او بے فائدہ ‌ ‌ ‌ نبود آں مہمانیش بے مائدہ

یعنی اسکا وہ برا کہنا بھی بے مصلحت کے نہوگا۔ اور اسکی وہ مہمانی بھی بے مائدہ کے نہوگی مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر عاقل آدمی بظاہر کوئی کلمہ خلاف ادب بھی کہدیگا تب بھی مجھے وہ ناگوار نہوگا اسلئے کہ اسمیں بھی مصلحت ہوتی ہے۔ جیسے کہ حضرات اہل اللہ کے بعض کلمات ظاہر میں خلاف ادب میں مگر انکی حقیقت ادب محض ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ ۵ گفتگوئے عاشقاں درکار رب + جوشش عشق است نے ترک ادب۔ تو دیکھو چونکہ عاقل اگر بظاہر بے ادبی بھی کرے تو وہ بھی ناگوار نہیں ہوتی جبکہ اسکا عاقل ہونا مسلّم ہوجاوے اور وجہ اسکی یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ ہمارے فیض سے مستفیض ہوتا ہے اسلئے وہ جو کلمہ بظاہر خلاف بھی کہتا ہے وہ بھی حقیقت میں ادب ہی ہوتا ہے اور اسمیں بھی کوئی مصلحت ہوتی ہے جیساکہ حضرات اہل اللہ کے تذکروں سے صاف معلوم ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔ یہ تو عاقل کیحالت ہوئی

احمق ار حلوا نہد اندر لبم ‌ ‌ ‌ من ازاں حلوائے او اندر تبم

یعنی (اور فرمایا کہ) احمق آدمی اگر حلوا کھلاوے تو میں اس کے حلوے کی وجہ سے بخار میں ہوں مطلب یہ کہ اگر احمق تعریف بھی کرے تو اسکی تعریف بھی قابل اعتبار نہیں جیساکہ سب جانتے ہیں کہ جاہل کی تعریف سے بھی اللہ بچاوے تو دیکھو احمق تعریف بھی کرتا ہے اور ادب بھی کرے تو وہ بھی الٹا ہی ہوتا ہے آگے احمق کے ادب اور تعریف کی مثال دیتے ہیں کہ

ایں یقیں داں گر لطیف و روشنی ‌ ‌ ‌ نیست بوس کون خر را چاشنی

یعنی اگر تم نفیس الطبع اور روشن ضمیر ہو تو یقین جانو کہ کون خر کے بوسہ دینے میں کوئی مزا نہیں ہے (بلکہ) ۔

سبلتت گندہ کند بے فائدہ ‌ ‌ ‌ جامہ از دیگش سیہ بے مائدہ

یعنی تیری موچھونکو فضول گندی کردیگی (تو اسی طرح) اس (احمق) کی ہنڈیا سے کپڑے ہی سیاہ ہونگے بے کھانے کے مطلب یہ کہ میاں دیکھو اگر کوئی گدہی کی کون کا بوسہ لے تو کیا حاصل ہوگا بس سمجھ لو کہ کیا مزا آویگا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) فرماتے ہیں کہ تمھاری مونچھیں خراب ہوجاویں گی۔ اور تو کچھ مزا آویگا نہیں تو بس اسی طرح جاہل کے ادب سے بھی کچھ بھی حاصل نہوگا اس کے ادب سے جو ہنڈیا کی طرح

کچھ راحت تو جو کھانے کی طرح سے ملیگی نہیں بجز کلفت کے جو ہنڈیا کی سیاہی کی طرح ہے غرض کہ کوئی حاصل نہوگا چونکہ یہاں کہا تھا کہ جاہل کا ادب بے مائدہ ہے تو کسی حریص کو شبہ ہوا کہ عاقل کے ادب میں خوب پلاؤ زردے ملتے ہونگے اسلئے آگے مائدہ سے مراد متعین فرماتے ہیں کہ۔

مائدہ عقلست نے نان و کباب　　　نور عقلست اے پسر جان را شراب

یعنی مائدہ سے مراد عقل ہے نہ کہ کباب اور روٹی اور اے صاحبزادے نور عقل کا جان کیلئے بمنزلہ پانی کے ہے مطلب یہ کہ مائدہ سے مراد تو عقل ہے اور اسکا نور بمنزلہ پانی کے ہے تو مطلب یہ ہے کہ احمق کا ادب بے فائدہ اور بے عقلی سے ہوگا اور اسکا تکلیف دہ ہونا ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست غیر نور آدم را خورش　　　از جز آن جان نیابد پرورش

یعنی انسان کے لئے تو سوائے نور عقل کے اور کوئی غذا ہی نہیں اسکے علاوہ اور کسی شے سے روح پرورش نہیں پاتی مطلب یہ کہ انسان کیلئے اصلی غذا جو کہ اسکی روح کو تر و تازہ رکھتی ہے وہ غذا نور عقل ہی ہے کہ اسکی روح اس سے تر و تازہ رہتی ہے روحانی غذا یہی ہے اور غذائے ظاہری تو خود فانی ہے۔ باقی غذا جو ہمیشہ کام آویگی وہ وہی قابل اعتبار ہے غذائے روحانی ہی ہے بس جب اصل غذا یہ ہے تو فرماتے ہیں کہ۔

زین خورشہا اندک اندک باز بر　　　کاین غذائے خر بود نے آن حر

یعنی ان (دنیوی) غذاؤں سے رفتہ رفتہ قطع تعلق کرو۔ کہ یہ تو گدھوں کی غذا ہے نہ آزاد انسان کی۔

تا غذائے اصل را قابل شوی　　　لقمہائے نور را آکل شوی

یعنی تاکہ تم اصلی غذا کے قابل ہو جاؤ اور نور کے لقموں کے کھانے والے ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ ان لذات دنیویہ میں انہماک کو آہستہ آہستہ ترک کردو کیونکہ اسمیں انہماک اور اسی کو مقصود سمجھ لینا تو حیوانات کا کام ہے انسان کی اصلی غذا تو نور ہے لہذا تم جب اسمیں انہماک کو ترک کردوگے تو تم اس نور کے قابل ہو جاؤگے اور اس لائق ہو جاؤگے کہ وہ نور تم کو مل سکے اور تم اس سے فیض حاصل کر سکو اور فرماتے ہیں کہ۔

عکس آن نورست کاین نان نان شدہ است　　　فیض آن جانست کاین جان جان شدہ است

یعنی یہ روٹی جو روٹی ہوئی ہے یہ اسی نور کا عکس ہے۔ اور یہ جان جو جان ہوئی ہے یہ اسی جان کا پرتو ہے مطلب یہ کہ یہاں لذات دنیویہ جو لذیذ معلوم ہو رہی ہیں یہ اسی نور کا عکس ہے۔ ورنہ ان میں مقبولیت ذاتی نہیں ہے اور یہ روح طبعی جو روح بنی ہے یہ اسی اصل کا سایہ ہے جو اس پر پڑا ہے ورنہ نہ یہ روح اصلی ہے اور نہ یہ لذات اصلی لذات ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ لہذا ان میں انہماک کو ترک کرکے تم انکو حاصل کرو تو پھر یہ ہوگا کہ۔

چون خوری یکبار از ماکول نور　　　خاک ریزی بر سر نان تنور

یعنی جب تم ایک مرتبہ غذائے نور میں سے کہا لوگے تو تنور کی روٹی پر خاک ڈالدوگے مطلب یہ کہ اگر ایک مرتبہ بھی اُس اصل غذا کا تو پھر تو تم ان لذات دنیا پر لات ماردوگے اور یہ تمھاری نظر میں بالکل ہیچ ہوجاوینگی۔ اور بزبان حال ان لذات دنیویہ سے تم یہ کہوگے کہ۔

عقل شیدا شد چہ خوانی ترہات   راہ پیدا شد چہ پائی بے ثبات

یعنی عقل شیدا ہوچکی ہے (اے لذات دنیا) اب تم کیا بیہودہ بکتی ہوا ور راستہ ظاہر ہوچکا ہے ابتو اسے بے ثبات کیا قائم ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ تم کو جب اسکا چسکا پڑجاویگا اور ایکمرتبہ مزا چکھ لوگے تو پھر تو ان لذات کو کہوگے کہ اب تو ہم کو راستہ ملگیا ہے اور ہمیں اصل شے ملگئی اب اپنی اس ملمع سازی کو الگ ہی رکھو پھر تو اگر کوئی تم سے کہے بھی کہ اسمیں لگو تب بھی انکار ہی کردگے۔ پس ایکدفعہ مزا چکھ لو پھر دیکھو کیا لطیف رہتے ہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

عقل دو عقل ست اول مکسبی   کہ درآموزی چو در مکتب صبی

یعنی عقل کی دو قسمیں ہیں ایک تو عقل مکتسب جسکو کہ تم مکتب میں بچہ کی طرح سیکھتے ہو۔

از کتاب و استاد و فکر و ذکر   از معانی وز علوم خوب و بکر

یعنی کتاب سے اور استاد سے اور یاد کرنے سے اور سوچنے سے اور نئے اور عمدہ معانی اور علوم سے۔

عقل تو افزوں شود بر دیگراں   لیک تو باشی ز حفظ آں گراں

یعنی تمھاری عقل دوسرے لوگوں پر زیادہ ہوجاتی ہے۔ لیکن تم اسکی حفاظت سے مصیبت میں رہتے ہو۔

لوح حافظ باشی اندر دور گشت   لوح محفوظ است کوزیں در گذشت

یعنی تو ایک حفاظت کرنیوالی تختی (کیطرح) چلنے پھرنے میں رہتا ہے اور لوح محفوظ وہ ہے جو اس سے گذر گیا۔

عقل دیگر بخشش یزداں بود   چشمۂ آں درمیان جاں بود

یعنی دوسری عقل وہبی ہوتی ہے کہ اسکا چشمہ جان کے اندر ہوتا ہے۔

چوں ز سینہ آب دانش جوش کرد   نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد

یعنی جب سینہ میں سے پانی نے اور عقل نے جوش کیا تو نہ تو وہ گندہ ہوا اور نہ پرانا ہوا اور نہ خراب ہوا

ور رہ نبعش بود بستہ چہ غم   کو ہمی جوشد ز خانہ دمبدم

یعنی اگر اسکے اُبلنے کے راستہ بند ہوجاویں تو کیا غم ہے کیونکہ وہ تو گھر میں ہی سے ہر گھڑی جوش مارتا ہے

عقل تحصیلی مثال جو یہا   کاں رود در خانۂ از کویہا

یعنی عقل مکتسب تو اُن ندیوں کی مثل ہے جو کسی گڑھے میں سے گھروں میں جارہی ہوں۔

راہ آبش بستہ شد شد بینوا　　　تشنہ ماندہ زار و با صد ابتلا

یعنی اسکے پانی کا رستہ بند ہوگیا تو وہ مفلس اور پیاسی اور خراب اور بے نوا رہ گئی -

از درون خویشتن جو چشمہ را　　　تا رہی از منت ہر ناسزا

یعنی اپنے اندر سے چشمہ کو تلاش کر تاکہ ہر نالائق کی خوشامد سے چھوٹ جاوے. مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ عقل کی جو ہمنے مدح کی ہے اور عاقل کی تعریف خود حضورؐ نے بھی کی ہے تو سمجھ لو کہ عقل کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو عقل کسبی اور ایک عقل وہبی عقل کسبی تو وہ ہے جو کہ کتابیں پڑھنے سے مولوی صاحب سے سبق پڑھکر مکتب میں قاعدہ یاد کرکے مطالب و معانی کو سوچ کر حاصل کیجاوے. اور پھر دو پہر اس مشقت اور محنت سے پڑھا جاوے کہ لوگ کہیں کہ فلاں مولوی صاحب اچھے ہیں اور انکی استعداد اچھی ہے وغیرہ ذالک تو یہ شخص تو لوح حافظ ہے کہ اسکا جو علم ہے اُسکا خود حافظ ہے کہ کتابیں دیکھتے رہو اور انکو پڑھاتے رہو تب تو یہ موجود ہے اور علم علم ہے ورنہ اگر ذرا اسکی حفاظت سے غافل ہوئے اور یہ روانہ ہوا. تو اسکی حفاظت کی وجہ سے تو انسان کو بڑی بڑی دقتیں اُٹھانا پڑتی ہیں تب یہ رہتا ہے اور اسی سے وہ عقل کسبی بھی رہتی ہے اور جب یہ جاتا رہا تو وہ بھی روانہ ہوگئی - دوسری عقل وہبی ہے جو کہ بذریعہ علوم وہبیہ کے حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے اور کسب وغیرہ کو اسمیں مطلق دخل نہیں ہوتا - اسکی یہ حالت ہے کہ ہر دم قلب کے اندر سے چشمہ کی طرح ابلتے رہتے ہیں اور اگر ظاہری ذرائع تحصیل علوم کے مفقود بھی ہوجاویں تب بھی وہ علوم وہبیہ زائل نہیں ہوتے اور انکی وجہ سے جو عقل حاصل ہوئی تھی وہ بھی زائل نہیں ہوتی بلکہ ہر دم اسمیں تو ترقی ہی ہوتی رہتی ہے - علم مکتسب اور عقل مکتسب کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک ندی میں سے نالہ وغیرہ کاٹکر پانی لایا جاوے سو اگر اُس ندی اور نالہ کے درمیان میں کوئی حائل آجاوے اور وہ نالہ جسمیں سے پانی آتا تھا بند ہوجاوے تو وہ نالہ خشک رہجاوے - اور پانی کا اسمیں ایک قطرہ بھی نہ رہے اسی طرح اگر علوم ظاہری کے تحصیل کے ظاہری ذرائع بند ہوجاویں تو یہ بھی روانہ ہوجاوے اور عقل وہبی اور علم وہبی کی کی مثال چشمہ جیسی ہے کہ جو زمین میں سے اُبل رہا ہے اسکا پانی نہ کبھی ختم ہوتا ہے اور نہ خراب ہوتا ہے اگر اسکو پڑھانے والے میسر نہوں اور کتب بینی کا وقت نہ ملے تب بھی اسمیں کمی نہیں آتی - کیونکہ نہ وہ ظاہری ذرائع سے حاصل ہوا اور نہ ان کے مفقود ہونے سے وہ گم ہوسکتا ہے لہذا اب تم کو چاہیئے کہ کوشش کرکے اُس عقل وہبی اور علم وہبی کو حاصل کرو اور وہ حاصل ہوتا ہے ذکر اللہ سے اور صحبت شیخ سے لہذا کسی شیخ کامل محقق متبع سنت کی صحبت اختیار کرو - اور اس سے فیض حاصل کرکے ان علوم کو حاصل کرو تاکہ پھر ہمیشہ خوش و خورم رہو اور حیات ابدی اور غذائے روحانی تمکو ملجاوے خوب سمجھ لو - اوپر عقل کی مدح اور بے عقلی

کی مذمت کی ہے۔ تو آگے ایک عاقل شخص کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے عقل کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے

ایک شخص کا ایک شخص سے مشورہ کرنا اور اُس مشیر کا مستشیر سے کہنا کہ کسی اور سے مشورہ کر کیونکہ میں تیرا دشمن ہوں،

مشورت میکرد شخصے باکسے　　کز تردد وارہد وز محبسے

یعنی ایک شخص دوسرے سے مشورہ کرتا تھا تاکہ تردد اور قید (فکر) سے چھوٹ جاوے۔

گفت اے خوشنام غیر من بجوئے　　ماجرائے مشورت با او بگوئے

یعنی اُس مشیر نے کہا کہ اے اچھے نام والے میرے سوا کسی کو ڈھونڈھ اور مشورہ کا قصہ اس سے بیان کر

من عدوم مر ترا با من مپیچ　　نبود از رائے عدو فیروز ہیچ

یعنی میں تیرا دشمن ہوں میری ساتھ مت لپٹ (کیونکہ) دشمن کی رائے سے کوئی فلاح نہیں ہوتا۔

رو کسے جو کہ ترا او ہست دوست　　دوست بہر دوست لاشک خیر جوست

یعنی جا اُس شخص کو تلاش کر جو کہ تیرا دوست ہو (کیونکہ) دوست دوست کا بیشک خیر خواہ ہوتا ہے،

من عدوم چارہ نبود کز منی　　کز روم با تو نمایم دشمنی،

یعنی میں تو دشمن ہوں تو مجھسے کچھ بعید نہیں ہے کہ نفسانیت کی وجہ سے تیری ساتھ کجروی اور دشمنی کروں

حارسی از گرگ جستن شرط نیست　　جستن از غیر محل ناجستنے است

یعنی بھیڑیئے سے نگہبانی کو تلاش کرنا مناسب نہیں ہے اور غیر محل سے ڈھونڈھنا (گویا کہ) نہ ڈھونڈھنا ہے مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ تم اگر یہ چاہو کہ گرگ پاسبانی کرے تو اُس سے یہ امید رکھنا بالکل فضول ہے۔ اسی طرح جس چیز کا جو محل ہے اُسکے علاوہ اور کہیں سے اُسکو طلب کرنا ایسا ہے کہ گویا بالکل تلاش ہی نہیں کیا۔ تو چونکہ میں تیرا دشمن ہوں میں تیرے لئے محل خیر خواہی نہیں ہوں مجھسے خیر خواہی کا امیدوار ہونا سخت غلطی ہے اور اُس نے کہا کہ۔

من ترا بے ہیچ شکے دشمنم　　من ترا کے رہ نمایم رہزنم

یعنی میں تیرا بلا شبہ و شک دشمن ہوں میں تجھے راہ کب دکھلاؤنگا میں تو رہزنی کروں گا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ باشد ہمنشین دوستاں　　ہست در گلخن میان بوستاں

یعنی جو شخص کہ دوستوں کا ہمنشیں ہو وہ بہار میں باغ کے اندر ہے مطلب یہ کہ جو دوستوں میں بیٹھنے والا اور انکا ہمنشیں ہے وہ اگر بظاہر کلفت میں بھی ہے تب بھی اُسکو اطمینان باطن ایسا حاصل ہے کہ گویا کہ وہ باغ میں موجود ہے۔

ہر کہ با دشمن نشیند در زمن　　　هست او در بوستان در گولخن

یعنی جو شخص کہ زمانہ میں دشمن کے ساتھ بیٹھے وہ باغ میں ہوتے ہوئے بھاڑ میں ہے۔ مطلب یہ کہ جس کے ہمنشیں اسکے دشمن ہوں اُسکو بظاہر اگر اطمینان بھی حاصل ہو تب بھی وہ گویا کہ مصیبت ہی میں ہے۔ آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

دوست را مازار از ما و منت　　　تا نگردد دوست خصم و دشمنت

یعنی دوست کو بوجہ کبر و منی کے ستا و مت تاکہ دوست تمہارا مقابل اور دشمن نہو جاوے۔

خیر کن با خلق بہر ایزدت　　　یا برائے راحت جان خودت

یعنی مخلوق کے ساتھ اپنے خدا کے واسطے بھلائی کر یا اپنی جان کی راحت کیلئے کر۔

تا ہمہ را دوست بینی در نظر　　　در دلت ناید زکین ناخوش صور

یعنی تاکہ تو نظر میں سبکو دوست دیکھے اور تیرے دل میں کینہ کی وجہ سے کوئی بری صورت نہ آوے مطلب یہ کہ لوگوں کی ساتھ بھلائی کر و یا تو یہ سمجھکر کہ ثواب ملیگا اور خدا راضی ہوگا یا یہ سمجھکر کہ اگر ہم بھلائی کریں گے تو لوگ ہمارے دوست رہیں گے اور ہمیں راحت رہے گی غرض ہر طرح بھلائی کرنا ضروری ہے پھر جب بھلائی کروگے تو سب کے سب تمکو دوست ہی دوست نظر آویں گے اور کوئی بھی دشمن نہ رہے گا۔

چونکہ کردی دشمنی پرہیز کن　　　مشورت با یار مہر انگیز کن

یعنی جبکہ تو نے دشمنی کرلی تو بچ اور مشورہ کسی محبت والے دوست سے کر (ان سب باتوں کو سنکر وہ مستشیر بولا کہ)

گفت من دانم ترا اے بوالحسن　　　کہ توئی دیرینہ دشمن دار من

یعنی اس مستشیر نے کہا کہ اے بوالحسن میں جانتا ہوں کہ تو مجھکو پرانا دشمن رکھنے والا ہے۔

لیک مردے عاقلی و معنوی　　　عقل تو نگذاردت کہ کجروی

یعنی لیکن تو ایک عاقل اور صاحب باطن آدمی ہے تو عقل تجھے نہیں چھوڑتی ہے کہ تو کج چلے۔

طبع خواہد تا کشد از خصم کین　　　عقل بر نفس است بند آہنین

یعنی طبیعت چاہتی ہے کہ مقابل سے کینہ نکالے (مگر) عقل نفس پر ایک قید سخت ہے۔

آید و منعش کند وا دارد ش، عقل چوں شحنہ است در نیک و بدش

یعنی آتی ہے اور اسکو روکتی ہے اور باز رکھتی ہے اور عقل نفس کے نیک و بد میں کوتوال کی طرح ہے۔ مطلب یہ کہ اس مستشیر نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تو میرا ایک مدت سے دشمن ہے مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی جانتا ہوں کہ تو ایک عاقل شخص ہے طبعی تقاضا تو تجھے بھی ضرر رسانی کا ہوتا ہے مگر تیری عقل اس تقاضا پر نفس کو عمل نہیں کرنے دیتی اور روک لیتی ہے لہذا اگر تو مجھے مشورہ دیگا تو باوجود دشمن ہونے کے اسمیں کوئی ایسی بات عمداً نہیں کہہ سکتا جو مجھے ضرر رساں ہو تیری عقل جو نفس پر حاکم ہے وہ تجھے ہرگز ایسا نہ کرنے دیگی۔ قصہ تو ختم ہوا اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل ایمانی چو شحنہ عادل است، پاسبان و حاکم شہر دل است

یعنی عقل ایمانی عادل کوتوال کی طرح ہے کہ شہر دل کی حاکم اور پاسبان ہے۔

ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش، دزد در سوراخ ماند ہمچو موش

یعنی بلی کی طرح وہ بیدار ہوش رہتی ہے اور چور چوہے کی طرح سوراخ میں رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ عقل ایمانی دل کی حاکم اور اسکو بری باتوں سے روکنے والی ہے جیسا کہ حاکم عادل ہوتا ہے کہ وہ سبکو برے کاموں سے باز رکھتا ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ بلی۔ جسطرح بلی کے ڈر کے مارے چوہے نہیں نکلتے بلکہ سوراخ کے اندر ہی گھسے رہتے ہیں اسی طرح عقل ایمانی کے ہوتے ہوئے ملکات ذمیمہ سب مضمحل اور مثل فانی کے ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی زور نہیں رہتا۔

در ہر آنجا کہ بر آرد موش دست، نیست گربہ یا بود او مردہ است

یعنی جسجگہ کہ چوہے ہاتھ نکالیں تو (معلوم ہوا کہ وہاں) بلی نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ مردہ ہے مطلب یہ کہ جہاں دیکھو کہ اخلاق ذمیمہ کا غلبہ ہے وہاں سمجھ لو کہ یا تو عقل ایمانی اور نور ایمانی بالکل ہی نہیں ہے اور اگر ہوگی بھی تو سمجھ لو کہ بالکل مردہ اور مضمحل اور کمزور ہے کہ جسکا کوئی اثر ہی نہیں ہے۔ یہاں تو عقل ایمانی کو گربہ سے تشبیہ دی تھی آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

گربہ چہ شیر شیر افگن بود، عقل ایمانی کہ اندر تن بود

یعنی بلی کیا وہ تو شیر شیر کو پچھاڑنے والی ہوتی ہے وہ عقل ایمانی جو کہ بدن کے اندر ہو۔ مطلب یہ کہ اگر انسان کے اندر عقل ایمانی اور نور ایمانی ہو تو اسکی تو مثال شیر جیسی ہے اور شیر بھی ایسا قوی کہ جو شیر کو پچھاڑ دے تو عقل ایمانی اور نور ایمانی کے آگے بڑے بڑے رذیلہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے اس کے

ہوتے ہوئے ان چیزوں کا تو کہیں پتہ ہی نہیں رہتا۔ اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

غـرّۂ او حاکم درندگاں   نعرۂ او مانع چرندگاں

یعنی اسکی غرغراہٹ درندوں کی حاکم ہوتی ہے اور اسکا نعرہ چرندوں کو روکنے والا ہوتا ہے (درندگان سے مراد قوی غضبیہ ہیں اور چرندگان سے مراد قوی شہویہ ہیں) مطلب یہ کہ اس عقل ایمانی کی یہ شان ہوتی ہے کہ اسکے آگے نہ قوی غضبیہ کا زور چلتا ہے اور نہ قوی شہویہ کوئی چیز رہتے ہیں بلکہ سب مضمحل الوجود اور فانی ہو جاتے ہیں۔

شہر پر دزدست و پر جامہ کنے   خواہ شحنہ باش گو و خواہ نے

یعنی شہر چوروں اور اچکوں سے بھرا ہوا ہے خواہ کوتوال ہو اور خواہ نہو۔ مطلب یہ کہ اخلاق ذمیمہ ہر شخص کے اندر موجود ہیں خواہ نور ایمانی اور عقل ایمانی اسکے اندر ہو یا نہو۔ ہاں اسقدر فرق ہے کہ اگر نور عقل ایمانی ہوگا تو وہ اخلاق ذمیمہ سب بے رہیں گے اور اگر نہوگا تو شور کریں گے ورنہ کوئی اس سے خالی نہیں ہے۔

عقل در تن حاکم ایماں بود   کہ ز بیمش نفس در زنداں بود

یعنی عقل بدن میں حاکم ایمانی ہوتا ہے کہ اسکے خوف کی وجہ سے نفس قیدخانہ میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر عقل ہے تو پھر نفس کا قابو اور زور نہیں چل سکتا۔ بالکل مغلوب اور مضمحل رہتا ہے اب چونکہ عقل کی تعریف کی تھی اور نفس کشی کیلئے عقل کی ضرورت تھی اور بدون اذن و مدد حق کے حل نہیں سکتی تو اب آگے مضطر ہو کر مناجات کرنے لگے کہ۔

عقل عقل و جان جاں اے جان توئی   عقل و جان خلق را سلطان توئی

یعنی اے جان عقل العقل اور روح الروح آپ ہی ہیں اور مخلوق کی عقل اور جان کے آپ ہی سلطان ہیں۔

عقل کل سرگشتہ و حیران تست   کل موجودات در فرمان تست

یعنی عقل کل آپ ہی کی سرگشتہ اور حیران ہے اور کل موجودات آپ ہی کے حکم میں ہیں مطلب یہ کہ اے ارحم الراحمین آپ ہی عقل العقل ہیں اور آپ ہی روح الروح ہیں آپکے آگے یہ تمام عقول اور مخلوقات بالکل ہیچ ہیں آپ کی مدد سے کچھ ہو سکتا ہے ورنہ ہم تو بالکل بیکار اور محض فضول ہیں آپ مدد فرمایئے اور عقل ایمانی نصیب فرمایئے تاکہ یہ نفس سرکش کچھ زیر ہو والسلام۔

تمام شد ربع ثانی از کلید مثنوی دفتر چہارم

فالحمد للہ ثم الحمد للہ

احقر شبیر علی عفی عنہ تقبل اللہ منہ